

www.KitaboSunnat.com

ذکرہ علماء حاپسوار (صلع ہزارہ)

فتح الغیوں
علاء الحارفون

از

مولانا قاضی محمد عبداللہ خانپوری
ایم لے، ایل ایل بی (ایم دیکٹ) - مانسہر (ہزارہ)

وَتَكَلَّمَ تَذَكَّرَةُ عِلَّاتِ حَاپِسَوْنَ

تحریر کردہ

مولانا حمید شفاقی مولانا حمید مولانا حمید فیضی عبید اللہ خانپوری

www.KitaboSunnat.com

ناشر

المکتبۃ السلفیۃ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اطْبِعُوا أَلٰهَهُ
وَاطْبِعُوا رَسُولًا

جَمِيعَ الْعِبَادَاتِ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ

مُدْعَى الْأَبْرِيْرِي

کتاب و متنی دینی پاپیلٹی میڈیا، دینی اسنادی اسٹیبلشمنٹ سے ڈائیجیٹل

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و متن ڈاٹ کام پر مستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلسِ حقیقت انسانی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعویٰ مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرہن سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

- ✉ KitaboSunnat@gmail.com
- 🌐 www.KitaboSunnat.com

وَاللَّهُمَّ هَبْنِي أَيَّا مَرْأَةً (سَعْيَ إِلَيْهِ فَلَمْ يَجِدْهُ)

تذكرة علماء خانپور (صلح نہزادہ) بن

فَتْحُ الْغَفْوَرِيِّ تِذْكُرَةُ عَلِمَائِخَانِيِّ فَوْزِيِّ

مولانا قاضی محمد عبداللہ خانپوری
ایم لے، ایل ایل بی (اویڈو کریٹ)۔ بازار، نہزادہ

وَتَكَلَّمُ تِذْكُرَةُ عَلِمَائِخَانِيِّ فَوْزِيِّ

مولانا حکیم محمد سعید غزال شفاقی مولانا حکیم سعید عبداللہ خانپوری

www.KitaboSunnat.com

ناشر

المَكْتَبَةُ السَّافِيَّةُ

شیخ شبل الدین ○ لامق ○ پادشاهی

اهتمام احمد شکر
طبع المکتبۃ السیفیہ
مطبع زاہد شیر پٹرز - لاہور
تاریخ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ
جولائی ۱۹۸۵ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

گزارش احوال و قیمت

صوبہ سرحد (پاکستان) کے ضلع ہزارہ میں ہری پور ایک تاریخی قصبہ ہے جو راولپنڈی سے مانسہرہ جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ اس تاریخی قصبہ میں قاضیوں کا ایک خاندان آباد تھا جو علم و دانش میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو کئی پشتون سے اس علاقہ میں مذہبی سیادت و قیادت کا تربہ حاصل تھا جو دھوپی صدی ہجری کے اوائل میں عارف باللہ حضرت عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کی وساطت سے اس قاضی خاندان کا رشتہ تلمذ حضرت شیخ الشیوخ ہند شیخ الحکیم میاں سید محمد زین حسین محدث دہلوی رَوَّجَ اللّٰهُ مِنْ وَحْدَةٍ سے ہو گیا۔

نگمہ تعالیٰ اس خاندان کو ذہانت و فطانت و رشیت میں ویغثت ہوتی تھی۔ ہذا اخنوں نے حضرت شیخ الحکیم سے قرآن و حدیث اور علوم عربیہ خوب خوب حاصل کئے اور علوم دینیہ میں کامل ہونے کے بعد اپنے آبائی علاقے میں پس آگئے۔ یہاں اخنوں نے قرآن و سنت کا فیضان تبدیلیا جاتی فرمایا اور بہرہ ملک طریقے سے قرآن و حدیث کی اشاعت علاقے بھریں شروع کر دی۔

یہ علاقہ قرآن و سنت کی اصل تعلیم سے تھی و امن تھا۔ اس یہے قاضی صاحب کو علوم دین کی اشاعت میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنی پڑا۔ مگر اخنوں نے

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان مشکلات کا مردا نہ وار مقابلہ کیا۔ خدا کے ان جانباز بندوں نے تدریس، وعظ، مناظرے کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سر انجام دیتے۔ جزا هم اللہ وضاعف اجورهم

جماعتِ اہل حدیث کی مسلکی فضاد و بعض دیگر ناگزیر وجہ کی بنابریت غنی خاندان کی علمی خدمات خصوصاً ان کی مسلکی خدمات سے جماعتِ اہل حدیث کی شیعی اسلام طور پر ناواقف ہے۔ بنابریں غلظی ذوق رکھنے والوں کو مدلت سے اس کا احساس تھا کہ تلامذہ حضرت شیخ الحکیمؒ کی شاخ ہزارہ کے اس خاندان کی خدمات دین کو قلم بند ہو جانا چاہیئے۔

یادشیں بغیر میسے کے بزرگ دوست مولانا ابو الحییی امام خاں نو شہروی مرعوم نے قاضی خاندان کے بقیۃ السلف بزرگ قاضی محمد عبد اللہ صاحب دکیل رمانہرہ ضلع ایسٹ آباد سے بہ اصرار و نواست کی کروہ اس خواکو چڑکریں۔ مرعوم کے بعد خاک راقم بھی قاضی محمد عبد اللہ مرعوم سے درخواست کرتا رہا۔ قاضی صاحب کی سنتی و محنت سے یہ اہم کام سر انجام پا گیا۔ احتجوں نے فتح الغفور فی ذکر علامے حافظ علی خان الغورؒ کے نام سے ایک کتاب ترتیب کے ڈالی جو احتجوں نے طباعت کے لیے اس خاک کے سپرد کر دی۔ میں اس کتاب کی طباعت کی تیاری کرتا رہا، جس میں بوجہ نچھتا خیر ہوتی گئی۔ اس دوران قاضی صاحب مذکور کتاب کے انتظامیں ۲۰۱۴ء میں اپریل ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۶ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے بر جمہا د جزا احسن المجزاد۔ اور ستمبر ۱۴۰۰ھ میں خاک ارشدید بیمار ہو گیا۔

عزم قاضی محمد عبد اللہ صاحب مرعوم نے یہ کتاب "فتح الغفور" بڑی محنت قابلیت اور اعتدال سے مرتب فرمائی ہے۔ قاضی عبد الاحمد کے تذکرے میں قاضی صاحب

اور مولوی شاہ اللہ صاحب کے عنوان کے تحت انہوں نے قاضی صاحب کی تالیفیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں اس نازک موضوع پر بڑی ہوشمندی اور مسلسلہ طبع کا ثبوت دیا ہے۔ قاضی صاحب کی کتابوں کے سلسلے میں کسی نام کا ذکر کیا تو اس کی درستی الفاظ کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مثلاً کتاب التوحید والتنہ کے متعدد ناموں میں سے صرف اسی ایک نام کا ذکر کیا ہے اور باقی کو حچھوڑ دیا ہے ایسے ہی باقی مناقشات کے بیان میں بھی یہی احتیاط محفوظ رکھی ہے۔ حالانکہ پیر فخر علیشاہ مرحوم اور مرتضیٰ قادریان وغیرہ سے تعلق قاضی عبد الواحد صاحب کی تالیفیات ان کا اپنا انداز رہنے دیا گیا۔

"تامہم پونجھ یہ زراع عربی تفسیر القرآن بكلام الرحمٰن پر تعمیدی کتاب طبع کردہ علمائے غزویہ امرتسر" الاربعین ... سے شروع ہوا تھا جس کا جواب مولانا شاہ اللہ صاحب نے "الكلام المبين" کے نام سے لکھا۔ اس پر علمائے آرہ کا ایک فیصلہ فیصلہ مولانا عبد الغفار حسن کے واوا مولانا عبد الجبار حسن عمر فوڑی کے رسائلے "ضیاء السنۃ" مکملتہ میں شائع ہوا۔ اس فیصلہ آرہ کے منصفین تین بزرگ مولانا محمد شمس الحق ڈیانوی (مصنف حون المعبدو)، مولانا شاہ علیین الحق ہپللوڑی اور مولانا عبد اللہ صاحب غازی پوری ستحے اور اس کو شائع کرنے والے مولانا عبد العزیز رحیم آبادی۔ ان تفضیلات کو قاضی محمد عبد اللہ صاحب نے نہیں چھپیا، تامہم ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لیے "فتح الغفور" میں ان کا ذکر اس لیے کروایا گیا کہ یہ آئندہ کے سارے مناقشات کی بنی تھنا۔ مولانا شاہ اللہ مرحوم نے فیصلہ آرمے کے عنوان سے وہ رسالہ خود بھی چھاپ دیا تھا۔ جس میں ۱۲۱ اعتراضات کو درست تسلیم کیا تھا اور باقی ۲۶ ان کے خیال میں الاربعین کے اعتراضات درست ستحے۔

مولانا شار اللہ صاحب نے جب "فیصلہ آرہ" شائع کیا تو انہوں نے ان (۲۴) اعترافات پر اپنے تقدیمی نوٹ دے دیئے تھے۔ اس قصہ کا ذکر بھی فتح الغفوہ میں نہیں کیا گیا۔

مگر ریکارڈ کو محفوظ کرنے کے لیے یہ تینوں چیزوں اشاعت کے وقت "فتح الغفوہ" میں استدراک کے عنوان سے دی جا رہی ہیں۔ تعالیٰ اصل مسئلہ کی ساری صورت حال سامنے آ جاتے اور تینی لسل کو بھی ان حالات سے آگاہی حاصل ہو جاتے۔ "فیصلہ آرہ" آج کل نایاب ہے اس کو مجہہ "ضیاء السنۃ" سے حاصل کیا گیا ہے جو مولانا عبد الغفار حسن ملا حبیب فیصلہ باد کے پاس محفوظ ہے اور مولانا موصوف کے شکریے کے سامنہ درج اشاعت کیا جا رہا ہے۔ تعالیٰ ان سارے علمائے کرام کی مساعی قبول فرمائے ہوں کے ہاتھوں اسلام اور مسلم الہمدیث کی خوب خوب اشاعت ہوئی ہے اور ہم اخلاق احمدیث درج بدرجہ ان سبکے ممنون ہیں۔

رَبَّنَا أَغْفِرْ لَنَا وَلَا حُوَّانَا اللَّذِي نَسْأَلُكُنَا بِالْأَيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ

فِي قُلُوبِنَا غُلَ للَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَوْفٌ رَّحِيمٌ رَّحْمَنٌ

قاضی عبد العزیز صاحب نے تلمیذ رشید مولانا حکیم محمد حبیب اعلیٰ صاحب شفاعة پوری نے مؤلف فتح الغفور قاضی محمد عبد اللہ صاحب کے حالات بھی تحریر فرمادیئے ہیں جن کو شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے میں حکیم صاحب موصوف کا نام دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے ضعف طبع اور موسم گرم کا کی شدت کے باوجود خاکسار کی درخواست کو شرف قبول نہ کیا۔ فجز اکا اللہ تعالیٰ۔

هذا وصل اللہ علی سیدنا محمد واصحابہ واتباعہ وحضرت نافی ذمتہ سرہ امین

خاکسار خاک پاتے بزرگان محمد عطاء اللہ حنفی بھجو جیا فی امر تسری

دریہ هفت روزہ الاعظم لاہور۔ ناشر تذکرہ علمائے خاکپور

فہرست ائمہ عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
[ائزدارک]	۷۹	گذارشیں احوال واقعی (پیش لفظی)	۳
فیصلہ آرہ	۶۰	۱۔ قاضی عبد الصمد خان پوری	۹
فیصلہ آرہ سے متعلقہ مباحثت	۹۹	خان پور کا تعارف	۹
قاضی صاحب اور سروار محمد الوبان		وفات	۲۱
سابق امیر افغانستان	۱۱۵	۲۔ قاضی محمد حسن (علام حسن)	۲۳
قاضی صاحب اور پیر یغواری	۱۱۹	سکھوں کا دور	۴۶
قاضی صاحب اور راجہ جہاندرا خان		۳۔ قاضی عبدالاحد خان پوری	۲۵
چیف ایٹ گھٹڑ	۱۲۲	پیر علی شاہ سے تحریری مناظرے	۳۰
حضرت عبد اللہ غزنوی صاحب بزم		ایک کرامت	۴۶
کا ایک خواب	۱۲۸	ایک داقعہ	۷۹
اپ کی دینی محیبت کا ایک داقعہ	۱۲۹	توکل کی ایک مثال	۵۲
آخری کارنامہ	۱۳۱	قاضی صاحب اور پیر جماعت علی شاہ	۵۵
اسلوپ تحریر	۱۳۲	پیر عبد الحکیم سے حفظش	۴۱
مرض اور وفات	۱۳۳	ابنجن حزب الاخاف اور	
اپ کا تکتب خانہ	۱۳۶	سلطان عبد الغفران بن سعود	۹۱
تألیفات	۱۳۷	مزائٹے قاویان سے مقابلہ	۴۴
		۴۔ قاضی صاحب اور بولی شاہزادہ امیر ترشی	۴۸

عنوانات	صفوفہ نمبر	عنوانات	صفوفہ نمبر
۲۰۱ ایک شیعہ محدث سے مناظرہ	۱۴۳	۴۔ فتاویٰ محمد خانپوری	
۲۰۲ فریمی معاش	۱۵۰	مناظرہ سرانے صاحب	
۲۰۳ قصہ بگنور ریپی، میں قیم	۱۴۰	قاضی صاحب پشاوریں	
۲۰۴ مسجد بہسوائیں کا مقدمہ	۱۴۱	مولوی محمد بن جالندھری پشاوریں	
۲۰۵ سفر مجاز و عراق	۱۴۸	قاضی صاحب راولپنڈی میں	
۲۰۶ آئین بالجہر کا ایک بیظیفہ	۱۴۹	ایک کرامت	
۲۰۷ بغداد میں نماز تراویح	۱۵۰	ملکانی خانپوریں	
۲۰۸ سفر حرمی لینڈ اور رج بیت اللہ	۱۴۷	وزیر آباد میں	
۲۰۹ ہامکال ترک عالم حدیث	۱۴۹	مالیک کوئٹی میں	
۲۱۰ انداد سے واپسی		حصلہ اور جرأت	
۲۱۱ خود و صوب گھڑی بنا دالی	۱۴۹	عبداللہ صاحب غنوی سے ایک رخواست	
۲۱۲ ربیع الحجیب اور ربیع المقتدر	۱۵۰	استغنا اور توکل اللہ	
۲۱۳ پانبدی اوقات	۱۴۸	فیصلہ مقدمات	
۲۱۴ علم مقادری	۱۴۵	درس و تدریس	
۲۱۵ جنوں کے بعض واقعات	۱۴۶	ایک علیس میں طلاقی ثلاش	
۲۱۶ شعرو شاعری	۱۴۸	وفات	
۲۱۷ خصوصی مختارات	۱۴۳	۵۔ قاضی یوسف حسین خانپوری	
۲۱۸ تائیفات	۱۴۴	رفیع سبایہ	
۶۔ حافظ محمد غوث بن محمد حسن نانپوری	۱۴۸	دریں کا دچکپ سفر	
۷۔ مولانا فتحی محمد عبد اللہ حسکا خانپوری	۱۴۹	مولانا محمد حسین بخاری مرحوم کا ایک اتفاق	

۱

قاضی القضا قاضی عبد الصمد قوم فربی غازی پوری

زادت قریب ۱۱۶۰ھـ وفات ۱۲۴۸ھـ

قبل اس کے کہاں کے حالات قلبند کئے جائیں موضع خانپور کا خانپور کا تعارف تعارف ضروری ہے۔ یہ قبیر تحسیل ہری پور ضلع ہزارہ میں واقع ہے۔ جو ہری پور سے جانب جنوب پندرہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ایک پرانا قصبہ ہے۔ جس کے مظاہرات میں بودھ کے نماز کے آثار قدیمہ موجود ہیں۔ ایک پروفیشنال مقام پر واقع ہے۔ علاوہ پہاڑوں کے خوشگوار مناظر کے جن میں یہ گھر ہوا ہے۔ اس میں جانب جنوب نالہ مہرو واقع ہے۔ جس میں پانی بارہ ماہ جاری رہتا ہے۔ اور اس کے دونوں جانب سر بردار شاداب باغات ہیں۔ جن میں ہر قسم کی سبزیاں اور میوے پیدا ہوتے ہیں جو سالہ ماسال تک اولینڈی شہر میں لے جائے جا کر فروخت ہوتے رہتے ہیں۔ خانپور کا مالٹا بہت مشہور ہے اور صورہ بھر میں بہترین مانگیا ہے۔ شہر اولینڈی، ہری پور، ایبٹ آباد، مانسہرہ میں بازار سے ”خان پور کا مالٹا“ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ عجمی المکرم قاضی یوسف حسین اپنی ایک عربی نظم میں اس کی جدائی کے احساسات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ابعد تمني عن كل ما ٰهوا ء عن هر ما فالحى وعن اهانت

و عن الاعنة الکرام وعن خا لة في الظاهرات والدخوات

خافقو الرعيلية العنتي وعن الجنة الزهيد اعنى

عمی المکرم قاضی یوسف حسین مرحوم نے آپ کا سن ولادت "الحمد لله رب العالمین" عربی میں "المولود سنة اربعین آواکثر" لکھا ہے۔ اور اسی کتاب میں آپ نے قاضی صاحب اور ان کے استاد قاضی عبد الصمد مرحوم کے منتقل لکھا ہے "قد نقمی الشیخ البارع المشہور فی الاناق الشاہ محمد اسماعیل الشہید و حصل من برکاتہ" جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے والد (صاحب ترجمہ) اور قاضی عبد الصمد صاحب (آپ کے نانا) ہر دونے سید شہید رحمۃ اللہ کی ملاقات بھی کی اور آپ کی برکات بھی حاصل کیں۔ اور ایک جگہ لکھا ہے "اور ہمارے والد شاگرد مولانا اسماعیل شہید" اور اپنے تلمذی سند نامہ موسومہ "الجواب المفترض والصلات فی اسماں الکتب والاثبات" میں "العجبالت النافعۃ" مؤلف شاہ عبد العزیز دہلوی کی دیگر اس نیہ کے علاوہ ایک سداں طرح لکھتے ہیں "اخبرنی مہما والدی الامام الحجۃ الزاہد الورع ناصر السنۃ قامع البدعت ابو محمد غلام حسن ویقال لشیخ محمد حسن و هو اصحاب اسمیہ الیہ قاضی القضاۃ فی الخانقہ دروضی اللہ عنہ قال اخبرنی الامام الحجۃ المحاہد فی سبیل اللہ الشیخ محمد اسماعیل الشہید قال اخبرنی فی الشیخ عبد العزیز الحمد ثالد دہلوی" جس کا مقادیر یہ ہے کہ آپ واقعی شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی سے فائز ہوئے۔ شاہ اسماعیل شہید کی سن شہادت ۱۲۴۶ھ ہے۔ متذکرہ الصدر سن ولادت سے آپ کی عمر پوچت شہادت شاہ صاحب تھیں آٹھ سال کے لگ بھگ نبڑی سے ہے۔ اس لیے اغلب ہے کہ آپ کا سن ولادت اس سے پہلی ستر کا ہو۔ یا بچپن میں ہی ہمراہ استاد خود ر قاضی عبد الصمد، شاہ صاحب موصوف

سے فیض یا ب ہوتے ہوں۔ بہر حال آپ کی شاگردی شاہ صاحب موصوف
سے سلسلہ ہے۔

قاضی غلام حسن کی پیدائش موضع تلوکر میں ہوتی جو ہری پور کے قریباً متصل
جانپ بجوب واقع ہے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار اور دیگر فقہاء تے علاقہ
اور قاضی القضاۃ خان پور قاضی عبد الصمد را پسے خسرے سے تعلیم حاصل کی اور خانپور
میں قاضی عبد الصمد صاحب موصوف کی محلی ختنے کے آپ کی شادی ہوتی۔
قاضی صاحب موصوف نے آپ کو اپنی زندگی ہی میں اپنی مسند قضا پر بھجا
دیا اور متولیین کو ہدایت کی کہ وہ ان کو ہر طرح آپ کا قائم مقام سمجھیں۔ اس
بارہ میں باضابطہ ایک سندھی تحریر فرماتی (جوتہ ذکرہ قاضی عبد الصمد صاحب میں
درج کی گئی ہے)

خانپور میں آپ نے مسجد پر انوالی میں سلسہ درس و تدریس جاری کیا
جو اس قدر مشور ہوا کہ نہ صرف ضلع ہزارہ بلکہ کشیر اور سرحد پار کے شکر مجاہدین
سے بھی طالب علم ہیاں آگزست فیض ہوتے۔ مخالفین نے کئی مرتبہ حکومت
تک پیچہ پہنچا کر قاضی صاحب رکابر انگریزی کے مقابلہ میں۔ اور مجاہدین
بھی ہیاں آگر ان سے تعلیم پاتے ہیں۔ میکن بہب راجگان سے رجوب آپ
کے شاگرد تھے) دریافت ہوتی تو وہ اس بات کی تغییط کر دیتے اور معاملہ رفع
دفع ہو جاتا۔

تجھیں سالم طالب علم بیک وقت آپ کے زیر تعلیم رہتے اور ماہ رمضان
میں ان سب کا سحری کا کھانا آپ کے گھر میں تیار ہوتا۔ جس کا مسجد تک پہنچنا آپ
کے فرزند قاضی محمد صاحب کے ذمہ تھا۔ مسجد آپ کے گھر سے تجھیں ۴۰ صد قدم
کے فاصلہ پر واقع تھی۔

علاوہ درس و تدریس کے وعظ و تذکرہ میں بہت کوشش رہتے۔ مسجد کے علاوہ شادی و عینی کی تقریبات میں بھی ضرور وعظ فرماتے اور بعض اوقات سہرا با کھڑے ہو کر فرضیہ تبلیغ ادا کرتے۔ نماز جنازہ کے بعد اکثر وعظ فرماتے۔ اشاعت توجید خالص اور رد بدعات و منکرات کو اپنا مقصود حیات قرار دے رکھا تھا۔ بوقت نکاح اگر مددوہ "گانا" اور "سہرا" پہنچنے ہوتا توجب تک ان دونوں کو اتروانہ دیتے نکاح نہ پڑھاتے اور آپ کے سوا کوئی نہ مسرا آدمی نکاح پڑھانے کا مجاز ہی نہ تھا۔ اس طرح یہ رسیں بھی متذکر ہو گئیں۔ آپ کے وعظوں سے متاثر ہو کر میرا شیوں نے اپنے ڈھول توڑا لائے اور اس کے بعد آپ کی زندگی میں بوقت شادی معاذف و مزا میرا بالکلہ نہیں۔ آپ کے محلہ میں ہی ایک سختہ گبند والی "قبر" واقع ہے اور لوگ صد قبر کو "سمی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس قبر پر ہر سال دھوم و حام سے میلہ لگا کرتا تھا۔ جیسا راولپنڈی کے قریب موضع نور پور شاہان میں "بڑی شاہ لطیف" کی قبر پر لگا کرتا ہے اور اس کے مجاہروں اور دیگر فقیروں کو بڑی آمدی ہوتی۔ آپ کے مواعظ و قبعت و شرک کی برکت سے وہ میلہ ہمیشہ کے لیے موقوف ہو گیا۔ میں نے بچپن کے زمانہ میں بخجف پور کے ایک چرسی فقیر کو جمعurat کے دن خانپور میں گداگری کے لیے آیا کرتا تھا۔ والد مرعوم کی طرف ڈور سے اشارہ کر کے یہ کہتے سننا کہ اس شخص کے والد راعینی صاحب ترجمہ نے ہماری روزی ماری تھی۔ یعنی وہ میلہ بند کر کر ہمیں اس آمدی سے محروم کیا۔ جو میلہ سے ہمیں بلا کرتی تھی۔

اس قبصہ میں آپ کا ایک اہم کارنا سہ اجرائے جمعہ تھا جو اس زمانہ میں ایک گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا اور اس کی معافات ٹھیک شدت سے کی جاتی تھی۔

جمعہ کا جاری کرنا کیا تھا کہ گویا بھڑوں کے چھتے میں تھر مار دیا۔ چاروں طرف سے یلغار شروع ہو گئی اور آتے دن کوئی مخالف فرضیتِ جمعہ حملہ آور ہو کر وہاں پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرتا اور ملائکہ کی کھاکر رہ جاتے۔ لیکن مخالفین کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جہاں کہیں کسی جرپ زبان پا تو نیکی خبر ملتی وہاں پہنچتے اور خان پور پر چڑھاتے۔ لیکن حق کے مقابلہ میں ناکام رہتے اور دن بدن جنم پڑھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا جو مخالفین کے لیے مزید باعث تشویش ہوتا۔

ایک لطیفہ مناظرات توبہت ہوئے۔ مخالف کامیاب نہ ہوئے۔ لیکن بہت پھر بھی نہ ہاری۔ ایک دفعہ انہیں بھرپولی کے علاقہ پوٹھوہار میں ایک بڑا زبردست مناظر ہے۔ اس کے سامنے کسی کی پیش نہیں چلتی۔ فروڑا وہاں پہنچے اور ان حضرت کو جا کر خان پور سے آئے۔ آپ نے سن کر ایک نیا مولوی خان پور میں وارد ہوا ہے۔ اور مسجد راجگان میں اکرم قسم ہوا ہے۔ آپ نے کہا کہ کوئی سمجھ دار آدمی ایسا ہو جو ہمارا پیغام ان مولوی صاحب کو پہنچا دے۔ آپ کا ایک مرید شرف دین نامی تھا۔ اس نے کہا جناب! اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں آپ نے کہا تم بھی بڑے باتوں ہو، کہیں خرابی کا باعث نہ بنو۔ اس نے کہا جناب! جو پیغام آپ دیں گے بخوبی اس نووارو کو پہنچا دوں گا۔ چنانچہ آپ نے اسے پیغام دے کر روانہ کر دیا۔

شرف دین نے جا کر شام کی نماز مسجد راجگان میں ادا کی اور اتفاق اُصف میں ان نووارو مولوی صاحب کے ساتھ ہی اُسے بھرپولی۔ جب اُم نے سلام پھیرا تو مولوی صاحب نے اُنھوں کو سنتیں پڑھیں۔ انہوں نے جب سلام

پھر اتو شرف دین نے ان کو غلطیب اکر کے کہا:
 ”بھائی صاحب! آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ نماز بہت خرا
 کر کے پڑھتے ہیں؟“

مولوی صاحب: ”تم کچھ پڑھتے ہوئے ہوئے ہو؟“
 شرف دین: ”ما شاء اللہ! آپ پڑھتے ہوئے بھی ہیں۔ پھر ایسی
 خراب نماز۔ پغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نماز پڑھنے والے کو تین
 مرتبہ لوٹایا تھا اور فرمایا تھا۔ پھر نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی۔ یہ حدیث
 میں آیا ہے۔“

مولوی صاحب: ”ہم وہ حدیثیں نہیں مانتے۔“

شرف دین: ”أَفَتُؤْمِنُونَ بِعَيْنِ الْحَكَّابِ وَتَكْفُرُونَ بِعَيْنِ ط
 جناب! یہ تو وہی یہودیوں والی بات ہوتی ہے۔“

مولوی صاحب کچھ کھیانے سے ہو گئے۔ اس پر شرف دین نے کہا
 ”جناب کی یہاں لشیف آوری کیسے جوئی؟“

مولوی صاحب: ”دین میں یہاں ”روٹا“ درخراہی، ڈالا گیا ہے اسے
 زکانے آیا ہوں۔“

شرف دین: ”وہ ”روٹا“ کیا ہے جسے آپ دور کرنے آئے ہیں؟“

مولوی صاحب: ”لارپنی زبان میں،“ ”ابہہ فتحہاں نہیں میں نہیں“ یہ لوگ

فقہ کو نہیں مانتے۔

شرف دین: ”مولانا! بنے ادبی معاف۔ میں نے پہلے آپ کو
 نہیں پہچانا۔ مجھے اتنا صاحب نے پیغام دے کر آپ کی خدمت میں
 بھیجا ہے اور کہا ہے کہ ہم یہ سن کر خوش ہوئے ہیں کہ آپ احتساب حق کی

خاطریاں تشریف لائے ہیں۔ ہم بھی حق کے طالب ہیں۔ لیکن آپ ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ جو عبارت فقہ کی کتاب سے آپ پیش کریں گے وہ بنزراہ دعویٰ ہو گی۔ اسے ہم دلیل نہیں سمجھتے اس کی تائید میں آپ کو قرآن حدیث سے دلیل پیش کرنا ہو گی۔ فقہ کی کتابیں پڑھ کر ہم اب بحدا بھی پچھے ہیں۔ اگر آپ اپنا دعویٰ قرآن و حدیث سے ثابت کرنے پر آمادہ ہوں تو یہاں تشریف لائیں۔ ہم ناں جویں بھی پیش کریں گے۔ اور اگر وہاں ہمیں بلاں تو ہم وہاں بھی آنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن شرط مذکورہ نظر ہے۔ آپ فقہ کی عبارت کو دلیل نہیں۔ بلکہ دعویٰ نہیں۔ شرف دین پیغام دے کر گھر خلا گیا۔

دوسری صبح کو جماعت کے لوگ اس انتظار میں تھے کہ ابھی کوئی پیغام آتا ہے اور مناظرہ کے لیے چلنے پیش کرتا ہے۔ لیکن سورج چڑھ گیا۔ پھر بھی انتظار کیا گیا۔ لیکن کوئی شخص نہ آ کیا۔ ایک آدمی مسجد راجگان میں بھیجا گیا تاکہ معلوم کرے کہ ان لوگوں نے کیا پروگرام بنایا ہے۔ وہاں جا کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ مولوی صاحب جو تشریف لائے تھے۔ منہ اندر چھرے ہی یہاں سے نکل کر کہیں چلے گئے ہیں۔

شرف دین کو مولا یا گیا اور اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے پیغام کیسے پہنچایا۔ اس نے یہ سارا قصہ نایا۔ آپ نے فرمایا تم نے اُسے پھٹے ہی ڈرا دیا۔ گویا مولوی صاحب بغیر اطلاع وہاں سے فراری ہو گئے۔

ان مناظرات کا اثر بالآخر یہ ہوا کہ اب اسی قصہ میں پانچ مساجدیں جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جو مخالفین بڑے زور شور سے باہر سے جا کر مناظر اس غرض کے لیے لایا کرتے تھے ان کی اولاد نے جمعہ پڑھا اور پڑھایا اور اب

بھی پڑھا رہے میں الحق یعْلَمُ وَ لَا يُعْلَمُ - ورنہ پہلے یہ حالت سختی کر جس شخص کو لوگ نمازِ جumm کے لیے جاتے ہوئے دیکھ لیتے تو آوازے کتے گئے کیا کسی بڑے خراب کام کے لیے جا رہے ہیں۔ والد مر جumm فرمایا کرتے تھے کہ جمجمہ خود ہی ان ملاؤں پر غالب آگیا اور اب جumm پڑھنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

ابتداءً آپ صوفی مشرب تھے۔ شنوی مولانا روم بھی پڑھایا کرتے تھے۔ چنانچہ خان پور کے ایک بڑے راجہ، راجہ فیروزخان نے آپ سے شنوی مذکور پڑھی۔ آپ اس پر بڑی سختی کیا کرتے تھے۔ لیکن شرافت خاندانی کی وجہ سے وہ برواشت کیا کرتا اور کہا کرتا تھا کہ استاد صاحب بتی سختی مجھ پر کرتے ہیں اگر اپنے بیٹیوں پر کریں تو مک چھوڑ کر جھاگ جائیں۔ ایک دفعہ راجہ صاحب مذکور کو چند روز کے لیے ہری پور جانا پڑا۔ آپ نے ان سے کہا کہ سبق ناغہ نہ کرنا۔ ہری پور میں فلاں مولوی صاحب سے پڑھ لیا کہنا راجہ صاحب دہاں ان مولوی صاحب کے پاس چلے گئے۔ اور شنوی کھول کر سبق پڑھنا شروع کیا۔ لیکن تسلی نہ ہوتی۔ والپی پر اخنوں نے کہا کہ کہاں ہجاءے استاد صاحب اور کہاں دوسرے مولوی صاحبان ہجاءے استاد صاحب شنوی کی تشریح اس خوبی سے کرتے ہیں کہ سننے والا محسوس کرتا ہے کہ خود مولانا روم اپنی کتاب کی شرح کر رہے ہیں۔

آپ قلب کا ذکر جاری کرنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ اسی غرض سے حضرت صاحب کو ٹھہر لے کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ جو صاحب تراوہ عبد القیوم (رحموم)، بانی اسلامیہ کالج پشاور (حال یونیورسٹی) کے ناما تھے اور اندر ہیرے میں مسجد جاتے ہوئے راستہ میں ایک

مشہر بعثتی کے ہاتھوں شہید ہوتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ -
 اسی اثنائیں آپ کو خبر ملی کہ حضرت عارف باللہ سید عبد اللہ غزنوی
 ہری پور میں تشریف فرمائیں۔ اور بڑے ولی اللہ ہیں۔ آپ وہاں جا کر ان
 کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غرض اجرائے ذکر قلب کی بیان کی۔
 آپ نے پوچھا کہ پہلے چھی آپ اس غرض کے لیے کسی اور کے پاس گئے
 ہیں تو آپ نے کوئی نہ جانے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا وہاں سے اجازت
 ہی اجازت ہے۔ میں اب دوبارہ وہاں نہیں جاتا۔ اس پر صاحب
 نے توجہ کی تو آپ کا ذکر قلب جاری ہو گیا۔ عبد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے
 کہ اس سے پیشتر میں نے کسی شخص کا دل اس قدر صاف نہیں پایا جتنا فاضی
 محمد صاحب کا محسوس کیا۔

آپ نے اپنے پسر ان قاضی عبد الواحد اور قاضی محمد کو گھر کی تعلیم ستمل کر
 لینے کے بعد امر تسری عبد اللہ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ ہر دو وہاں جا کر آپ
 کی برکات سے فیضیاب ہوئے اور بعد میں کتاب و سنت کی بھروسہ پر
 خدمت کی۔

آپ کی ایک دختر فاطمہ تھی۔ جس نے والد بزرگوار اور براوران سے
 تعلیم دینی حاصل کی اور حدیث کی تعلیم اپنے والد صاحب کے ساتھ اپنے
 بڑا در قاضی محمد سے حاصل کی۔ وہ سید عبد الواحد غزنوی کے نکاح میں آئی جن
 صلے نقرہ لوگوں سے سنا ہے کہ عبد اللہ صاحب اپنے نام کے ساتھ کسی لاحدہ کو
 پسند نہیں کرتے تھے۔

۳۔ معتبر طریقے سے پتہ چلا ہے کہ عبد اللہ صاحب نے توجہ کو خلاف سنت سمجھ
 کر آخر میں ترک کر دیا تھا۔ (رع۔ ۷)

سے ایک دختر ہوئی جو سید عبدالعلی غزنوی کے نکاح میں آتی جو عبد اللہ صاحب غزنوی کے پوتے تھے اور صاحب اولاد ہوتی۔

قاضی عبد الصمد نے آپ کو وصیت کی تھی کہ میری دختر کو خان پور سے باہر نہ سے جانا۔ ضلع ہزارہ کے بندوبست اول کے نائب مہتمم بندوبست ہزارہ عظیم بیگ نے آپ سے کہا کہ آپ اس کفرگڑھ میں کیوں مقیم ہیں رواں ان فلوں تشیع کا بہت زور تھا، ہری پور میں کافی آبیہ زمین آپ کو تے کر دیں گے۔ آپ وہاں جا کر مقیم ہو جاتیں۔ وہاں عیش کریں گے اور آپ کی اولاد بھی ہائی دے گی۔ آپ نے کہا کہ مجھے قاضی عبد الصمد صاحب کی وصیت کو نہجاانا ہے۔ اس لیے میں خانپور نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کی یہ پیش کش مسترد کر دی۔

آپ کو ایک مرتبہ الہام ہوا کہ "تم اس علاقے کے عمر ہو۔" آپ نے تشیع کا بھرپور روکیا۔ اس لیے آپ کی زندگی میں کسی کو علی الاعلان اس عقیدہ کے انہمار کی جزوں نہ ہوئی۔

آپ حق گوئی میں کسی رابح پر بھے کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فتح خان صاحب ربانی موشق گوٹ فتح خان، راجہ جاناداد خاں مروع چین آف گلھڑز کی ملاقات کے لیے خان پور تشریف لائے اور ہمارہ راجہ صاحب موصوف آپ کے پچھے ایک نماز پڑھی۔ چونکہ آپ سنت کے مطابق نما آرام سے پڑھایا کرتے تھے نماز سے فراغت کے بعد فتح خان صاحب بول ائٹھے:

فتح خان صاحب، "نماز کے آہی دشت قبر آہ خدا نا!"، "نماز کیا تھی یہ تو قبر خدا تھا۔"

لہ یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

قاضی صاحب : تم نے بہت غلط بات کی۔

فتح خاں صاحب : صاحب اب مجھے ناروائی بیماری کی شکایت ہے
قاضی صاحب : لیکن مجھے تو یہ شکایت نہیں۔ اگر تم مجھے پسلے تباہیتے
تو شریعت میں بیماروں کا سماں ظریف کھنا بھی آیا ہے۔ میں مختصر نماز پڑھا دیتا۔ لیکن
تم نے جن الفاظ میں ناراضیگی کا انہصار کیا ہے وہ بہت نامناسب ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد راجہ صاحب موصوف کوٹ فتح خاں تشریفی گئے
گئے تو خاں صاحب نے راجہ صاحب سے قاضی صاحب کا حال دریافت کیا۔
آپ نے کہا : قاضی صاحب تو انتقال فرمائے ہیں۔ فتح خاں صاحب نے
کہا کہ ان کے صاحبزادے کبھی یہاں میرے پاس نہیں آتے۔ ان کا طلب
یہ تھا کہ اگر وہ آئیں تو میں ان کی خاطر مدارت کروں۔ راجہ صاحب نے کہا
کہ وہ اس قسم کے صاحبزادے نہیں۔ وہ ہماری بھی پرواہیں کرتے۔ وہ کہیں
اور جگہ غرض مند ہو کر کہاں جاتے ہیں؟

آپ اپنے طالب علموں اور بیٹیوں کے ہمراہ جنگل سے کلٹیاں لانے
جایا کرتے تھے اور خود لکڑیوں کا اتنا بڑا گھٹا سر پر اٹھا کر لاتے جتنا بڑا اور سی
کا نہ ہوتا۔ اور گھر پہنچ کر اپنی سالیوں (و دختر ان قاضی عبدالصمد مرحوم) کے
کروں میں پہنچ لکڑیاں رکھواتے۔ کیونکہ ہر دو بیوہ ہو چکی تھیں۔ تاکہ وہ مجبوس
نہ کریں کہ وہ یہے اسراء ہیں۔ بھری کے وقت دریافت ہر وہ سے ایک بڑا گھٹا
پانی کا بھر کر خود لاتے اور گھر کا کام کا ج بھی اپنے ہاتھ سے کرتے اور کہتے کہ
یہ سندت ہے۔

آپ عصر کے بعد شہر سے باہر پہاڑ کی جانب تفریج کے لیے جایا کر
تھے بعض طالب علم بھی ساتھ ہوتے۔ وہاں ایک بھگر جا کر ملٹھا کرتے تھے۔

ہر ایسی سے را ب دالپس جانا چاہیے۔ آپ فرماتے کہ جب میں اس بھگر
اکر بیٹھتا ہوں تو مجھے ایسا کون قلبی حاصل ہوتا ہے جو کسی اور جگہ نہیں ہوتا
اور یہاں سے اٹھنا مجھے برا دو بھر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے بالکل اخیر قوت
میں بادل ناخواستہ وہاں سے اٹھ کر آتے۔ خدا کی قدرت آپ کی قبر اسی جگہ
بھی جہاں زندگی میں انہیں سکون قلبی حاصل ہوا کرتا تھا۔ وفات کے چند روز
بعد آپ کے ایک شاگرد کو خواب میں آئے۔ اس نے پوچھا جناب! آپ
کس حال میں ہیں؟ آپ نے کہا الحمد للہ! بڑے آرام سے ہوں۔ صرف شام
سے پیشتر ساتھ والی پہاڑی پر دو شیطان آتے ہیں اور تکلیف دیتے ہیں۔
وہ طالب علم اس خواب کی بنا پر شام سے پیشتر قبرتار میں پہنچا۔ کیا دیکھتا
ہے کہ دوز مینداروں کے راستے قریب کی پہاڑی پر باسری بجا رہے ہیں۔
اس نے دل میں کہا کہ یہی وہ دو شیطان ہیں جن کا ذکر قاضی صاحب نے
خواب میں کیا ہے۔ اس نے انہیں ڈانتا اور کہا کہ پھر کبھی یہاں آکر
یہ شیطانی نہ کرنا۔

جب آپ کے فرزندان قاضی عبداللہ اور اپنے فرزندوں کو وصیت | قاضی محمد معلم دین کی تحصیل کے بعد گھر آئے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں تعلیم اس لیے دلوائی ہے کہ تم بلا خوف لومتے
لامح حق برلا طور پر کہو۔ اس لیے بہتر ہو گا کہ تم طب بھی پڑھ لوتا کہ وہ تمہارا ذریعہ
محاش ہو اور تمہیں کسی کا احتیاج نہ ہو۔ مولوی لوگ عام طور پر حق کھل کر نہیں
کہہ سکتے۔ بنابرائی ہر دو نے جوں ریاستِ کشمیر میں جا کر حکیم نور الدین بھیروی
سے علم طب کی تحصیل کی۔ اور پھر آکر جہاں بھی رہے حق گوئی کا فرض کا حلقہ
ادا کیا۔

خانپور میں تو باہر سے آئے ہوئے مولویوں کے ساتھ ان کے مناظر رہے۔ لیکن پیر دن از خانپور بھی احمدوں نے وہ کامیابیاں حاصل کیں جن کی وجہ سے اس علاقہ میں خانپور کا نام بھی مخالفین کو مرغوب کر دیتا تھا۔ آئنے کئی مناظرات میں شرکت کی جن میں آپ کے فرزندان مخالفین پر غالب آئے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

آپ کو آخر عمر میں جب بول کی شکایت ہو گئی۔ جس طویل علامت اور قیامت کی وجہ سنگ مشانہ (تپھری) بھی عمر صد و رات تک صاحب فراش رہے۔ بالآخر تین شعبان ۱۳۱۴ھ کو یہ آفتبا علم و ہدایت غروب ہوا۔ لیکن آپ کے فرزندان نے شیع ہدایت کو فروزان رکھا اور نہ صرف پنجاب و صوبہ سرحد بلکہ بیرون از ہند بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ آپ کے چھوٹے فرزند قاضی ابوالحیل یوسف حسین بغداد میں سات سال تک شیخ الحدیث رہے اور وہاں کے سلفی العقیدہ علماء میں ایک نمایاں درجہ پر فائز رہے۔ رحم اللہ علیہما جمعیین۔ آمين

(۲)

قاضی محمد حسن المعرف غلام حسن قم ارجمند خان پیری

المتوفی ۳ شعبان ۱۳۰۸ھ

قاضی محمد حسن عرف غلام حسن بن ابی الارشد محمد گل بن اشیخ العارف
الولی الزاہر ہدایت اللہ ہنزا روی۔

ہدایت اللہ

محمد گل المعرف "درگاهی"

قاضی محمد حسن عرف غلام حسن

عبدالاحد فاطمہ یوسف حسین محمد

امیر الغزی محمد عبد اللہ راقمی عبد الرحمن محمد مکمل محمد یوسف محمد سعید عائشہ محمد تھجیہ

امیر اللطیف (دو لوں بچپن میں)

احمد حسن دختر محمد حسن (متوفی ۱۹۵۰ء) (دو بیانات)

امجد حسن تنور حسن طارق حسن چار بیانات
(المعرف عائز قاضی)

صیانت الرحمن محمد کامل صبیب الرحمن سعود الرحمن محمود الرحمن عابد الرحمن بنت

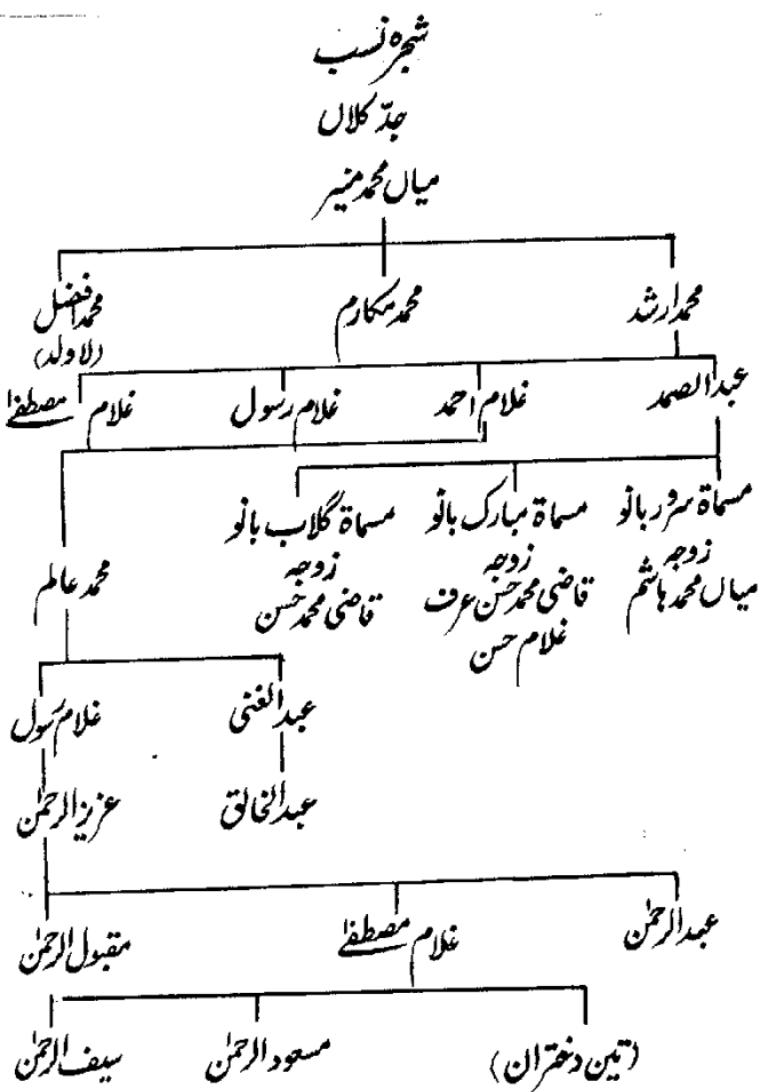
صلی الرحمن سیف الرحمن عطاء الرحمن

آپ نے ان اشاریں خانپور کو ایک خوشگوار بلند مرتبہ جنت کا نام دیا ہے۔ اس قصہ کے رو سادھا نہ ان گھنٹر (کیا فی الاصل) سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے اردو گرد ۲۷ گاؤں کے مالکان چلے آتے ہیں اور اپنی سنبھالت اشرافت، اخلاقی حسنہ اور علم و دوستی میں ممتاز ہیں۔ وہ اپنے اساتذہ کے تابعہ ان کا احترام اور سختی برداشت کرنے میں میں بے نظر ہیں اور یہاں کے ممتاز علماء زمانہ دراز سے اپنے علم، القاء اور نثر و اشاعت دین متین کے باعث علاقو بھر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے جاتے رہتے ہیں ।

شہیدین کے فیوض | یہ لاقہ اپنی خوش نصیبی کے باعث مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور سید احمد شہید بریلوی کے انوار سے بھی مستفید ہوا۔ راجہ سعف خاں مرحوم (ج م وجودہ راجہگاہ کے جد امجد سنتھے امیر المؤمنین سید احمد بریلوی) کے خاص انجاصل مریدوں سے تھے چنانچہ ”سوائح احمدی“ مؤلف محمد حبیف تھانیسری مطبوعہ ۱۳۰۴ھ کے صفحہ ۵۰ پر کوتوب نمبر ۲۳ (عربی) از امیر المؤمنین سید احمد صاحب موصوف کو ”قدوة الملحدین“ زبدۃ الصادقین“ بیسے الفاظ سے خطاب کیا ہے اور راجہ صاحب موصوف کے ”نیقہ“ (خط) کو ”الدالة على حدۃ بصیرتکم و حسن سریتکم“ اور ان کی ”حب فی اللہ اور بعض فی اللہ“ کی خوبی کو سراہا ہے اور اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین فرمائی ہے۔ اور زمانہ ماضی قریب ہیں راجہ جماں داوجمال مرحوم چفیع آفت گھنٹر ز (متوفی ۱۳۲۲ھ) کی علم و دوستی اور تقویٰ کے ثبوت میں یہ امر کافی ہے کہ آپ حضرت عارف باللہ سید عبد اللہ صاحب غزنوی ثم الامر تسری مرحوم کے مرید ان باصفاء میں شامل ہوتے اور مدت العمر اسی عقیدہ پر قائم ہے جس کی تلقین آپ کو عبد اللہ صاحب موصوف نے فرمائی تھی ران کامزیہ تذکرہ قاضی عبد الواحد بن قاضی محمد حسن عرف

غلام حسن کے حالات کے ضمن میں آتے گا۔

ممتاز علمتے اکرم کا قدمی گھوارہ | یہ قصہ عہدِ مخدیہ سے تاحال ممتاز علمائے دین کی وجہ سے علم کا بھی گھوارہ رہا ہے۔
 اور خاندان قاضیان خانپور علم و درع و القاری میں مشہور و معروف رہا ہے۔
 زیب عنوان بزرگ قاضی عبد الصمد صاحب بھی سید شاہ اسماعیل شہیدؒ سے فیضیاب ہوتے۔ چنانچہ ان کے نواسے قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین کے ایک نوٹ میں درج ہے ”اور ہمارے والد ماجد شاگرد مولانا اسماعیل شہید و شاگرد قاضی القضاۃ قاضی عبد الصمد صاحب جو ہمارے نانا ہوتے ہیں اور مولانا اسماعیل صاحب کے یارِ غار اور معینِ جاں شار“ گویا توحید اور اتابارع سنت کا پرتو اس خاندان پر بذریعہ سید اسماعیل شہید پڑا۔ چچا صاحب موصوف (قاضی یوسف حسین) کے عربی رسالہ ”اعمال الخشوع“ میں تخت ”ترجمۃ المؤلف“ آپ کے شاگرد ابوالیمان محمد خطاط الرحمن گنوری کے قلم سے مرقوم ہے ”والد شیخنا هو الامام العلامۃ العارف بالله الصادق الفقیر المحدث المفسر القاضی محمد حسن العروت غلام حسن قد قرأ على كثير من فقهاء بلاده وعلى جدِّه شیخنا رای والد امامہ، قاضی القضاۃ الفقیر الصوفی العابد العالم العلامۃ، الكاتب القاضی عبد الصمد المخانپوری و قد لقیا الشیخ البارع المشهور فی الأفقاں الشاہ محمد اسماعیل الشہید و حصلَ مِنْ بُرکاتِ رَحْمَةِ اللَّهِ عَنْهُمْ“ جس سے قاضی صاحب کا شاہ شہید رحمہ اللہ فیض یا ب ہونا یعنی ہے۔ قاضی عبد الصمدؒ کا شجرہ نسب حبیب ذیل ہے۔



قاضی عبد الصمد صاحب کی تاریخ پیدائش تجھینا ۱۲۰۰ھ ہے۔ پہلاں خاندان میں مشورہ چلا آتا ہے کہ آپ کی عمر سو سال سے متباڑہ ہوتی۔ آپ کے چھوٹے بھائی غلام احمد تھے جو شاگرد بھی تھے لیکن وہ موضع برلن (ضلع کمبل پور) میں چلے گئے اور وہاں ہی وفات پاتی۔ ان کے بیٹے محمد علی بعد میں خان پور آئے اور قاضی محمد حسن صاحب رعرف غلام حسن نے ان

کی درخواست پر مکان کے لیے جگہ عطا کر دی۔ وہ پتواری رہے اور ان کے بعد ان کے بیٹے غلام رسول بھی پتواری رہے۔ غلام رسول کے بیٹے عزیز الرحمن نے سہموں دینی تعلیم حاصل کی اور شہر میں ایک محلہ کی مسجد کے امام رہے۔ اب ان کا فرزند مقبول الرحمن مسجد راجگان میں امام ہے۔ جیسا کہ اور پر گزرا، شاہ اسماعیل شیدے سے آپ فیض یاب تھے۔ علاوہ ازیں آپ اپنے زمانہ کے اکابر فضلاء میں سے تھے اور علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور۔ علاقہ بھر کے عوام و خواص آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور بالخصوص خاندان راجگان سے کوئی گھر آپ کی شاگردی اور ارادت سے باہر نہ تھا۔

شہزادہ مغلیہ اور مشورہ پلا آیا ہے۔ تمیں گاؤں بطور جاگیر **عبدِ مغلیہ** میں آپ کو ملے ہوتے تھے۔ ان میں سے صرف "وجبت" اور "کھرالہ" کے نام پادرہ سکے ہیں۔ انگریزوں کی جب آمد ہوتی تو آپ کے بعض شاگردوں نے آپ سے کہا کہ آپ کو پیداوار کی وصولی میں تکلیف ہوگی۔ اس وجہ سے اور بعض دیگر وجہ کے سبب ان مواضعات کی سذات ہمیں عنایت کر دیں ہم آپ کو پیداوار بعد وصولی پہنچا دیا کریں گے۔ صوفی منت ش تو تھے ہی۔ یہ پیش کش قبول کر لی۔ اور تمیں مختلف اشخاص کو ایک ایک گاؤں کے کافی ذات عطا کر دیئے۔ چنانچہ عرصتہ کب حسب معاہدہ وصولی ہوتی رہی۔ فرقیین معاہدہ کی وفات کے بعد یہ سلسہ مددود ہو گیا۔

سکھوں کا دور وصول کیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات اذتیں دی جاتیں۔

لیکن سکھ بھی آپ کی بذرگی اور علوشان کے قابل تھے۔ کہتے ہیں کہ راجہ ہری نگہ جو اس علاقہ کا حاکم تھا اور جس کے نام سے ہری پور موسم ہوا۔ کہا کرتا تھا کہ یہ قاضی رفاقتی (بعد الصمد) گھر سی کے قابل ہے۔ لیعنی منہج قضائی کے لیے موزون ہیں۔ اس کی عطا کردہ ہر شدہ سندات ہمارے گھر میں تھیں۔ جو صندوقوں میں ہمراہ کتب قلمی، دینیک کاشکار ہو گئیں۔

ان دونوں سکھ جس بستی کو لوٹنا چاہتے، پہلے نوٹس دے دیا کرتے تھے۔ کہ فلاں روز اس بستی پر دھاوا بولا جاتے گا۔ لوگ اپنی چند قیمتی اشیاء جس قدر لے جاسکتے ہے کہ دہاں سے کسی دوسری بستی میں بھاگ جاتے اور جب علم ہوتا کہ اب سکھ چلے گئے ہیں پھر واپس آ جاتے۔ سکھوں کی عادت تھی کہ وہ غیر آباد گھروں میں گھس کر فرش کھو دتے کیونکہ ان دونوں لوگ بغرض خناکت نقدی وزیورات زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح سکھوں کو کافی نقدی وزیورات مل جایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ خان پور میں بھی اس قسم کا نوٹس آگیا۔ اب راجا پر جاسب نے سکھوں کی آمد سے پہلے بستی کو چھپوڑنا تھا۔ چونکہ راجگان آپ کے مخلص شاگرد اور مرید یتھے۔ انھوں نے اگر کہا کہ میاں جی! سکھ آ رہے ہیں۔ آئیئے ہم آپ کو بھی ساتھے چلیں۔ فرمایا کہاں لے جاؤ گے؟ ایک موضع راجہ دھانی روڈوہاں کے مقابلے میں بلند مقام پر واقع ہے) کا نام بتایا۔ کہا اگر دہاں بھی سکھ آ جائیں تو؟ انھوں نے ایک دوسرا مقام اور پھر ایک تیسرا مقام بتایا۔ کہا اگر سکھ دہاں بھی آ گئے تو پھر کیا ہو گا؟ انھوں نے کہا پھر ہمارا بھی خدا اور آپ کا بھی خدا حافظ ہو گا۔ فرمایا: جو خدا تم مجھے دہاں پہاڑوں پر لے جا

کرتباڑنے وہ خدا تو یہاں بھی ہے۔ اس لیے ہم تو شرمنیں چھوڑتے تم جو مناسب سمجھو کرو اور ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ان سب کے چلے جانے کے بعد سکھ وہاں آن پہنچے۔ ایک سکھ نے قاضی صاحب کے ایک عزیز کو (بلطور بیگار) ایک گھٹری اٹھا کر کسی دوسرا چکر لے جانے کو کہا۔ انھوں نے یہ گھٹری اٹھائی اور اس سکھ کے ساتھ ہو لیے۔ سکھ آگے آگے جا رہا تھا اور وہ اس کے پیچے پیچے چھپے۔ اتنے میں اُس سکھ نے پیچے ٹرکر جو دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ گھٹری ان کے سر کے اوپر ایک گز کی بلندی پر ہوا میں ساتھ ساتھ جا رہی ہے۔ سکھ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا اور ان کے پاؤں پر گر پڑا اور کہا خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ مجھے بڑی نعلیٰ ہوتی جو میں نے یہ کام آپ کے ذمہ لگایا۔ میں معافی کا خاستگار ہوں۔ انھوں نے کہا کرنیں! جہاں تم نے اسے بے جانا ہے ہم وہاں پہنچا آئیں گے۔ لیکن اس نے بہ متنت ان سے گھٹری لے کر خود اٹھائی اور جا کر اپنے سردار سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے ساتھ تو یہ عجیب واقعیتیں آیاں۔ اس سردار نے حکم دیا کہ ان قاضی صاحبان کے گھر دل کے ارد گرد پہرہ لگادیا جائے اور ان حدود کے اندر کسی سکھ کو گھسنے کی اجازت نہ دی جائے۔ غرض شر کے اس حصہ پر پہرہ لگ گیا۔ باقی شہر میں سکھوں نے اپنا کام کیا اور چلے گئے۔ جب آپ کے شاگرد والپس آتے تو آپ کا حال دریافت کرنے آپ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ جناب بتائیئے کیسی گزی۔ آپ نے جواباً کہا کہ اللہ کے فضل سے ہم بالکل محفوظ رہے اور ہم نے کسی سکھ کو دیکھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے حفظِ امن میں کھا دہ لوگ یہ سن کر حیران ہو گئے۔ کیونکہ ان کے خیال میں سکھوں سے بھپن

محلات سے تھا۔ قاضی عبد الصمد کے کوئی اولاد نہ تھی۔ صرف تین بیٹیاں تھیں۔ جو میزوں عابدات، صاحبات، فانٹات، شب زندہ دار تھیں اور علم دینی سے سرفراز گویا خاتون ان سلف کا بہترین نمونہ تھیں۔ آپ کی عمر سو سال سے مت加وز کر گئی تھی، بہت محمر ہو گئے تھے۔ اس لیے اگر کسی ہبکہ آپ کو لے جانے کی ضرورت پڑتی تو پاکی میں بٹھا کر لے جایا جاتا۔

آپ کی مخلصی میٹی کی شادی قاضی محمد حسن عرف غلام حسن سے ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے جدی خاندان میں کوئی آپ کی سند پر بیٹھنے کے قابل نہیں اور قاضی صاحب موصوف دامادو شاگرد خود میں وہ تمام اوصاف دیکھے۔ جوان کے قائم مقام ہونے کے لیے ضروری تھے۔ اس لیے آپ نے باضابطہ ایک سند قاضی صاحب موصوف کے حق میں تحریر کی اور تمام شاگردوں اور صدروں کو وصیت کی کہ میں نے قاضی غلام حسن کو منتخب کر کے اپنا جانشین بنادیا ہے وہ انہیں میرا قائم مقام سمجھ کر ہر طرح ان کے تابعدار رہیں۔ درینہ خلاف ورزی کرنے والا رعاقی بلنا فرمان تصور کیا جاتے گا اور اس کی نماز و روزہ بھی مقبول نہ ہوں گے۔ اس سند پر معتبرین کی میری اور و تنخیل شہادت میں ثبت کرتے راجعی گوہر خان مرحوم جو اس وقت معمتنیں راجح تھے ان کا تنخیل اور صہر ہر دو اس دستاویز کے وسط میں ثبت ہیں اور دیگر و تنخیل اور ایک مہر بھی اس پر موجود ہیں جس کی نقل ذیل میں درج ہے۔

نقل تحریر قاضی عبد الصمد صاحب بحق محمد حسن عرف غلام حسن

”الحاکم بلهٗ یفعَلُ ما یشأ وَ یحکم مَا یرِيدُ“

باعث تحریر ایں سطور آنکہ دریوقت فقیر حقیہ
وکیل اضعف العباد مسمی با اسم عبد الصمد ولد محمد ارشاد غفران اللہ عزیز شوخت

خرافت رسیدہ و کاشاذ اش بے چراغ وساتے بنات ثلاث فرقہ

نہار د۔ بنا بر اس برخوردار غسلام حسن را بفرزندی گزیدہ و اختیار نمود
منصب امامت خود را با اُد پروردہ و تفویض نموده بر کافر مسلمین لامن
واحجب کر او را قائم مقام فقیر و افانته از متابعت او بپرسی نزد
گواہ نہ داعانت دین تین نبوی علیہ السلام بخاند و در مقدمہ مسائل فحاصمت
علمکن شاہ رجوع با دنایند که عند اللہ ما بجر خواهد شد و ہر کو نظر بری و شیقہ نماید
گواہ نہ ہرگواہی خود ثابت نماید۔۔۔۔۔ ذالک بمحضر من العدول
بیل غزال و الشفات ۵ تحریر بالتریخ ۱۰۷۳ھ جادی اثاثی۔ و ہر کو از شگران
گواہ شد ایں فقیر از فوشتہ فقیر مدول نمود و در سک عقوبت داخل خواهد شد
یاں نہ زیادہ توفیقی فیض باد ۱۲۶۷ھ مقام خان پور
نقش مطابق اصل ہے

قاضی محمد عبد اللہ

نوٹ:- اس تحریر کے وسط میں مہرو دستکار ارجمندی گوہر خاں در مرعوم، ثبت ہے
اس سند کے ذریعے آپ نے قاضی محمد حسن و عرف غلام حسین، کو اپنی
زندگی میں ہی اپنی مند پر بھادیا اور اس کے بعد آپ تجیناً چار سال کے بعد فوت
ہوئے۔ آپ کے نواسے قاضی عبد الاحمد آپ کی زندگی میں ہی پیدا ہوئے اور
آپ نے اپنی منجلی دختر کا فرزند دیکھ لیا۔ جس نے آئندہ جا کر توحید و سنت کی
اشاعت اور روشنگر و بدعست و اسکا دین دین کی نمایاں طور پر خدمت کرنا
بھی دوسرا دلوں صاحبزادیاں بے اولاد رہیں۔

سند متذکرہ بالا میں قاضی عبد الصمد صاحب نے جو وصیت اپنے شگران

ط اس جگہ کا لفظ نہیں پڑھا گیا۔

اور حکوم کو کی تھی اس کے وہ بیشمول خاندان راجگھان پابند رہے۔ ان کی
وفات کے بعد آپ کے جانشین قاضی غلام حسین آپ کی مند پر ۳۲۔
۳۳ سال بیکن میکن رہے اور قاضی القضاۃ تسلیم کئے جاتے رہے
راجہ علی گوہر خاں، راجہ فیروز خاں۔ راجہ جہانزاد خاں اچیف آف گلکھڑا مرخیں
باخصوص اور دیگر راجگھان بالحوم آپ کی شاگردی میں مشک رہے اور آپ
کے فرزندان کو بھی ربی اسی منصب پر تسلیم کیا۔ چنانچہ جب راجہ جہانزاد
خاں مر جم کی دختر کی شادی ہمراہ راجہ گوہر جم دلہ راجہ فیروز خاں ہوناقر اپنی۔ تو
راجہ صاحب مر جم نے قاضی عبدالاحد صاحب کو راوی لپڑی سے اور قاضی
محمد صاحب کو پیٹا ورسے خاص طور پر مدعا کیا اور وہ زکار ح قاضی عبدالاحد
صاحب مر جم نے پڑھایا۔ یہ رد حضرات قاضی محمد بن عرف غلام حسین
کے جانشین تھے۔

قاضی عبدالحمد صاحب کی دختران میں سے آپ کی منجلی دختر زوجہ
قاضی محمد بن عرف غلام حسن ربیے پہلے تھیں ۱۹۱۰ء میں فوت ہوئیں۔
جن کی موت نماز میں بجالت بسجدہ و قوع پذیر ہوتی۔ بخوبی اعصہ بعد بڑی دختر
بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ آپ کی چھوٹی دختر ۱۹۱۳ء تک زندہ رہیں موصوف
نیکی کا محسم تھیں۔ سوائے عبادات اور ذکر اذکار اور کوئی مشغل نہ تھا۔ ان کی
نظر جاتی رہی۔ لیکن باوجود اس کے عبادات میں کمی نہ آتی اور آخر ہمک نماز
تہجد کیجی ناگزیر نہیں کی۔ نظر کے چلے جانے کا اگر افسوس تھا تو یہی کہ تلاوت
قرآن مجید سے محروم ہو گئیں۔ فرمایا کرتی تھیں اگر صرف بوقت تلاوت قرآن
مجید نظر درست ہو جایا کرے اور باقی اوقات میں نہ ہو تو میں اُسے باکل

محوس نہ کروں۔

چاڑوں میں بھی رات کو جب دیگر اہل خانہ مخواب ہوتے تو اٹھا باہر حلپی جاتیں اور دضوکر کے مجموعہ اس سے ہو جاتیں۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ دیپی پر دروازہ کا راستہ نہ مل سکا۔ اور کمزور و شجیف آواز سے پکارتی رہیں۔ اگر کسی کو آواز آگئی تو جا کر کپڑہ کر اندر لے آیا۔ انہیں کہا گیا کہ جب آپ رات کو اٹھا کریں تو ہمیں جگا دیا کریں۔ تاکہ یہ تکلیف نہ ہو۔ باوجود اس کے وقت مقررہ پر بلا اطلاع ہی باہر نکل جاتیں۔

صح کے وظیفہ کے بعد سو جاتیں۔ جب کھانا کھانے کے لیے جگایا جاتا تو گھبرا کر بول اٹھتیں "دیر ہو گئی ہے؟ سورج نکل آیا ہے؟ میری نہ جاتی رہی!"

مرستے وقت اہل خانہ نے دیکھا کہ بیگم راجہ جہانزادہ خاں مرحوم بھر چند دیگر سیکیات کے کمرہ میں موجود ہیں۔ اور کمرہ ایک عجیب قسم کی خوشبو سے ملک رہا ہے۔ بیگم صاحبہ نے کھر کی مستورات سے پوچھا کہ آپ نے ان پر کوئی خوشبو چھڑک دی ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس خوبیوں کیاں ہیں؟ تب معلوم ہوا کہ یہ خوشبو فردح و ریحان و جنتہ نعمتیم کا مظاہرہ ہے

لہ تفسیر ابن کثیر میں (اما ان کا نام من المقربین فروح دریجان وجنة نعیم) کی تفسیر میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے جس میں ملک الموت (اور دیگر فرشتوں) کا جنت کا کنٹ اور حنوط اور سیکان کی گنجیاں دیغیرہ لانے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے ابوالعلاء نے کہا کہ مقربین میں سے کوئی بھی اس دنیا سے رخصت نہیں ہوتا جس کے پس سیکان کی ڈالی جنت سے نہ لاتی جاتی ہو۔ گویا بوقتِ وفات غیر ممول خوشیوں کا محسوس ہونا بندہ کے "مقربین" میں سے ہونے کا ثبوت ہے۔ اللهم اجعلنا من هم۔ آمين۔

ہے۔ رحمہا اللہ وادخلہا الجنة الفردوس۔ آمين
قاضی عبد الصمد صاحب رحمہ اللہ کی وفات بروز جمروہ ذی الحجه ۱۴۷۸ھ
کو واقع ہوتی۔ اللہ ہر اغفار لے دار حمیر وادخلہ الجنة
جنت الفردوس۔ آمين

۳

قاضی عبدالحکم قاضی محمد بن قوم الجیروختی

ولادت ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۴ اپریل ۱۸۵۲ء

وفات ۵ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۷ء

ابتدائی تعلیم اپنے والد بارجہ سے میں برادر خود قاضی محمد مر جوم بیکجا پاتی۔ ذہانت خدا واد تھی بعدہ ہمراہ برادر خود بیکجا کے مختلف مواضع میں تعلیم پاتی۔ ان اساتذہ کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ صاحب مرحوم غزنوی کی خدمت میں بیگم خیردی را مر تسری میں برادر خود مذکور حاضر ہوئے اور بیگم تعلیم کی اس جگہ ہوتی اور ایک طویل عرصہ تک عبد اللہ صاحب مرحوم کی صحبت سے فیضیا ب ہوتے۔ اس سے پیش اکان کے والد صاحب بھی عبد اللہ صاحب کی خدمت میں بقایم ہری پور حاضر ہو کر فیضیا ب ہو چکے تھے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے ان ہر دو فرزندوں کو ان کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جب دونوں بھائی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرمایا کہ ان ہر دو کا ہر طرح خاص طور پر خیال رکھا جائے کیونکہ یہ ایسے شخص کے فرزند ہیں جس کے دل جیسا صاف دل ہیں سنے کھسی کا نہیں دیکھا جھرتے عبد اللہ صاحب مرحوم ہر دو برادران سے بہت محبت اور اخلاص سے پیش آتے اور توجہ خصوصی سے تعلیم دیتے اور فلسفت کے اگر لوگ دیکھیں گے کہ میں تم دونوں بھائیوں کو سبق پڑھاتا ہوں تو تجھب کھریں گے کہ یہ کسی کو نہیں پڑھاتا تھا۔ اب ان کو کس طرح پڑھاتا ہے۔ جزاہ اللہ عطا و عن سائر المؤمنین خیر

الجواب - ذلك فضل الله يومئه من يشاء والله ذو الفضل العظيم
 علاوه على كتب سید عبد اللہ صاحب بستہ ہر دو بھائیوں نے شیخ الاسلام
 امام ابن تیمیہ کی کئی کتابیں سبقاً پڑھیں اور انھوں نے بالآخر قاضی صاحب کو فرمایا
 کہ اگر تصدیقہ نو نیہ امام ابن قیم کا ترجمہ کر دو تو بہت اچھا ہو گا۔ چنانچہ آپ نے کچھ تھے
 کہ فارسی میں ترجمہ کر کے آپ کو نیا جو انھوں نے بہت پسند کیا۔ لیکن انھوں
 کو اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ کیونکہ بعد تھصیل اور ضروری خدمات دین ان کے لیے مقدر
 تھیں۔ انہی دنوں میں آپ نے امام ابن تیمیہ کی کتاب "كتاب العقل والعقل"
 اپنے ہاتھ سے لکھی اور اس طرح کئی اور کتابوں کے حصہ نقل کے جب مصروف
 یہ کتاب پچھنچنے لگی تو علماء بندهادنے آپ سے وہ قلمی نسخہ فرگا کیا تھا اور اس کے
 ساتھ بھی مقابلہ کر کے وہ کتاب منہاج السنۃ کے حاشیے پر طبع ہوتی اور
 بعد طباعت قاضی صاحب کو وہ اصلی قلمی نسخہ پنج ایک نسخہ مطبوعہ ہمراہ منہاج السنۃ
 بطور تخفیر من شکریہ کے ارسال کیا۔

آپ عبد اللہ صاحب کے گھر کے لیے سودا بھی لا یا کرتے تھے۔ ایک
 دن دیر ہو گئی جب واپس آئے تو رب لوگ کھانا کھا چکے تھے اور کچھ باقی نہ تھا۔
 تو عبد اللہ صاحب نے فرمایا، عبد اللہ! تمہارے پاس پیسے تو ہوتے ہیں بازار
 میں روٹی بکھتی ہے ایسی صورت میں قم بازار سے روٹی کھایا کرو۔ عرض کیا بات
 تو ٹھیک ہے۔ آپ اشیاء کی خرید کے لیے رقم ادا کریں اور میں اس میں سے
 خود کھانے لگ جاؤں کیا ہی نہیں ہو سکتا۔ ایک وقت کا کھانا نہ بلا تو کیا ہوا!
 عبد اللہ صاحب مر جوم نے اپنی وفات سے چند روز پیشتر ہر دو برا در ان کو بلا بھیجا
 تھا۔ کیونکہ اس وقت سے کافی عرصہ پیشتر بعد تھصیل ہر دو برا در ان اپنے ولیں آپ کے تھے۔
 عبد اللہ صاحب مر جوم کی وفات کے وقت ہر دو برا در ان امر تسریں موجود تھے جس راست

عبداللہ صاحب کا انتقال ہوا۔ دونوں بھائی مسجد میں تھے بھنوی سی بارش ہوتی، لیکن آسمان پر ابر کا کوتی ملکر انظر نہ آیا تو قاضی محمد صاحب نے بھائی صاحب سے کہا کہ یہ ریخمال میں بعد اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور یہ بارشِ رحمت ان کے استقبال کے لیے ہوتی ہے۔ آپ نے انہیں ڈانت دیا لیکن جب صبح کی نماز کے لیے مولانا بعد الواحد صاحب مرحوم مسجد میں تشریف لاتے تو دیکھا کہ وضو کرتے وقت ان کے آنسو جاری تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ”بابا جان کا کیا حال ہے؟“ تو آپ نے فرمایا کہ جس وقت یہ ترشح سا ہوا تھا اسی وقت بابا جان کا انتقال ہو گی، انا اللہ وانا الیہ مراجعون۔

قاضی صاحب نے مت العمہر مخالف کتاب و سنت کا مقابلہ کیا اور بھی کسی سے نہیں ڈرے مشرکین و مبتدئین و مرتدین آپ کا نام سن کر کاپتے تھے۔ بعد تفصیل جب دونوں بھائی والیں آئئے تو والد صاحب نے ان کو علم طب کی تحریک کے لیے یہ کہہ کر روانہ کر دیا کہ میں تم کو مٹھا نہیں بنانا چاہتا۔ ملاحق نہیں کہ سکتے کیونکہ وہ لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ طب تھارا ذریعہ معاشر ہو گا اور تم بے دھڑک حق کی تبلیغ کو سکو گے۔

پھر جب واپسی پر توجید و سنت کی اشاعت بذریعہ درس و تدریس و عظام تذکرہ شروع ہوتی تو مبتدئین اور مقلدین کا شکر پے در پے حملہ آور ہوا اور خان پور مناظرات و مجادلات کی آمادگاہ بن گیا۔ لیکن ہر بیان میں الشجل شائہ نے اپنے دین کی مدد کی اور حقیقتی ظاہر ہو گیا۔ حقیقتی کے ول میں خان پور کا رعسب ایسا پڑا جواب تک ان کی وفات کے بعد بھی لوگوں کے دلوں سے نہیں نکلا۔ خان پور میں ایک وحدہ آٹمانا یا ب ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ دریائے ہروہ میں ماہ ساون میں طینا فی آگئی۔ جندر رین چکیاں بند ہو گئے۔ اس لیے آٹمانہ میں سکنا تھا

تو قاضی صاحب نے کہا کہ ایسی جگہ میں رہنا تو تمیک نہیں جہاں کھانے کے لیے آٹا بھی نایاب ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس لئے راولپنڈی کا رُخ کیا اور دہاں مطبع جاری کر دیا۔ وہ حقیقت اس طرح قدرت نے ان کے لیے خدمت دین کی راہ کھولی اور اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں ان سے خوب خدمت لی۔ آپ کے نزدیک اُس وقت رسے نے زیادہ ضروری کام شرک کا روتھنا اور اس مقصد کے لیے آپ نے ہر طبقے سے رابطہ قائم کیا۔ شہر کی مختلف مساجد میں نماز کے لیے جاتے اور جو کچھ دہاں دیکھتے دہاں کے امام سے چند سوالات کر کے اُسے راہ پر لے آتے۔ اس غرض کے لیے مساجد اخاف میں وہ آئیں باہمہ اور رفع یہیں بھی نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اصل مقصد آپ کے سامنے "توحید" تھا۔ ایک دفعہ ایک طالب علم خان پور سے آیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اس مسجد میں آئیں بلکہ ایک نہ کہنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئیں اور رفع یہیں کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی بلکہ توحید کی خاطر کی تھی۔

اسی غرض کے پیش نظر آپ نے پیر مہر شاہ صاحب گواڑی کے رشتہ دو تارہ درسم پیدا کی اور ان کو ملنے گواڑہ بھی چلے جایا کرتے اور علی مباحثت ہوا کرتے۔ پیر صاحب اس تاک میں تھے کہ اگر ایسا عامم ہمیں ہاتھ گا جاتے تو بہت مفید ہو گا اور قاضی صاحب یہ چاہتے تھے کہ اگر پیر صاحب توحید پر لگے ہو گئے تو ایک بھم غفیہ حلقو گوش توحید ہو جائے گا۔ لیکن تقدیر میں کچھ اور لکھا ہوا تھا۔

قاضی صاحب نیرہ ضلع فیروز پور میں

نیرہ ضلع فیروز پور میں بعض احمدیت بھی مرزا یوں کے جھانسی میں آئے گئے

جو خاندان غزنوی کے مریدوں میں سے تھے۔ اس امر کی اطلاع جب مولانا عبد الجبار غزنوی کو ملی تو انہوں نے قاضی صاحب کو لکھا کہ آپ کا زیرہ جانا بہت ضروری ہے۔ وہاں مرزائیوں نے ادھم مچار کھا ہے اور بہت سے موحدین مذہب ہو گئے ہیں مجھے آپ سے زیادہ موزوں کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو وہاں کے لوگوں کو مرتدا ہونے سے بچتے اس لیے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ یہ دینی فرضیہ دہاں جا کر ادا کریں۔

آپ نے اس حکم کی تعمیل کی اور زیرہ جا پہنچے۔ مرزائی صاجبان یہ سمجھے کہ قاضی صاحب سے مقابلہ آسان نہیں۔ طال مٹول کرتے رہے اور بظاہر مقابلہ میں آنے سے کتراتے رہے۔ آپ نے زیرہ والوں کو تسلی دی کہ جب تک مرزائیوں کا مولوی محمد علی زیرہ میں ہے اس کے ساتھ فیصلہ کئے بغیر میں تمہیں نہ چھوڑوں گا۔ ہر چند مناظرہ کی دعوت دی یکن مرزائی بلطاطف الحیل قسم کی چالیس چلتے ہے۔ اس اشنا میں آپ کو ملن میں کوئی ضروری کام یاد آگیا۔ آپ نے واپسی کا ارادہ لیا تو زیرہ والوں نے آپ کو سایقہ وعدہ یاد دلایا۔ آپ نے کہا کہ میں ضروری کام کے انش داشت بہت جلدی واپس آجائیں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔

جب ملن پہنچے تو جلد ہی زیرہ والوں کا پیغام پہنچا کہ آپ کا آنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ حرب و عده آپ زیرہ پہنچے اور حسب خواہش مرزائیاں اُن سے بسا پل کیا اور پھر کافی دنوں تک وہاں ہی ٹھیکرے رہے ہیں کہ اشد جل شانہ نے منافقین مباریکین کو نیست دنابود کر دیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس اشنا میں تائب ہو گئے تھے۔ بقول امام خان فوہر وی مرعوم مولوی محمد علی مرزائی مبدیل آپ کے سامنے مبارکہ کے بعد بیرون طاعون ہلاک ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اتحاد سے حق کو غالب کیا اور سب مذہب میں بھی تائب ہو کر سچے مسلمان بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے

آپ کے ذریعے مسلمانوں کو فتح بیس عطا فرمائی فالحمد للہ علی ذلک۔ آپ نے "مدفع الہی" کے ص ۳ پر مختصر اس واقعہ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔ "جب میں بقصد ملاقات و بخیر گیری مکان کے پہلی دفعہ آیا تھا تو اہل زیرہ مانع ہوتے تھے کہ آپ نے بر سر اجلاس ممبر پر فرمایا تھا کہ جب تک مولوی علی محمد مرزاؒ زیرہ سے گم نہیں ہوا میں نہیں جاؤں گا، اور وہ موجود ہے۔ پھر کس طرح آپ جاتے ہیں میں نے کہا کہ میں عارضی طور پر جاتا ہوں اور ان کے ساتھ عہد کیں واپس چانے کا پھر واپس گیا اور مرزا یتوں سے مقابلہ کیا۔ تو اللہ غزوہ جل نے ان کو مخاطرے ہی عرصہ میں طاعون سے نیست و نابود کر دیا۔ پھر وہاں سے واپس آگیا۔ برخلاف مرضی اہل زیرہ کے، وہ منع کرتے تھے۔ میں کہتا تھا کہ میرا قرار اللہ عزوجل نے پورا کیا اب میں نہیں مٹھیروں گا؟ امام خان نو شہر دی مرعوم کے ایک نوٹ میں درج ہے کہ مولوی محمد علی مرزاؒ آپ کے سامنے ہلاک ہوا۔ اگرچہ قاضی صاحب نے اس کا نام علی محمد لکھا ہے۔

الغرض جب زیرہ میں اللہ جل شانہ نے آپ کو بے مثال کامیابی اور مرزا یتوں پر فتح عظیم عطا نہادی تو آپ اپنے وطن مالوف میں واپس آگئے۔

فاضی صاحب کی زیرہ والی پسی اور پرہمہ علی شاہ گوکارلوی کے آتناہ سے حملہ

مرزا یتوں کے مقابلہ میں اس نتیاجاں فتح کے بعد قاضی صاحب اہل زیرہ سے خصت لے کر مراجحت فرماتے وطن ہوتے۔ رد انگی کے وقت اہل زیرہ کی عجب حالت بخوبی کہتی اصلحت اس جدائی کو محسوس کرتے ہوئے روپرے اور انہیں وہاں مٹھرا نے پر مضر ہوئے۔ لیکن جس مقصد کی خاطروہاں جانا ہوا تھا وہ اللہ جل شانہ نے باحسن طریق پورا کر دیا۔ اس لیے قاضی صاحب نے بھیش کے لیے

سافرت میں رہنا منظور نہ کیا اور والپس رواں پنڈی آگئے۔

رواں پنڈی پسختے کے چند روز بعد مریدان پیر شریاہ نے آپ کے خلاف آوازے کئے شروع کر دیئے۔ اور ایک اشتہار تحقیقی قائم علی چشتی مقیم را تائناں گولڑہ کا قاضی صاحب کے نوٹس میں آیا۔ جس میں پیر بعد العلی متالوی کے اس اشتہار کے جواب میں جو پیر موصوف نے پیر صاحب کے فتویٰ خروج از مقام طاعون کے جواز کے رد میں لکھا تھا بجاۓ اس کے کنفس منہ پر سجحت کی جاتی اور پیر موصوف کو خطاب کیا جاتا، ظلمًا وعدواناً قاضی صاحب کو ہدف ملامت بنایا گیا۔ اور پیر متالوی کے اشتہار کو ان کے سرخوب پ دیا گیا۔ اور بھائیا کریمہ پردازی اور رخنه اندازی "قاضی بعد الاحد خان پوری کی ہے۔ بعد العلی بے چرا اس میدان میں قدم رکھنے کی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ تو بے علم غرض ہے" قاضی صاحب یہ دیکھ کر سخت چیران ہوئے کہ یا الہی! یہ کیا ماجرہ ہے۔ نہ مجھے رواں پنڈی پسختے میں پیر صاحب کے فتویٰ کا علم تھا اور نہ زیرہ میں کسی نے مجھے بذریعہ خط اطلاع دی اور نہ پیر متالوی سے کوئی گھنٹوں اس بارہ میں ہوتی۔ یہ ناجی الزام بھی پرکیوں لگایا جا رہا ہے۔

امنون نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو ایک مفصل خط تحریر کیا جس میں خدا کو گواہ کر کے لکھا گیا کہ مجھے تم دونوں پردوں کے تنازعہ کا قبل اور اس علم تھا اور نہ زیرہ میں کسی نے مجھے بذریعہ خط اطلاع دی۔ یہ اشتہار ضرور آپ کے علم اور ایماد سے ثابت ہوا جو سراسراً ذرا و بہتان ہے اور میسکے آپ کے ساتھ دوستہ تعلقات تھے۔ مزائیوں کے مقابلہ میں آپ کا میں دستِ راست بنارہ۔ مزائی کے مقابلہ میں آپ کی ڈھارس بندھاتی یہ کہہ کر مقابلہ ہوا تو ہم خود کوئی گے۔ لا ہور آپ کا ہمراہی بن کر گیا۔ سیف چشتیاں کی تالیف میں

آپ کی علمی مدد کی۔ مولانا محمد بشیر سوانی کی تصنیف روزمرزا میں۔ نہ آپ کو میسا کی، جس سے آپ نے بھرپور استفادہ کیا لیکن اس کا ذکر کتاب میں نہیں۔ مرزا قادریانی کے قابل اعتراض اقوال کو اس کی متعدد تصنیف سے مولانا ہمایت اللہ صاحب صدر رواں پینڈھی سے کیجا لکھوا کر آپ کو دیئے۔ جس سے آپ کو بڑی مدد ملی۔ حالانکہ آپ کے بیسے یہ کام اگر محال نہ تھا تو بہت مشکل ضرور تھا اور آپ نے سیف چشتیاتی میں سے بعض عبارات کے نکالنے کا وعدہ کیا تھا جو جماعتِ احمدیت پشاور کے احتجاج کی بناء پر آپ کو بتائی تھیں اور آپ کے اس وعدہ کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے میں اس جماعت کا ہدف ملامت بنا اور میں نے آپ کو کئی تلمیخیاں برا نئے مطالعہ دیں جو کوئی شخص گوارانی میں کر سکتا۔ اور بعض علمی کتب آپ کو بطور ہر یہ دے دیں۔ وغیرہ وغیرہ احسانات جذانے کے بعد لکھا کر میں تو بعد فتح بر مرزا یاں یاں آپ کا مہمان عزیز تھا۔ کیا آپ نے یہی مہمان نوازی مناسب سمجھی کہ مجھ پر افترا، وہستان کا پلندہ آپ کے آتا نہ سے شائع ہوا۔ اگر یہ آپ کی رضامندی اور علم کے بغیر ہوا ہے تو فراؤں کی ترویہ شائع کریں۔ ورنہ دس روزگزر نے پرمیں فلم اٹھاؤں گا پھر آپ کے بیسے گذر کی کوئی بخوبی نہ ہوگی۔ یہ خط بطور نوٹس پیر صاحب کو بتایا ۱۳ اگست ۱۹۷۶ء میں جھٹری کر کے ارسال کیا گیا راس خط کی مکمل نقل رسار ملقب بـ "عشرو کامل" از مصنف کے آخر میں دسج ہے۔

جب یہ خط جھٹری شدہ گواڑہ میں پہنچا تو پیر صاحب کے حاشیہ نشیون نے پیر صاحب سے کہا یہ سوالات جو یہاں سے راشتارِ محلہ بالا میں (شارق کے گھنیمیں ان کا جواب یہ رفاضی صاحب) تو کجا ان کے بزرگان بھی اگر قبروں سے نکل کر آ جائیں تو ہرگز نہیں دے سکتے۔ پیر صاحب نے خاموشی اختیار کر لی اور میعاد مقرر ہیں کوئی جواب نہ دیا پس "ابسا دی اعظم" کا مقولہ صادق ہوا اور

قضی صاحب رد لکھنے میں حق بجانب ہو گئے
وہ دن کے بعد قضی صاحب کی طرف سے بجا ب اشتمار گواڑوی "ابیان
والاغاشر فی جواب الاستفسارات والاستغاثات" (الملقب پر) عشرت
کاملہ" منصہ شہود پر رونق افروز ہوا۔

اس رسالہ میں بعد فراغت از جواب سوالات مندرجہ اشتمار لکھا ہے:-

ناکہ بیبل شیدا تو ناہنس ہنس کر لو جگر تھام کے بیٹھو مری بائی آئی
اور اس کے بعد ہر علم سے حشی کہ الجیس را اور انقلیدس سے ایک ایک
سوال علمی کر کے وہ سوال پورے کئے۔ اس وجہ سے رسالہ ملقب "پعشرہ کاملہ"
ہوا۔ سوالات کے آخر میں لکھا تھا "تلے عشرہ کاملہ" اور میطوع
جواب پذیر یہ بھی پیر صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا گیا۔

رسالہ کا پہنچنا تھا کہ وہاں تسلکہ پڑ گیا۔ اب تو یعنی کے دینے پڑ گئے اور
وہی منکرین جو ایک ہفتہ پیشتر غدر و تکبر سے کہہ رہے تھے کہ ان کے لگے
بزرگ بھی بچر زندہ ہو کر آ جاتیں تو جواب ہرگز نہیں دے سکتے بلکہ جہان کئے
لگے۔ اکثر سوالات تو ان کی سمجھے سمجھی بالاتر تھے جس کی تصدیق ان کے بعد
کے رویہ اور طرزِ عمل سے ہوتی ہے۔ بس ان کا نقشہ یہ تھا جو کسی شاعر نے کہا
ہے:-

تھے دو گھری سے شیخ جی شیخی بجھاتے وہ شیخی ان کی ساری بھڑی دو گھری کے بعد
قضی صاحب ہمیشہ اپنے آپ کو خاکدار "لکھتے رچانے پر جو خط پیر صاحب
کے نام لکھا تھا۔ اس کے شروع میں "از خاکار عبد اللہ خان پوری بخدمت جنا
پیر صاحب" لکھا۔ یہ برخود ناطح حاشیہ لشیں اتنا تو سوچتے ہے
خاکی ران جہاں راجھارت میٹھا تو پورا نی کہ دریں گرد سوائے باشد

نیز اگر وہ شیخ سعدی کی اس نصیحت کو ہی مدنظر رکھتے ہوں

”ہر بیشہ مگاں میر کر خالی است شاید کہ پینگ خفته باشد“

تجھب قاضی صاحب نے اپنے خط میں یہ لکھ دیا تھا ”خداجا نہ اپنے کہ اس امر سے میں بالکل بُری ہوں اور میں کل الوجہ بے تعلق ہوں۔ کیونکہ بروقت تحریر فتویٰ مت لوی میں موضع زیرِ ضلع فیروز پور میں تھا“ تو عقل کا تقاضا تھا کہ اس بہتان کی تلافی کی جاتی جو محض خیالی ڈھکو سلا تھا اور معاملہ وہاں ہی ختم ہو جاتا۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑے لوگوں کے حاکمیتی نہیں انہیں اتنا بڑا بنا دیتے ہیں جتنے وہ نہیں ہوتے اور ان کی تعریف میں زین و آسمان کے قلابے ملادیتے ہیں اور ایسے مشورے دیتے ہیں جو بجا تے مفید ہونے کے لئے ان کے لئے ان کے لیے مضبوط است ہوتے ہیں اور وہ ان مشیروں کے جھانے میں آکر اپنے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر لیتے ہیں جن کا انہیں اس وقت خیال نہ کہ نہیں ہوتا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا جب ”عشرہ کامل“ شائع ہو گیا تو وہ موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

ان دس سوالوں میں سے پہلے ہی سوال نے ہوش اڑا دیے تب میں ”قاموس اللغت“ کی ایک عبارت کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ وہ جگہ بادجوں تلاش بیار کسی فاضل کو نہ ملی تو مشہور کر دیا کہ یہ عبارت قاموس میں مرقوم ہی نہیں اور اس مقام کا کھوچ رکانے کے لیے قاضی صاحب کے پاس آدمی آئے شروع ہو گئے۔ جو کتے تھے کہ پیر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ یہ عبارت قاموس میں نہیں ہے۔ قاضی صاحب نے ان میں سے ایک قاصد کے سامنے ”قاموس“ پر چادر ڈال کر دریمان سے وہ عبارت نکال کر قاصد کو بتاتی اور کہا یہاں سے پڑھو۔ وہی عبارت مندرجہ سوال ہے یا نہ؟ اور کتاب بند کر کے اسے کہا کہ دیکھو یہ دسی کتاب ہے یا نہ؟ اگر ان لوگوں کو نہ ملے تو میر اکی قصور، وہ اپنا سا

منہ لے کر واپس ہوا اور جا کر کہا کہ قاضی صاحب نے تو اسی کتاب رقاموس سے
وہ عبارت نکال کر مجھے بتا دی اب گواڑہ شرفیں ہیں کتاب رقاموس کی جلد اکھاڑکر
کتاب کو کئی اجزاء میں علیحدہ علیحدہ کی گیا اور ایک ایک جزو ایک ایک آدمی
کے حوالہ ہوتی۔ کہتے ہیں پھر بھی وہ اصحاب تلاش عبارت میں ناکام رہے ریہ
قاضی صاحب کی سی۔ آقی۔ ڈی کے ذریعہ معلوم ہوا۔ اس طرح جو مشورے وہاں
چھپ کر ہوتے ان کی خبر بھی ان کوں جایا کرنی مختی اور جب قاضی صاحب اس
کو ظاہر کرتے تو آستانہ میں حیرانی ہوتی کہ ان باتوں کا علم قاضی صاحب کو کیسے ہوا
جیکہ سب کچھ اندر وہ خانہ ہی ہوتا تھا)

پھر غذا جانے کھس نے اس مقام کی نشاندہی کی کیونکہ جگہ بجگہ امداد کے
نیے خطوط لکھنے لگتے تھے جن میں یہ شعر بھی لکھا جاتا ہے

دوسٹ آں باشد کگی دوسٹ دوسٹ در پریش اس حالی و درماندگی
دُور دور سے کھا بیں منگو اتی گئیں اور خود پیر صاحب ہندوستان کے مختلف مقامات
پر گئے۔ نیز حاججوں کو خط لکھ کر دیتے گئے کہ جرمیں شریفین کے علماء سے ان سوالات
کے جوابات حل کر اکر لائیں۔ غرض مخالفین میں بڑی پریشانی رہی۔

کافی حصہ کے بعد کچھ مصالحہ اکھاڑھوا۔ اور وہاں کتے تین مولویوں کی محنت⁹
امداد سے ایک جواب شائع ہوا جس کا نام تھا "المتبیان والمحاسن"؛ قاضی صاحب
نے اسی مجموعی کوشش کی بناء پر اس رسالہ کو "سمہ صردہ" کے لقب سے ملقب کیا
جواب مذکور کا جواب ابو جواب قاضی صاحب نے شائع کیا جس کے دو
حصے تھے۔ پہلے حصہ میں ان جوابات پر تنقید کی گئی۔ عربی کی اغلاظ کی نہ نہی کی
گئی اور محبیین کے سوالات کو صحیح طور پر سمجھ سکنے کو بھی داشکاف کیا گیا۔ عربی
زبان کی غلطیاں نکالنے کے بعد لکھا کر آپ کو ایسی عربی لکھنے کے تباہ کی کیا

ضرورت تھی۔ سوالات اردو میں تھے۔ جوابات کا اردو میں ہی لکھنا مناسب تھا لیکن یا تو اپنے جوابات کی مکروہی کو پھپانے کے لیے عربی میں جوابات لکھ گئے اور یا اس لیے کہ مریدوں پر رعب پڑے کہ پیر صاحب ایسے علامہ ہیں کہ سوالات اگرچہ اردو میں تھے لیکن آپسے جواب عربی میں لکھئے اور مریدوں کو جوابات لی جھٹ یا عذم حستکے موازنہ کا موقع ہی نہ ملے۔ اس کتاب کے پہلے حصہ کا نام ”اقامتہ البرہان علی بطلون التبیان“ المعروف بـ ”دفع الہی بر قلعہ مہرشہی“ ہے اور دوسرا حصہ کا نام :

”إثارة للبس دالاشتباه عن حقيقة مذهب پیر مہوشہ“

الملقب ”خفیوں کی کسوٹی“ ہے

ہر دو شخص چار سو صفحات پر بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے حصہ میں پیر فرا کا فوٹو سرے پیر بنا کھینچ کر حضیر فقرہ کی کتابوں نے شایستہ کیا گیا ہے کہ پیر صاحب کا دعویٰ حضیر ہونے کا نادرست ہے۔

کتاب مذکور شائع ہونے کے بعد کیا ہوا؟

اقامتہ البرہان کا جواب لکھنا آسان نہ تھا۔ اس کے مقابلہ میں تو فرقی مخالف نے ہتھیار ڈال دیئے اس کا تو کوئی جواب شائع نہ ہوا۔ لیکن نوک جھونک جادی رہی۔ اب صرف اشتہاراتی ہی رہ گئی متعدد اشتہارات شائع ہوئے۔ قاضی صاحب بھی اشتہارات کے جواب دیتے رہے اور فتاویں کا اصل نقشہ کھینچتے رہے۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے ایک اور قاب نو سونہ مرصوم الموجہ تین حصوں میں بھکی جس کا صرف پلا حصہ طبع ہو سکا، باقی حصہ بٹ نہ ہو سکے۔ اس میں فرقی مخالف کے اتهامات کی قسمی کھوئی گئی، جو بعد میں ان کے سرخوب پر گئے

تھے۔ اس سلسلہ میں پہلا اشتہار "تذییر التوحید عن الحدوث والامکان" تھا جس کا جواب اس کتاب میں دی وجہ سے دے کر پیر صاحب پر ۱۵۲
الزالات عالم کئے گئے۔ یہ کتاب "صصام الموحدین حصر اول" ۲۲۴ صفحات کی ہے۔ اس کتاب کے متعدد نام حسب عادت رکھے جو یہ میں۔
صصام الموحدین نقطع انعق الزندقة والملحدین

ایضاً الموسوم بـ

التمیز والتفرقه بین المعرفه والزندقة
المقلب به

فی توب چرخڑی فی خسر باغی گوڑی
ایضاً بُم کا شرمی گولہ بر سر شہی ٹولہ
ایضاً خان پوری تفناک بر گولاڑوی ٹنگ

(بعض اشتہارات منجانب قاضی صاحب کی فہرست قایمت
کے ضمن میں دفعہ کی جاتے گی)

اس اشنا میں آپ کو متعدد طرق سے ڈرایا و حکم کیا اور مروعہ کیا جاتا رہا۔
ایک دفعہ ایک صاحب نے قاضی صاحب سے اگر کہا کہ پیر صاحب کیخلاف
لکھنا چھوڑ دو ورنہ وہ تمہیں قتل کرادیں گے۔ آپ نے جواباً کہا کہ ہاں ! جب میں
راوی پسندی کے بازار میں جاتا ہوں تو مجھے سڑک کے دائیں بائیں مُردے ہی مُردے
ظر آتے ہیں۔ دریافت پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پیر صاحب نے مر وا دیا ہے۔
یہ جواب اسے طنزیہ دیا گیا تھا۔

قاضی صاحب کی ایک کرامت

ایک دفعہ مسجد سے بعد نماز عاشاً گھر چاہے تھے۔ ایک کوچ کے مژدہ ایک

نہ آدش شخص نمودار ہوا۔ اور تفاضلی صاحب کے پاؤں پر گرپٹا اور عاجزی سے کھٹے لگا کر برائے خدا مجھے معاف کر دیں اور بخشنیں۔ آپ نے کہا، تم نے میرا کیا قصور کیا ہے جیکی کی معافی چاہتے ہو۔ میں تو تینیں جانتا ہی نہیں۔ اسی شخص نے جو اباً کہا کہ آج یہ تیسری رات ہے کہ میں آپ کے قتل کے درپے تھا۔ راس کے ہاتھ میں اس وقت ایک خیز موجود تھا، مجھے میرے بعض بزرگوں اور وہ متلوں نے یہ کہہ کر آزادہ کیا تھا کہ اس شخص کے قتل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔ پہلی رات اسی وقت جب آپ یہاں سے گزرے تو میں نے حملہ کا ارادہ کیا لیکن میرا ہاتھ جس میں یہ خیز پٹا ہوا تھا ہرگز نہ ہل سکا۔ ہر چند کوشش کی لیکن ہاتھ پھر بھی نہ ہل سکا۔ میں بیلِ مرام والپس چلا گیا اور ان لوگوں سے جا کر کہا کہ وہ شخص تو کوئی خاص اللہ کا بندہ معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ہر چند حملہ کی کوشش کی لیکن میرا ہاتھ ہل نہ سکا۔ تم کہتے تھے کہ وہ بہت بُرا آدمی ہے۔ انہوں نے مجھے علمت کی اور کہا کہ تمہارا ایمان کمزور ہے۔ پھر جاؤ اور اُسے ضرور قتل کر کے آؤ۔ اور دل کو مضبوط رکھو۔ میں ان کے اصرار پر دوسرا رات پھر اسی ارادہ سے آیا۔ لیکن پھر وہی قدر ہوا۔ با درحواد کوشش کے میرا ہاتھ حرکت ہی نہ کر سکا۔ اور میں نے ان لوگوں کو جا کر وہی بات کہی جو پہلی رات کو کہی تھی۔ لیکن انہوں نے پھر اجر عظیم کی توقع دلاتے ہوئے اور دل کو مضبوط رکھ کر اس کا بڑا ثواب کے لیے دوبارہ بہت کرنے کی بذور تلقین کی۔ چنانچہ آج تیسری رات میں پہلے سے زیادہ مستعد اور آزادہ ہو کر ثواب کی نیست سے اس جگہ آکر چھپ رہی گی۔ اور دل میں کہا کہ آج ضرور یہ ثواب لوٹوں گا۔ لیکن آپ کے سامنے آتے ہی میرے ہاتھ کی طاقت سلب ہو گئی۔ اور میں حکمت کے قابل ہی نہ رہا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ اللہ کے خاص بندے ہیں۔ اور مجھے ایک بہت ہی

نامناسب اور غیب سوزوں کام پر ثواب اُخروی کا چکہ دے کر آمادہ کیا جاتا رہا ہے۔ میری اب یہ اسند عاہے کے کہیں جو تینیں راتیں اس بذریت سے آتا رہا ہوں آپ برائے خدا مجھے معافی عنایت کریں کہ خدا مجھے اس کی سزا نہ دے۔ آپ نے کہا، جاؤ! میں نے تمہیں معرفت اکر دیا۔

ایک وہ رواقہ

فائلین آپ کو اذیت پہنچانے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ راست پر جاتے ہوئے ایک شقی نے پیچے سے لاٹھیوں کے واگر دیئے۔ اور بھاگ کر تنگ کوچوں میں غائب ہو گیا۔ اگر اس طرح پیچے سے بزولانہ حملہ نہ کرتا اور سامنے سے آتا تو خیریت سے اس کا جانا محال تھا۔ کیونکہ قاضی صاحب گفتگہ بازی میں بھی ماہر تھے اور ایک مضبوط لاٹھی بند کی ہاتھ میں پکارتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ شفച گھر پہنچتے ہی صاحب فراش ہو گیا اور مددیا شروع کر دیا۔ ہر چند علاج کیا گیا لیکن اس کا پیٹ پھون شروع ہو گیا اور اس نے کہنا شروع کر دیا۔ میں نے ان بڑے لوگوں کے کھنپ پر ایک مرو صاحب اور مردموں پر گزاریں کر دیں۔ میں اس جرم میں پکڑا گیا ہوں اب ڈاکٹروں اور جکھیوں کی پریکاری کیا ہے۔ اسکتیں اور فریادیں کرتا ہوا راہیں ملک عدم ہوا اور اس کا دو ایس کام نہیں آسکتیں اور فریادیں کرتا ہوا راہیں ملک عدم ہوا اور اس کا یہ اعتراف جرم را اولین ٹھی میں مشود ہوا۔ اس کے بعد پھری بدباطن کو جرأت نہ ہوئی۔

مناظرہ کا زبانی چیلنج

ایک مرتبہ ۹ اپریل ۱۹۰۸ء کو پیر صاحب کے مریدوں نے شہر میں مشور کر دیا کہ کل روز جھنڈا پیر صاحب را اولین ٹھی تشریف لارہے ہیں۔ قاضی عبداللہ بن حنزہ کے بیٹے تیار ہو چاہئے۔ یہ سنتے ہی آپ نے اس وقت ایک اشتہار، اپل

ستہی کو بیع کر اک شائع کر دیا اور قبل از نمازِ جمعہ شہر میں تشریف کر دیا جس میں لکھا کہ
ناجاتا ہے کہ پیر صاحب (گولڑہ) برائے بحث بیان آ رہے ہے۔ وہ منصف
مقبول الظرفیں مقرر کر کے خاکار سے بحث کر لیں میں تیار ہوں (مدح العلی ص ۳۳)
اور اس کے بعد چار مسجد کلاں شہر اول پنڈی میں برائے نمازِ جمعہ جا کر پہلی صاف
میں بیٹھ گئے۔ پیر صاحب اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے اور پہلی صاف
میں پنج کر آپ نے بیکھا کہ قاضی صاحب وہاں پہلے سے بیٹھ ہوئے ہیں تو
آپ نے وہاں سے ہٹ کر ایک آدمی کو درمیان میں رکھ کر صاف میں جگہ پڑھی
اور نمازِ ادا کی اور بعد نمازِ فرض مسجد سے پڑھ گئے۔ نماز کے بعد قاضی صاحب
کافی دیر تک وہاں ہی بیٹھ رہے۔ لیکن باوجود شائع ہونے اشتہار مذکور ہالا
کے دوسری جانب سے کوئی حركت نہ ہوتی (حوالہ مذکور)

آپ کی جرأتِ دولیری کا اس امر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس بڑی
سے بڑی مسجد میں پیر صاحب کے اسی فیصلہ میں نماز ادا کرتے ہوں۔ اس میں تن
تمہاراں طرح دیر تک بیٹھنا تاکہ اگر کوئی چیز بخوبی ملاحظہ دے تو اسے برس یعنی قبول کیا
جائے۔ یہ جرأتِ قوتِ ایمانی کا بین بیوت ہے۔

پیر صاحب اور اکثر نمازی جا چکے تھے، لیکن قاضی، صاحب پھر بھی اس
انتظار میں بیٹھ رہے کہ شاید کوئی اطلاع برائے مناظرہ آ جاتے۔ کافی دیر
گزرنے کے بعد آپ کے چند ساتھیوں نے کہا اب بیان مزید انتظار کی کیا ضرور
ہے۔ اگر فالغین نے کوئی بات کرنی ہوتی تو اب تک ضرور مطلع کر دیتے۔ تب
آپ مسجد سے باہر گئے۔ اس واقعہ کا مختصر مذکور "مدح العلی" میں موجود ہے۔
(۱۷-۱۸) اس جگہ پیر صاحب کے مریدوں کے شور و شغب سے مناثر ہو کر دو
ہندو اسرائیلی سماں ہوتے تھے پھر تمدن ہو گئے انا لله وانا اللہ مراجعوں۔

وجداری مقدمہ

رسائل اور اشتہارات کے ذریعہ تو تحریری مناظرہ ہی ہوتا رہا۔ آپ کو خلاف کرنے کے لیے پیر صاحب کے متولیین میں سے ایک شخص نے آپ کے خلاف ایک استغاثہ بعدالدلت فوجداری دائر کر دیا۔ آپ نے بھی اس شخص کے خلاف دائر کر دیا۔ اور عدالت سے کہا کہ پیر صاحب گلزار کو شہادت میں طلب کیا جاتے۔ وہ ایک مقدمہ میں میرے گواہ استغاثہ ہیں اور بال مقابل مقدمہ میں میرے گواہ صفائی بھی دہی ہیں۔ عدالت میں ان کی حاضری کے بغیر اصلی حقیقت آشکارہ نہیں ہو سکتی اور مشہور کر دیا کہ پیر صاحب بیسا بھی بیان دیں گے میرے حق میں مفید ہو گا۔

یکن مجرم بیٹھ پیر صاحب کے مریدوں کی کثرت کی وجہ سے کچھ مروعہ سے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اتنے بڑے آدمی کو عدالت میں طلب نہیں کرتے۔ اس پاس حکم کے خلاف ہاتھ کوڑٹ لاہور میں آپ نے درخواست گزاری کہ عدالت میرے ایک ضروری گواہ کو طلب کرنے سے انکاری ہو گئی ہے۔ اس گواہ کی طلبی کا حکم صادر کیا جائے۔ عدالت عالیہ نے حکم دیا کہ جب ایک شخص اپنے مقدمہ کا دار و مدار ایک گواہ پر رکھتا ہے اور اس کی شہادت کو اپنے مقدمہ کے لیے ضروری سمجھتا ہے تو ضرور اس گواہ کو عدالت میں طلب کرنا چاہیے۔ اس حکم سے مخالفین کے چکے ھپٹوٹ گئے اور راضی نامہ کے لیے جرگے شروع ہو گئے۔ قاضی صاحب کے ایک عزیزی کو انہوں نے راضی نامہ کرانے کے لیے منصب کیا اور اس نے ہر دو مقدمہ میں اس نے راضی نامہ جات سکھوا کر آپ سے دخنخڑک روایتیے۔ اور آپ نے اس کے اصرار سے راضی نامہ قبول کر دیا لیکن عدالت میں اعلان کیا کہ یہ

صفہ فوجداری استغاثہ جات میں راضی نامہ سے ہے۔ اصل راضی نامہ تو صرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بناء پر ہی ہو سکتا ہے۔ میں تحریری مقابله ہرگز نہ ترک کروں گا۔

آپ کے توکل علی اللہ کی ایک مثال

چونکہ مریدان پیر صاحب شہریں جگہ جگہ شوروں شریں مشغول رہتے تھے اور فاد کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ پیر عبدالعلیٰ مستالوی نے رجن کے اشتار سے یہ سارا قصہ شروع ہوا تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک پیش کش کی کچونکھ گو لوٹی جماعت سے اندریشہ ایذا رسانی کا غالب ہے اور جان کا خطرہ بھی لاحق ہے اس لیے میں آپ کی خدمت کے لیے پہرہ دار دیتا ہوں۔ پچاس آدمی دن کو اور پچاس آدمی دات کو آپ کے مکان پر پہرہ دیں گے۔ لیکن قاضی صاحب نے کہا کہ میرے لیے اللہ جل جلالت کی خلافت بس ہے۔ کسی پہرہ کی ضرورت نہیں اگر تم نے کوئی بات خلاف شرع کی یا خلاف مشرع کوئی کام کیا یا کوئی ایسی تحریر کی تو میں تھیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اگر کوئی ایسا موقع آ جاتے تو تم مجھ پر احسان جاذ کر میں نے تمہیں اتنے پہرہ دار میا کئے تھے۔ اس لیے میں کسی پہرہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ گویا لا یخافون الا اللہ کی جیتی جاگتی تصور تھے۔ عام طور پر اولین طبق کے لوگ جب آپ کو دیکھتے تو کہتے ہیں قاضی صاحب شیرہیں شیر۔ دیکھو اولین طبق میں تو سے فیصلہ پیر صاحب کے مرید بنتے ہیں اور آپ کلمہ حق علی الاعلان کئے میں ذرا نہیں سمجھ سکتے۔ اور کسی کی پرواہ نہیں کرتے ان جیسا نظر اور توکل علی اللہ آدمی ہم نے نہیں دیکھا۔

پسلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ جھگڑا پیر صاحب کے حواریوں اور حاشیہ نشیوں

نے شروع کرایا تھا۔ پیر صاحب نے چاہتے تھے کہ ایک جانے پہچانے سبق دوست کے مقابلہ میں آئیں۔ اور اپنی مجلس میں اس معركہ کے دوران بھی کئی دفعہ کہا کہ ہم دونوں ایک جگہ مل بھیں تو مصالحت ہو جائے یہ مجب کچھ فلاں فلاں کی صربانی سے ہوا۔ لہذا ایک دفعہ پیر صاحب نے خان پور میں قاضی محمد صاحب (برادر اصغر صاحب ترجمہ) کے پاس ایک خاص قاصد روانہ کیا اور ان سے استدعا کی کہ ہمارے درمیان آپ مصالحت کر دیں۔ میکن قاضی محمد صاحب نے قاصد سے کہا کہ اب معاملہ بہت دور جا چکا ہے۔ اگر اس وقت یہی صاحب کو صلح کا کاموں تو وہ کہیں گے کہ تم پہلے کہاں تھے؟ اب تم صلح کرانے آتے ہو؟ لہذا میں معدود ہوں۔ پیر صاحب سے میری معدودت کا ذکر کر دیں۔

قاضی صاحب کی خالہ صنیفہ

جن دونوں پیر صاحب کے ساتھ مقابلہ تھا۔ قاضی صاحب کی خالہ صنیفہ (روخترت قاضی عبد الصمد مرحوم قاضی القضاۃ خانپور) بقید حیات تھیں۔ آپ اکثر ان کو لکھا کرتے تھے کہ ایک بڑے پیر کے ساتھ مقابلہ ہے۔ میرے لیے دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آپ کی خالہ مذکورہ عابدہ، زادہ تھیں۔ اور ذکر اللہ میں مشغول رہتی تھیں۔ جب خط جاتا تو کہیں: "یا اللہ! اس پیر کو خوار کر۔ یہ ناجی اس بچے کے پیچے لگا ہوا ہے ران کی نگاہ میں تو آپ بچے ہی تھے۔) ایک مرتبہ آپ خالہ صنیفہ کی ملاقات کے لیے خانپور تشریف لے گئے۔ جب خالہ جان سے ملے تو اخنوں نے کہا: "برخوردار! اب یہ پیر دل کے جھگڑے چھوڑو۔ آپ نے کہا: "ماں نجڑی! (معنی خالہ صنیفہ)

ذر اتحا پڑہ دیو، پیچ بوج بک ہو پیر فی کنڈ لا آیا نے" (خالہ صاحبہ) ذرا مجھے شباش کہیں۔ پنجاب میں ایک اور پیر کو چاروں شانے چت گرا آیا ہوں) آپ کا اشارہ پیر حمایت علی شاہ علی پوری کی طرف تھا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ آپ دعا کرنی ہیں۔ پھر بھی خالہ صاحبہ نے کہا اب بس کرو اور پریشانیاں نہ پڑھاؤ۔ لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو ہی گیا۔

پیر صاحب کی طرف سے ابتدائی نوک جھونک میں قاضی صاحب کو کوہ ہمالیہ کا ایک پہاڑی، بغرض تخفیف کہا گی تھا۔ اور کہا تھا کہ اس "پہاڑی کامل غ شهر را لوپنڈی میں آگر بھجو گیا ہے

اس کے جواب میں موصوف نے نصوص قطعیہ سے پہاڑوں کی فضیلت ثابت کرنے کے بعد اپنے اصل مسکن خانپور اور گولڑہ کا عجیب موازنہ کیا اور خانپور کی فضیلت بمقابلہ گولڑہ باحسن طریق ثابت کی۔ وہ "پہاڑی شیر" ایسا گرجا کہ طاغوتی گروہ کو چھپتی کا دودھ یاد آگیا۔

پیر صاحب ایک عابد زادہ آدمی تھے اور کہا بھی کرتے تھے کہ ہم صوفی مشرب لوگ ہیں، ہمارا مناظرات سے کیا کام؟ یہ سب بلا حاشیہ نشینوں نے مولی اور پھر نجاح بھی نہ سکے۔ لیکن پیر صاحب اس سے بری الذمہ بھی قرانہ میں دیئے جا سکتے۔ کیونکہ قاضی صاحب نے بروقت بذریعہ خط جریٹی شدہ آپ کو اخہما بر برا دت کا موقع دیا تھا۔ جس سے آپ نے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور سکوت اختیا کیا اور یہ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا۔ روہ خط "عشرہ کامل" کے آخر میں سمجھہ مطبوع ہے۔

جب قاضی صاحب کا انتقال ہوا تو ناہے پیر صاحب نے بہت اقوس کیا اور ان کے یہے دعائے مغفرت کی اور حاضرین کو بھی دعائیں شامل کیا۔

خبر دینے والے نے اپنے مقصد بجوش میں یہ خبر لوں سنائی کہ "عدو الاحدہ (خاکش بدین) فوت ہو گیا۔ اس پر پیر صاحب ہر حرم، نے اسے ڈانٹ پلانی اور کماکتم نے بہت بُری بات کی۔ ایسے علمائی برکت سے دین فائم ہے۔ اگر یہ علماء نہ ہوں تو ہم گمراہی کے گڑھے میں جا پڑیں۔"

اللہ تعالیٰ ہر دو کو منفرت نصیب کرے۔ اب باری تعالیٰ کے حضور جا پکھے ہیں فانہم افضلوا الی ما عملوا

قاضی صاحب اور پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری

پیر صاحب گولڑہ کے ساتھ مقابلہ جامی تھا کہ اہل زیرہ کی طرف سے تائیدی دعوت نامہ آیا۔ لہذا آپ کو پھر ایک بار زیرہ جانا پڑا۔ وہاں جب پہنچے تو ایک اور جماد کرنا پڑا۔ کیونکہ اس مرتبہ جب وہاں پہنچے تو پیر جماعت علی شاہ صاحب زیرہ میں وارد ہوئے۔ اور حسب عادت اہمیت کے خلاف نہ رافتانی شروع کی اور پائچ مقامات پر اپنا جلسہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ پہلے جلیس میں قاضی صاحب نے اپنا ایک آدمی بھیجا تاکہ ان کے مفہومات ذکر کر لائے۔ اس نے جا کر کچھ نوٹ لیے۔ بعض مرید پیر صاحب کے اے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس شخص کی تاک میں رہے۔ جب پیر صاحب کی تقریر ختم ہوتی تو باواز بلند اعلان کیا گیا کہ کوئی شخص باہر نسلکنے پاتے۔ کیونکہ اب پیر صاحب سب کو بیعت کرنا ہے۔ وہ شخص سخت پریشان ہووا اور اٹھ کر نسلکنے لگا تو اسے سختی سے روکا گیا اور کہا گیا کہ بٹھیں جاؤ۔ اب باہر نسلکنے کی اجازت نہیں۔ اس نے کہا مجھے زور کا پیشاب آیا ہے کیا مسجد میں ہی پیشاب کروں اور یہ کہہ کر وہ جلدی سے باہر نسلکل گیا۔ اکوازیں اٹھیں کہ یہ کوئی مخالف تھا درست

بھی اے رہا تھا۔ شیخ سے آواز آئی جانے نہ دو اور اُسے جان سے مار دالو۔ پکھ آدمی اس کے پیچھے دوڑنے لیکن وہ بھی دوڑ پڑا۔ آگے آباد بازار آگیا اور بھی کو اس پر چلکر کی جڑأت نہ ہوتی اور وہ بجنبیتہ واپس آگیا۔

اس نے اپنے نوٹ لا کر دتے دیئے۔ ان میں ایک بات پیر صاحب نے صحیح بخاری کا حوالہ دیتے ہوتے بیان کی تھی۔ اس کے متعلق قاضی صاحب نے کہا کہ یہ بات تو گرفتہ میں بھی نہ ہوگی۔ صحیح بخاری میں ایسی غلط باقیں کھاں ہیں۔ قاضی صاحب نے پیر صاحب کو چیلنج مناظرہ کا دے دیا۔ اور لکھا کہ مناظرہ تحریری چاہو یا تقریری۔ فارسی میں کرو یا اردو میں جس زبان میں تمہاری مرضی ہو لیکن بغیر فحصہ کیے یہاں سے تشریف نہ لے جانا ہم آپ کی باتوں کو غلط ثابت کریں گے۔

اب یہ نکر لاتی ہوتی کہ پیر صاحب کو یہ چیلنج کیسے پہنچایا جاتے جس کا علم پسکا کو بھی ہو۔ کیونکہ ان کی مجلس میں دستور یہ تھا کہ جب بھی نے پیر صاحب سے فدا و اونچی تھی بات کی تو ایک طرف سے آذان اٹھتی ”اَللّٰهُ“ یہ اشارہ تھا اس امر کا کہ اس بے ادب پر ٹوٹ ٹپڑو۔ فراؤ اس شخص کی رثواب کی نیت سے خوب گست بناتی جاتی۔ اور وہ بے چارہ پے عزت ہو کر آتا۔

قاضی صاحب نے حاضرین سے دریافت کیا کہ یہاں سرکاری افسریں نی تھائیں اور تحصیلدار وغیرہ کون کون پڑک اور ان میں کوئی مسلمان بھی ہے یا نہیں۔ جو ملا کر باقی سب افسر ہندو ہیں صرف ایک تحصیلدار مسلمان ہے۔ آپ نے پیر جماعت علی شاہ کے نام ایک خط لکھ کر ساتھ لے لیا اور تحصیلدار کے مکان پر پہنچے۔ اطلاع کی گئی۔ تحصیلدار صاحب بیٹھا میں آبیٹھے، لیکن ذرا شان سے آپ نے کہا میرا کوئی مقدمہ آپ کے پاس نہیں۔ میں صرف ایک اسلامی خدمت

آپ کے سپرد کرنے آیا ہوں۔ اگر گوارا کریں تو مہربانی ہو گی اور اس کا اجر کپ کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ پھر تو تحصیلدار صاحب متوجہ ہو گئے۔ اور دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے

آپ نے کہا کہ بیان ایک پیر صاحب دارد ہوئے ہیں۔ انہوں نے عظیم کچھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جو ہمارے خیال میں نادرست ہیں۔ ہم یہ چاہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ان امور تنازع میں بال مشاذ گھنٹکو کر لیں تاکہ حق ناحق میں تیز ہو جائے۔ یہ خط ان کے پاس پہنچانا ہے اور اس کا جواب لانا ہے۔ اگر کسی اور آدمی کو یہجا جائے تو خطرو ہے کہ وہ بیچارہ پڑ جائے گا اور مطلب حل نہ ہو گا۔ کیونکہ دہان ایسے موقع پر "الا اللہ" کا نامہ بلند ہوتا ہے اور قاصد پڑ جاتا ہے۔ آپ تسلی رکھیں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ اور نہ کوئی آپ کے خلاف بے تیزی کا منظاہرہ کرے گا۔ یہ پیر لوگ حکام سے بہت ڈرتے ہیں۔ میں ان کا واقف ہوں۔

پیر صاحب کے اینجنت ان تحصیلدار صاحب کے پاس قبل ازاں جا چکے تھے اور انہیں مرید بننے پر آمادہ کر چکے تھے یہ کہ کہ حسن الفاق سے ایک بزرگ ہستی بیان موجود ہے۔ آپ ان کے حلقو ارادت میں مسلک ہو کر دین و دنیا کی برکتیں حاصل کر لیں۔

تحقیلدار صاحب نے بدیں خیال کر چکو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ بزرگ کیسے میں قاضی صاحب کی اس پیشکش کو تبول کر لیا اور کہا کہ میں یہ دینی کام ضرور کروں گا۔

وہ چار کا نیٹیل بمعہ تھکڑیوں کے ساتھ لے کر پیر صاحب کے پاس پہنچے پیر صاحب انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور پڑتے تپاک سے گلے ملے بدیں

خیال کر دلائل کی بات کا ان پر اثر ہو گیا ہے اور وہ مرید ہونے کے لیے آئے ہیں۔ لیکن تحصیلدار صاحب نے وہ خط جسیب سے نکال کر پیش کیا اور کہا کہ ایک صاحب نے یہ خط آپ کے نام کا دیا ہے۔ اس کا جواب مطلوب ہے پیر صاحب نے خطا کر ڈھا۔ جب قاضی عبد الحاد خان پوری "نام پر نظری تو تیوری پڑھاتی اور وہ خط اپنے پرائیویٹ سیکریٹری ظفر علی کو جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا وے دیا مجلس میں سننا چاہا گیا ماوراء پیر صاحب دم بخود ہو گئے، منہ میں ایک کلمہ بھی نہ نکلا۔

تحصیلدار صاحب نے کہا جناب! اس خط کے جواب کی ضرورت ہے پیر صاحب تو نہ بولے۔ لیکن ظفر علی پیچھے سے بولا کہ جواب ہم بعد میں دے دیں گے۔ تحصیلدار صاحب نے کہا: جناب! جواب کی اس وقت ضرورت ہے۔ اگر جواب نہیں دیتے تو خط والپس کر دیں۔ اس پر ایک منچھے نے ایک طرف سے فعرہ بند کیا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ"! لیکن فوراً ہی دوسری جانب سے انگلیوں سے اشارہ کیا گیا کہ "اَللّٰهُ كَانَ شَهِيدًا لِّمَا جَعَلَ قَبِيلَ استعمال نہیں۔

تحصیلدار صاحب نے کہا کہ جن صاحب نے مجھے خط دے کر بھیجا ہے انھوں نے مجھے خبردار کیا تھا کہ یہاں "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کا فرعہ بھی بند ہوا کرتا ہے۔ ان کی تصدیق ہو گئی۔ میں اسی لیے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کا جواب یہ چار کا شیش ساتھ لایا ہوں۔ اب اتنی بات تو معلوم ہو گئی کہ اس خط کا کاتب بڑا عالم ہے جس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ آپ خط مجھے والپس کر دیں۔ یہ تماشا مرید ان باصفانے اپنی آنھوں سے دیکھا۔ لیکن آہ! خدا ہمایت نہ دے تو کیا ہو سکتا ہے۔ مرید تو زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

ما مرید ان رو بسو کے بھبھے چوپان آئیم چوپان رو بسوئے خانہ خمار دار و پیر ما

بے چارے بندھے ہوئے تھے، کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ غرض ان سے خط
والپس یا گیا۔

واپسی پر تھیلدار صاحب نے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں تو
دلاؤں کے بھانے میں آہی گیا تھا۔ لیکن آپ کی بدولت خدا نے مجھے اس
بیعت سے بچا لیا۔

پیر صاحب اسی رات مُتمم پر سوار ہو کر زیرہ سے چلنے گئے اور باقی
چار مقامات جن کا اعلان کیا تھا اس جگہ سے لوگ پیر صاحب سے مستفید نہ ہو
سکے۔ کیوں کہ پیر صاحب فراری ہو گئے۔

یہ واقعہ دسمبر ۱۹۱۰ء کا ہے جس کے متعلق قاضی صاحب نے ایک اتنا
موسوم "اشتار واحب الظہار" مصدقہ معتبرین اہل زیرہ طبع کر کر شائع کیا اور
اس کے آخر میں وہ خط بھی درج کر دیا جو ملابجواب پیر صاحب نے مجبوراً والپس
کیا تھا۔ پھر دوبارہ سوط اللہ العزیز الحکیم الباری علی متن حافظ
عبدالحکیم اللادریؒ کے آخر میں بھی درج کیا گیا۔ وہ کتاب اگرچہ پیر
عبدالحکیم کے رد میں بھی۔ لیکن عقائد میں عبد الحکیم اور جماعت علی شاہ محدث
تھے اس لیے اس اشتار کا دوبارہ اس کتاب میں ساختہ ہی طبع ہونا بہت
مزود و مناسب تھا۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب کے متعلق ایک اور بات اس موقع پر
درج کرنا ضروری ہے۔ پیر صاحب موصوف کے مرید ریاست کشمیر میں بھی بہت
تھے۔ کیونکہ وہاں قبر پستی اور پیر پستی عام ہے اسی لیے جب حضرت سید
عبداللہ صاحب غزنویؒ افغانستان سے نکل کر پشاور میں وارد ہوئے تھے
تو وہاں سب مخلصین نے یہ صلاح کی کہ پونکھ آپ ایک ہر دعا قدر کے باشندہ

پس اس لیے مناسب ہو گا کہ انہیں کشمیر بھیجا جائے۔ اس زمانہ میں چونکہ ریل نہ تھی۔ اس لیے خچربانوں سے معاملہ طے کیا گیا اور انہیں کچھ رقم پیشی بھی نہیں گئی۔ دوسری صبح کو رو انہی کا پروگرام تھا۔ جب صبح ہوتی تو عبداللہ صاحب نے کشیر جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے آج رات الامام ہوا ہے:

وَلَا تُرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَقَسَمُ الْأَنَارِ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شرک بہت ہے اور سنرکوں کی کثرت ہے اس لیے میں ہرگز کشیر نہیں جاؤں گا۔ مخلصین نے پھر بھی اصرار کی اور کہا کہ کرایہ کی کچھ رقم پیشی بھی نہیں ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن عبداللہ صاحب انکار پر مصروف ہے پیر صاحب مذکور ایک دفعہ جمتوں گئے اور حسب عادتِ مستمرہ انہوں نے اہل حدیث کے خلاف ول کھوں کر مودرا فتنی کی۔ اہل جمتوں نے ان کے محفوظات سے کوئی نوٹ نہیں کرتا۔ اس کے خلاف کوئی ایک ایسا مطلبی آگر بتاتے تو اس جواب کا مطالبہ کیا۔ آپ نے ایک بسیط کتاب لکھ کر انہیں دی اور طبع کرانے کی تاکید کی۔ لیکن افسوس کہ وہ لوگ پوری کتاب کی طباعت پر خرچ آتا تھا اس کے خرچ کرنے سے جی چڑا گئے۔ حالانکہ جب وہ امترسمن اس کتاب کی طباعت کی خاطر گئے تھے اور وہ کتاب مولانا شناۃ اللہ مرحوم امترسمنی کو بتا کر اپنا یہ عنیدیہ ظاہر کیا تھا کہ ہم اس کتاب کا خلاصہ نکال کر طبع کرنا چاہتے ہیں کیونکہ پوری کتاب کی طباعت پر خرچ زیادہ آتا ہے تو انہوں نے کہا تھا کہ پوری کتاب طبع کراؤ۔ آج تک اس گروہ کا ایسا مکمل رد شائع نہیں ہوا۔ اور کہا کہ پیر جماعت علی شاہ کے رہ میں یہ کتاب لا جواب اور حرف آخر ہے۔ اس لیے خلاصہ نکالنے کا خیال ترک کر دو۔ پھر بھی انہوں نے بہت زندگی اور ایک بھوئڈا ساختہ اس کتاب میں سے منتخب کر کے بنام سنان الموحدین

لدفع مطاهن الملحدین ”منجانب انجمن خادم الاسلام جوں لاہور جا کر طبع کرایا۔ جس کے صرف ۲۷ صفحات ہیں۔ لیکن اس میں بھی اس گروہ کے مشورہ مزخرفات و افتراضات کے روکا کافی مسئلہ موجود ہے۔

اس کے بعد ایک مرتبہ بچڑھی لوگ آپ کے پاس پہنچے اور ایک اور کتاب اس گروہ کے روکیں لکھ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ لیکن آپ نے ان کے سابق رویہ کا ذکر کرتے ہوتے ان کی درخواست کو قابلِ اعتقاد نہ سمجھا اور ان پر وہ اعتماد نہ کیا۔ اس لیے ان لوگوں کو ناکام والپس جانا پڑا۔

قاضی صاحب اور پیر عبد الحکیم راولپنڈی والے

یہ عبد الحکیم صاحب بوجو بعد میں ”پیر عبد الحکیم“ بنے پہلے اسی شہر اولپنڈی میں رنگریزی کا کام کیا کرتے تھے۔ یعنی لالاری تھے۔ اور ہاتھوں کی محنت کے اپنا اور اپنے عیال کا پیٹ پالا کرتے تھے۔ اور پابند شریعت تھتھے۔ انہوں نے ترجمہ قرآن شریف قاضی صاحب سے پڑھا نصف قرآن پڑھ چکے تھے کہ کام کو پیری مریدی کا مشغله زیادہ آمدی والا نظر آیا۔ اور آپ نے خیزی خفیہ یہ کام چھوٹے پیمانہ پر شروع بھی کر دیا۔ پہلے تو بُرلا طور پر سبق پڑھنے دن کے وقت آیا کرتے۔ لیکن بعد میں نئے مریدوں سے اس امر کو چھپانے کی خاطر الیں کے کرات کے وقت قاضی صاحب کے مکان پر آ کر سبق پڑھتے اور اپنے نئے مشغلوں کو قاضی صاحب سے پوشیدہ رکھا۔ ترجمہ کی تکمیل کو کہ بعد بُرلا دکان کھول دی اور وہی شرکیہ اور بد عیہ عظامہ و اعمال اختیار کر لیے جن کا پرچار پیر حباعت علی شاہ کرتے تھے۔

اجمن حزب الاخلاف اور ابن سود مرحوم

اجمن ”حزب الاخلاف“ کی طرف سے سلطان عبد الغفریز بن سود حنفی دا

بعض رسائل جوازِ قباب و تجھیص قبور وغیرہ کے بارے میں شائع ہوتے۔ پیر صاحب موصوف نے بھی اس معاملہ میں جوش و خوش سے حصہ لیا۔ اس نے قاضی صاحب کے لیے ان کاروں ضروری ہو گیا اور آپ نے اس جماعت کے، ۳ عدد عقائد و اقوال کا رکھ کر شائع کیا۔ اور اس کا نام: سووط اللہ العزیز الحکیم الباری علی متن حافظ عبد الکریم الاری الملقب بہ "صاعقت الدین علی دوین حزب الشیطان" المعروف کو ملک آسمانی بر جماعت شیطانی" رکھا۔ اس میں ان کے عقائد و شرکیہ و بدیعیہ کا مکمل رد کھا اور قرآن مجید، حدیث اور فقہ حنفی سے مٹھوس دلائل پیش کئے۔ باخصوص منکرین بشیرت رسول کے مخالفات کے مدلل اور مکرت جواب عقل اور نقل ہر دو سے پیش کئے۔ اور ثابت کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودات میں سے سوائے بشر کے جو کچھ بھی مانا جائے اس سے کھڑا لازم آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

نبیلُعَلْمٍ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ دَانَهُ خَيْرُخَلْقِ اللَّهِ كَلْهُمْ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید الاولین والآخرين، سید الانبیاء والمرسلین ہیں یکن باوجود اس کے بشر ہیں اور اسی میں آپ کے منصب جلیل کارازِ مضر ہے۔ اس کتاب کے آخریں زیرِ ہدایت علی شاہ کاظمی صاحب سے فرار کا اشتمار من خط مرسلہ بنام پیر جماعت علی شاہ، نیز شیعہ کے چند سوال کے جواب میں دو اشاروں پر ہے شائع کئے گئے تھے بطور ضمیر دوبارہ درج کر دیئے گئے ہیں۔

پیر عبد الکریم کی طرف سے کچھ اشارات بھی شائع ہوئے جن کا جواب قاضی صاحب نے لکھا۔ ادھر سے پھر جواب شائع ہوا۔ اس کا جواب الجواب

بِنَامِ "الصَّرْصَرِ الْعَاتِيَّةِ عَلَى عَبَادِ الْجَبَتِ وَالْطَّاغِيَّةِ" لِقَبْ بِهِ "الْمُرْجِعِ"
الْمَدْبُورِ عَلَى عَابِدِي الْقَبَابِ وَالْقَبُوْرِ " قاضِي صَاحِبِ شَائِعٍ كَرَدْ
دِيَا۔ غَرضُ اس جماعت کو لاجواب کر کے چھوڑا۔

انہیں دلوں جامع مسجد را لوپنڈی والوں کی طرف سے جلسہ عید میلاد النبی
کے انعقاد کے باہر میں ایک اشتئار شائع ہوا۔ جس میں پسلک کو اس کا رفقاء
میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ چونکہ جامع مسجد را لوپنڈی میں ایسے جلسہ
کا انعقاد پہلی مرتبہ ہو رہا تھا۔ اس یے قاضی صاحب نے اس کی شرعی
حیثیت کے اظہار کے لیے مناسب جانا کہ اس اشتئار کا جواب شائع کیا جائے۔
چنانچہ انہوں نے اشتئار موسودہ :

"اشتئار بکواب اشتئار مسلمہ اہل مسجد جامع را لوپنڈی"
شائع کر ہی دیا۔ آپ چونکہ کھری کھری باتیں کرنے کے عادی تھے۔
لگی لپٹی کے قائل نہ تھے اور قائل الحق وَ الْوَحْيَ مُسْرِأً پر عامل۔ اس لیے
راوپنڈی میں نئے طور پر اس رسم کے اجراء کو دین متنین کو ناقص ظاہر کرنے
پر مجموع کیا۔ اور علمیین مسجد جامع اور مولوی محمد نعیم خطیب مسجد مذکور پر سخت انکا
کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اشتئار کو سنبھالہے ہیاں نقل کر دیا جائے تاکہ
ناظرین صبح مسلک کو خود دیکھ لیں۔ اور قاضی صاحب کے اس معاملہ میں حق
بجانب ہونے کی داد دیں۔ وہ وہذا،

"جو اب اشتئار مسلمہ اہل مسجد جامع"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَلَوْنِي

خَاتَمِ النَّبِيِّنَ وَعَلَى آٰلِهٖ وَاصْحَابِهِ اجمعِيَّانَ

اما بعد

پس بحمدہ ملت ارکین سجد جامع را دلپڑی عمواً و بحمدہ ملت مولوی محمد نجم صاحب خطیب جامع مسجد خصوصاً، موذبانہ عرض ہے کہ یہ عید میلاد النبیؐ فتنہ کی یا حدیث کی کون سی تکالب میں ہے یا صحابہ مہاجرین و انصار و اہل حدیث، اہل بقیۃ الرضاؑ و اہل زر وغیرہم میں سے کس سے ماثور ہے یا تابعین و تبع تابعین و ائمہ ارجاع میں سے کس سے منقول ہے۔ ہر بانی فرمाकر بیان فرماؤں۔ اور اگر یہ نہ کریں تو بیان فرمائیں کہ اللہ عز وجل نے دین کو کامل کر دیا ہے یا نہیں کیا تب آپ لوگ اس کی ترمیم و تکمیل کر رہے ہیں یا القول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روہ عبد اللہ بن مسعود بن جن کے اقوال دروایات پر مذہب حنفی کی بناء ہے اور فقریں شدید فرقہ حنفی کی انہیں سے بکھری ہے،) مقابل ان بہ عتیوں کے جو بہت سے کھنکر رکھئے ہوئے ان پر مسجد میں فتحم پڑھ رہے تھے (کہا تھا) دی یا حکم یا امتہ محتد ما اسرع هلاکتکم هلو لور صاحبة نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم متواتر و هذہ شیا بر لحر تبل و آنیتہ لحر قسرو والذی نفسی بیله انکم علی ملة ہی اهدی من ملة محمد او مفتتحی باب الصلاۃ الخ، کہ تمہاری شامت آتی ہے اے امت محمد یہ کیا ہی جلدی تمہاری ہلاکت آن پہنچی روکھو، یہ تمہارے نبیؐ کے کپڑے سلامت موجود ہیں۔ جواب تک پڑانے نہیں ہوئے اور یہ آپ کے برتن بھی موجود ہیں جو راجھی نہیں ٹوٹے، مجھ کو تم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یا تو تم ضرور ایسے دین پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے زیادہ ہمایت والا ہے اور یا ضرور تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو، تا آخر حدیث طویل رشن دار می ۳۵ (المبی حدیث میں) سواس مجلس میلاد میں حاضر ہونے کو جو آپ نے موجبہ اجر

دارین قرار دیا ہے۔ یہ اجر دارین ایسا ہے کہ اس سے صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے خیرالقرون میں و انہم اربعہ داربای نفعی تمام محروم رہے اور آپ لوگوں نے اس اجر کو حاصل کر لیا یا بقول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ گمراہی کا دروازہ کھولنے والے میں۔ سمو لویٰ محمد نعیم صاحب اس کا ضرور جواب دیں کہ پہلے اس مسجد جامع میں کبھی یہ اجر دارین حاصل نہیں فرمایا گیا اور ہم تو اس کو نصاریٰ کی تقدیر سمجھتے ہیں کہ راولپنڈی میں قاضی سراج الدین متوفی نے یہ سنت نصاریٰ کی شروع کی۔ اگر سمو لویٰ محمد نعیم صاحب نے جواب نہ دیا تو اس وعیدہ شدید کے نیچے آنے کا خوف ہے اللہ اکٹھ عن الحق شیطان اخہیں رحمت سے سکوت کرنے والا گونگا شیطان ہے، اور زیادہ تعجب خیرات یہ ہے کہ یہی دن انکھترت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بھی ہے تو چاہیے کہ اس دن خوشی بھی کریں اور غم و الم بھی کریں۔ یہ دونوں خدیں جمع تو نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ اجتماع ضدیں محال ہے۔ تو آدھے آدمی جامع مسجد کی ایک طرف جمع ہو کر ماقم و سوگ کریں جیسے کہ وہ فض عاشورہ کے دن کرتے ہیں اور آدھے خوشی و جشن و عجید منایں جیسے خوارج عاشورہ میں کرتے ہیں۔ اور جامع مسجد مجمع خوارج و روانض بن جاتے گی اور اللہ عزوجل کو عہدہ اکمال و اتمام دین سے معزول کر کے اس عہدہ پر سمو لویٰ محمد نعیم صاحب کو فائم کیا جاتے گا اور ان کے صرپر مغل بذعنی مصلحت و کل ضلاکتہ فی الشادِ کا سرہ باندھا جاتے گا۔ فقط

وماعلينا الا ابلاغ المبين والحمد لله رب العالمين

(ایک بڑا طبع شد) حررہ عبد الاحد خان پوری عفی اللہ عنہ

۱۳ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ بھری مطابق ۹ ستمبر ۱۹۴۳ء (لکھنی ارٹ پریس راولپنڈی)

(نقل مطابق اصل نہیں رفاقتی محمد عبد اللہ خان پوری عفی عنہ)

قاضی صاحب اور مزرا تے قادیان

آپ نے مزرا قادیانی کے رذیں متعدد رسائل لکھے اور کھری کھری باتیں سنائیں۔ مزرا صاحب نے جہاں اپنے اشدمی الغین کا ذکر کیا ہے اس جگہ قاضی صاحب کا نام نمایاں طور پر نہ کوئی ہے۔ ان رسائل کے نام آپ کی فہرست تالیفات میں دیکھیں۔

ایک مرتبہ مولوی نور الدین بھیر وی خلیفہ قادیان را ولپنڈی میں وارد ہوتے چونکہ آپ نے سع اپنے برادر خود قاضی محمد صاحب حکیم صاحب سے طب بجوں جاکر طبی بخی۔ اس وقت تک ابھی مزرا صاحب کا خلور نمایاں طور پر نہ ہوا تھا۔ اور حکیم صاحب سنتی العقیدہ تھے۔ لیکن اس وقت بھی بعض اوقات بقول قاضی محمد صاحب محروم اہل سنت کے مٹھوں عقیدہ کے خلاف کچھ بے شکی باتیں ہاتھ دیا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں بھائی ان سے کہا کرتے تھے کہ ہم ایسی باتیں نہیں سُن سکتے۔ اگر آپ اسی باتیں کریں گے تو ہم آپ سے پڑھنا ترک کر دیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔ حکیم صاحب تحمل سے کام لیتے۔ لہذا اس سابقہ تعلق کی وجہ سے قاضی صاحب ان کی ملاقات کے لیے چلے گئے۔ دور ان گفتگو حکیم صاحب نے کہا، بھائی صاحب! آپ نے مزرا صاحب کی تکفیر کیوں کی؟ کیا آپ کو انسان سے آواز آتی یا زمین سے کہ مزرا صاحب کافر ہیں؟ ”قاضی صاحب“ دونوں طرف سے ”حکیم صاحب“ وہ کیسے؟ ”قاضی صاحب؟“ انسان کی طرف سے آوازیں ہمیں آیا کرتیں۔ لیکن جواحکام بذریعہ و جمی انسان کی طرف سے آتے ہیں۔ ان کی رو سے مزرا صاحب کافر ہیں یہ تو ہوتی آسمانی آواز۔ باقی رہی زمین تو آپ دیکھہ ہی رہتے ہیں کہ کل دنیا انہیں کافر کہتی ہے۔ یہ ہوتی زمین کی آواز۔

حکیم صاحب نے سکوت ہی اختیار کیا اور اپنی جماعت والوں کو تائید اہم ایت کی کہ اس شخص کو بھی زچھیرنا ورنہ وہ تھیں مرتے دم تک نہ پھوڑے گا۔ میں اس کا طالب علمی کے زمانہ سے واقف ہوں۔ یہ میری نصیحت یاد رکھنا اور جس سے چاہو مقابله کرو لیکن اسے رقاضی صاحب کو م مقابل نہ بنانا۔

پچھے عرصہ تک تو ان کی جماعت کو نصیحت یاد رہی۔ لیکن ایک متینہ نہیں جوش آہی گیا اور ایک اشتہار راوی پندتی میں شائع کر ہی دیا۔ لوگ چونکہ جانتے تھے کہ ان کی خبر یعنی والا قاضی صاحب سے بہتر اور کوئی شخص نہیں۔ اس لیے وہ اشتہار کے کر قاضی صاحب کے پاس آتے اور کہا کہ جناب امیرت مراٹیہ نے یہ اشتہار شائع کیا ہے۔ براو مردانی اس کا جواب تحریر فرمائیں۔ قاضی حماۃ کیسے توں سے نکل آتے ہے؟ (یعنی اتنا عرصہ جس نصیحت مولوی نور دین خاکوش تھے۔ اب انہیں یہ جرأت کس نے دلاتی ہے؟ آپ نے اس اشتہار کا جواب لکھا اس کے نام سے گزشتہ گفتگو کی تائید ہوتی ہے۔ اس جواب کا عنوان یہ تھا ”اذ آخرَ جَعْلَتِ الْعَقْرَبَ فَالنَّعْنَاعُ حَاضِرًا“ (یعنی جب بھی جب گھوپا بہنی ملے باہر نکلے تو جو تا حاضر ہے) پندتی وائے مرزا تی کیا تھے۔ قادیان وائے بھی اس کا جواب دے سکے یہ تھا مرزا نیوں کے اشتہار کا ترکی ہے ترکی جواب۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے جب پیر مرشد اور صاحب گولڑوی کامز راصہ کے مقابلہ کی خاطر لا ہو رجانا ہوا تھا تو آپ پیر صاحب کے درست راست اور مشیر خاص تھے (مخالفت تو بعد میں ہوتی)

اس فرقہ کے مقابلہ میں آپ کا سب سے بڑا کار نمایاں مقام زیرہ آپ کا ان سے مباہلہ کرنا تھا جس کے نتیجے میں آپ کا مقابل مولوی محمد علی (یا علی محمد) مرزا تی بمعہ اپنے ساتھیوں کے آپ کے سامنے ہلاک ہوا اور آپ

کو فتح میں حاصل ہوتی۔ فالحمد لله الذى نصر عبدہ وانجز وعدہ کا
آخری عدو لا!

قاضی صاحب اور مولوی شناۃ اللہ مرحوم امیری

مولوی شناۃ اللہ صاحب نے ایک عربی تفسیر موسومہ "تفسیر القرآن بکلام
الرحمٰن" لکھی تھی۔ چونکہ عام طور پر آپ کا مقابلہ عیسائیوں، آرلیوں، دھرلوں سے
رہتا تھا۔ اس لیے اس تفسیر میں کچھ ایسا رویہ اختیار کیا گیا تھا کہ بعض باتیں عقیدہ
اہل سنت و اجتہاد اور سلف امت کے خلاف بھی تحریر کی گئیں۔ بزرگان غزنویہ
نے نوستا اس میں سے چالیس غلطیاں نکالیں جو رسالہ "ابیین" میں شائع ہوئیں۔
مولوی شناۃ اللہ صاحب نے اس کا جواب اپنے رسالہ "الکلام المبین" میں
دیا۔ چونکہ قاضی صاحب بزرگان غزنویہ کے ہنواستھے۔ آپ نے بھی اس معاملہ
میں دل کھول کر حصہ لیا۔ اور مولوی شناۃ اللہ صاحب کے رسالہ کا جواب الجواب
بنام "التفصیل المتبین علی الرکاہ المبین" لکھ کر شائع کیا اور مولوی شناۃ اللہ
صاحب کو دعوت مناظرہ بھی دی۔ اس معاملے نے طول کھینچا۔ ایک فتح مدارس
میں فریضیں میں صلح بھی ہوتی۔ لیکن شر ا نقطہ کی پابندی کماحتہ نہ ہوتی۔ قاضی صاحب
نے مولوی شناۃ اللہ صاحب کو وعدہ شکنی کی طرف توجہ والاتی لیکن بے سود ہوں گے
شناۃ اللہ صاحب نے بھی کچھ رویہ بخت اختیار کیا۔ قاضی صاحب نے مولوی صاحب
لہ اس رسالہ کا دوسرا نام ہے علیہا نسبتہ عشر، الکلام المبین رس ۳۹ ہی
مشکلین اسٹاٹھ کی طرح قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نعمتی تسلیم کیا ہے۔ اس پر
قاضی صاحب نے ۱۹ رسالہ وارد کئے ہیں جن کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی عبارات
سے مزین فرمایا۔ (مندرج)

کے خلاف ایک فتحیم کتاب لکھ دا لی جس کے ناموں میں سے دونام یہ ہیں۔
کتاب التوحید والسنۃ فی رِدَالْهَادِ وَالْبَدْعَۃِ

الموسوم بہ

تنقید اهل السنۃ والحدیث من الموارد الردیۃ والخلط الحبیث
ان کتابوں کے علاوہ کچھ اشتہارات بھی اس پارہ میں شائع ہوئے۔
اللہ تعالیٰ ہر دو مرحومین پر حرم کرے اور اپنے جوارِ محنت میں جگہ دے۔ آمین

[استدرائک]

مناسب تھا کہ اس زمانے کا جو تفسیر القرآن بکلامِ الرحمن سے
پیدا ہوا تھا، اس کا ایک ہمدرکتہ الاراء حصہ جو «فیصل آرہ» کے عنوان سے تھا
وہ بھی اس بجھک ذکر کر دیا جاتا یعنی «تفسیر القرآن بکلامِ الرحمن» طبع ہونے پر
آخر بعین فی ان شمارۃ اللہ لیس علی مذهب المحدثین بل هو من المحدثین
فی الدین الجهمیۃ والمعتزیۃ والقدریۃ المحرفین کے عنوان
سے ایک فتویٰ علماء نے غزنویہ نے شائع کیا (۱۳۲۲ھ) جس پر
تفقیہ اس کے قریب جیسا کہ علماء اہل حدیث کے تخطیبیں تھے جن میں حضرت
میاں صاحب مولانا سید محمد نذیر جیسین محدثؒ کے تلامذہ کی اکثریت شامل تھی۔ اس
غزوی کے جواب میں نوجوان مصنف تفسیر القرآن نے جواب آن غزل کے
طور پر ایک شوخیا نہ انداز کی کتاب طبع کر دی۔ اس زمانے میں مولانا شمارۃ اللہ
مرحوم غیر مسلموں سے کامیاب مناظرات کے باعث تک (متوجه ہندوستان)
میں کافی شہرت پا پکے تھے۔ بنابریں اربعینی اور اسلامیہ المبینی سے
جماعت اہل حدیث (متوجه ہندوستان) کے اندر دو مطرے بن گئے۔

جید اور پرانے علماء فوتی کے ساتھ تھے اور دوسرے درجے کے علماء اور عوام "الکلام المبین" سے متاثر تھے۔ بنابریں ایک بہت بڑے اجلاسِ ر مقام آرہ پھر میں علمائے الحدیث جمع ہوتے ہیں میں اکثریت مولانا شاہ اللہ مرحوم سے متاثر ہیں کی تھی اور یخواہش تو سب کی تھی کہ یہ جماعتی زیارت ختم ہو چکا پہنچتے ہیں جید بزرگ علماء اہل حدیث کو ثالث مان لیا گیا کہ ارجمند اور اسکلام المبین کے باعے میں جو وہ فیصلہ دے دیں اس کو تسلیم کر کے زمانِ ختم کر دی جائے چنانچہ مجلہ "ضیاء السنۃ" کلکتہ مجریہ رجب اور شعبان ۱۳۴۷ھ کے دو شماروں میں "فیصلہ آرہ" اور "تفییج المحاکمہ" بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا۔ نیز الگاسے بھی حضرت مولانا شاہ اللہ مرحوم نے "فیصلہ آرہ" کے عنوان سے رسالہ کی صورت میں طبع کر دیا تھا اور حاشیہ پر موقع بہ موقع اپنا دفاع بھی کرنے لگتے تھے۔ والقصة بطولہا بہ کیفیت "ضیاء اللہ" میں شائع شدہ ضمیمہ استدرائیک کے طور پر آئندہ صفحات کی زینت ہے۔ ربِ اللہ التوفیق ہم سب مرحومین کے حق میں فعال کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ تلاعک امّت قد خلت نہاما کسبت ولا حکم ما کسبتم ولا تستلوں عما کانوا یعلمون

فیصلہ آرہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خَمِلَكَ وَنَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكِّلُ عَلَيْكَ وَنَعُوذُ
بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ رِبِّ النَّفَسَاتِ وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مِنْ يَهْدَهُ اللَّهُ فَلَا مُضْلِلٌ
لَّهُ وَمَنْ يَضْلِلُ إِلَّا هَادِي لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ - لَا هُوَ كُلُّ قُوَّةٍ
إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ - أَمَّا بَعْدُ :

جناب مولوی ابوالوفا محمد شنا، الشاد امرتسری مولوی فاضل نے ایک تفسیر عربی زبان میں تصنیف کی اور اس کا نام پس بسب خاص التزام کے تفسیر لفظان بکھلاہ المرحم رکھا۔ غزنوی خاندان والاشان کے حضرات علماء کے کرام مدار اللہ ظلالہم نے اس تفسیر میں چالیس غلطیاں پکڑیں اور ان کی بنابریہ فتویٰ دیا کہ مولوی شنا، اللہ صاحب اہل السنۃ و اصحاب امت کے اعدل الفرقہ فرقہ اہل حدیث سے خارج ہیں۔ اور ان کا مجموع اکا مریعین فی ان شاد اللہ لیس علی مذہب تحدثیین کے نام سے شائع ہوا۔ جناب مولوی ابوالوفا محمد شنا، اللہ امرتسری صاحب مولوی فاضل نے ان اعتراضات سے بری اور سبکدوش ہونے کی غرض سے ان کے جوابات لکھے اور ان کے مجموع کو الکلام المبین سے نامزد کر کے شائع کیا۔ غزنوی خاندان کے علمائے کرام نے اپنے نزدیک ان جوابات کو ناکافی سمجھ کر اپنے اعتراضات کو واپس نہ لیا۔ جلسہ مذکورہ علمیہ آرہ واقعہ ۱۳۲۴ھ رجب ایام علماء تے الحدیث کا ایک بڑا مجمع تھا، میں یہ راستے قرار پائی کہ اس قضیہ میں محکمہ کیا جاوے یہ بشورہ اکابر علماء ہمین حضرات اس کام کے لیے پختے گئے۔ جناب مولانا حافظ محمد عبد اللہ صاحب غازی پوری، جناب مولانا ابو طیب محمد شمس الحق صاحب محدث ڈیانوی، جناب حضرت مولانا مولوی شاہ محمد عین احتجت صاحب چلوار وی۔ چنانچہ معاہدہ کے طور پر ایک مضمون لکھا گیا اور مولوی محمد شنا، اللہ صاحب نے اس پر تو سخن نکلے۔

چونکہ جابین کی منظوری کو اس میں دخل ہے۔ اس لیے اس معاهدہ کی منظوری کی تحریک دوسرے فرقے سے بھی کی گئی اور اس طرف کے اعیان ر مولوی محمد عبد الجبار صاحب امرتسری، مولوی ابوسعید محمد حسین ٹیانوی، مولوی محمد اللہ صاحب امرتسری (کو لکھا گیا۔ یعنی حضرات میں سے صرف مولوی احمد اللہ صاحب

نے اپنی منظوری صاف صاف لکھی اور اس فاد کے دوڑ ہونے کی مزید تمنا ظاہر کی اور تحریک فرماتی۔ مگر دو حضرات نے منظور نہیں کیا۔ ہر چند ایک جانب کے لوگوں کی ناظوری موجب اس کی تھی کہ محاکمہ نہ کیا جاتے۔ چنانچہ حضرات محاکمین کو تامل ہوا اور یہی وجہ تاریخی ہوتی۔ مگر مولوی شناز اللہ صاحب کا اصرار اور مولوی احمد اللہ کی مزید تحریک اور گوشش نے آخر فیصلہ لکھنے پر آمادہ کیا۔ مولوی احمد اللہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی محمد عبد الجبار صاحب کہتے ہیں کہ فیصلہ ہو یا تو منظور کر لیں گے۔ ہر چند جانبین کے جانب وار اس محاکمہ سے بہرہ مند نہ ہوں گے اور بلکہ حکموں سے ان کو خلش ہو جاتے گی۔ مگر جو لوگ جانب داری سے پاک ہیں ان کو فائدہ ہو گا اور فتنہ دور نہ ہو گا تو کم ضرور ہو جاتے گا۔ علاوہ عام لوگوں کا تفسیر تنازعہ فیہ کے متعلق جو خیال ہے اُس پر اس کا اثر پڑے گا۔

رائع محمد عبد العزیز، مہتمم درس احمدیہ آرہ۔

المحاکمة الاولی

فَرَاذَ الْحَكْمَتَ فَأَخْنَمْ بِيَتْهُمْ بِالْقُسْطِ رَبُّ الْلَّهِ
يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ پہلی بحث تفسیر کریمہ وظائفنا
عَلَيْكُمُ الْعُمَاهَ الایہ ہے۔ حکم کو اس موقع میں دو امور منظر رکھنے ہیں اور دو مقدروں
پر بحث کرنی ہے نمبر ا) مقدمہ اولی، آئیت مذکورہ کی تفسیر صحیح ہے یا نہیں، نمبر ب)۔
ایسی تفسیر اس کو موجب ہے یا نہیں کہ مفسر کو اہل سنت اہل حدیث سے خارج کہا
جاتے۔ ظائفنا کے معنی "سابیان: انا" متفق علیہ ہے۔ مولوی شناز اللہ عاصی آئیت
کا ترجمہ ہی "ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا" لکھتے ہیں۔ ویکھو انکلام لمبین صفحہ ۲۰
سطر ۱۴۔ مگر مولوی صاحب تفسیر اس آئیت کی یوں فرماتے ہیں زتم پر مناسب
موقوں پر خوب بارشیں کیں) ترجمہ اور تفسیر میں جو بعد ہے ظاہر ہے۔ مولوی صاحب
ایسی تفسیر اختیار کرنے کی ضرورت یہ بتاتے ہیں کہ مقام احسان جتنا کا ہے

اور جا لیں برس تک برابر سایہ رہنا اور آفتاب کا نظر نہ آنا احسان نہیں بلکہ عقاب
 ہے کما ہو محصلہ کلامہ۔ ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ مفسر نے شاید اس
 کو خیال نہیں کیا کہ بعدیہ یہی اشکال پارش کے معنی میں بھی موجود ہے۔ کیوں کہ
 چالیس برس تک برابر یا فی برسنا اشد عذاب ہے۔ اسی لیے آپ مناسب
 موقعوں پر کی قید رکاوی۔ بس یہی قید وہاں بھی لگائیتے۔ آپ کا اشکال رجسٹر
 بنانے کے معنی پڑتے ہیں، اٹھ جاتے گا۔ اور حب و جہ دُور ہو گی تو ایسی تفسیر (عجر جبر)
 سے بالکل بعید ہے۔ کیوں مختار ہو گی۔ آپ خود لکھتے ہیں "اگر بادلوں کا سایہ
 صرف ٹھنڈک کے لیے ہو تو یہ سایہ جنون کے سایہ سے مضرت میں کم نہ ہوتا۔" اس
 فقرے کے معنی ہیں ایک یہ کاظمیہ کی غایت ٹھنڈک کو آپ نے تسلیم کیا۔ مگر
 آپ کی تفسیر سے یہ مفہوم نہیں ہوتا جس سے آپ کی تفسیر کا نقشان ہوا۔ دوسرा
 معنی آپ کے فرقے کا یہ ہوا کہ اگر کاظمیہ کی غایت ٹھنڈک کے سوا اور کچھ نہ ہو
 تو موجب مضرت ہے۔ یہ مضمون ایسا غلط ہے کہ اس کی غلطی ہر زندگی ہوش بیجھ
 سکتا ہے۔ اس مضمون پر آپ کی دلیل چونکہ آفتاب کی حرارت نے جو کہ انسان کی
 صحت پاڑ پہنچا ہے اُس کے روکنے سے اُغ بالکل بے محل اور بے جذر ہے۔
 کیوں مجھ حاصل یہ ہوا کہ کاظمیہ کی غایت ٹھنڈک کے سوا دوسرا نہ ہونے کو لازم ہے
 کہ آفتاب کی حرارت نہ پہنچے لا حول ولا قوۃ الا باللہ یہ کیا غلط مضمون ہے
 علاوہ کیا کاظمیہ کی غایت پارش ہونے سے لازم آتا ہے کہ آفتاب کی حرارت
 نہ پہنچے۔ بات یہ ہے کہ جب انسان کسی غلط مضمون کی تصحیح کرنے لگتا ہے
 تو اس سے بیش از بیش غلیباں صادر ہوتی ہیں۔ اللہ پاک نے اس مقام میں
 بنی اسرائیل پر وہ احسان جلاستے ہیں جو خالص انہیں پر ہوتے ہیں۔ پہنچ چرفا یا
 یا بنی اسرائیل اذکرو نعمتی الٰی انعمت علیکم و انی فضلتم علی العظیمین ۹

یہاں وہ احسانات مذکور ہیں جن میں بنی اسرائیل کو خصوصیت تھی۔ یہ قرینہ صریک اس پر دلالت کرتا ہے کہ تظییل غلام ایک خاص احسان تھا بنی اسرائیل پر، اور وہ خصوصیت تفسیر شناختی کے صحیح مانتے ہیں مخصوصاً ہے ظَلَّتْ اخْدُوبِیَّا ن غایت ہے بادلوں کے بھیجنے کا جس کا آپ نے اقرار کیا، کیونکہ سایہ بانا اور طبیعت کی پہنچانا یہاں ایک ہی بات ہے۔ پھر ایسی تفسیر کرنی جس سے یہ غایت مفہوم نہ ہوا اس بیان غایت کا الفاظ ہے وَهُوَكَمَا تَرَى۔ علاوہ موقع مناسبہ بازش اور موقع مناسبہ تظییل میں عموم و خصوص میں وجہ ہے ایک درستی کو لازم نہیں ہے تظییل کے معنی سایہ بانا اور اس کا غایت ہونا آپ مانتے ہیں۔ مگر اس غایت کی ایک غایت اپنے ذہن سے بلا ضرورت تراشتے ہیں جس کی کوتی وجہ صحیح آپ نہیں بتاسکتے۔ ایسی حالت میں اگر اس کو کوئی تفسیر پالاتے کہ تو یہ محل سخن ہے حاصل اس تفسیر کا یہ ہوا کہ بادلوں کو سایہ بانا پانی برسانے کے لیے ہوا۔ صاحب ذوق سلیم سمجھ سکتا ہے کہ پانی برسانے کی غرض سے سایہ بانا بے معنی فقرہ ہے۔ علاوہ جب بنی اسرائیل کے لیے مناسب موقعوں پر خوب بازیں ہوئیں۔ تو خضر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے لیے پانی مانگنے کی کیا ضرورت ہوتی اور پانی کا سامان پھر اس میں نکٹھی مارنا یکیوں ہوا۔

مولوی شمار اللہ صاحب نے اپنی تفسیر پر ایک شہادت پیش کی کہ اس کا درس اجملہ و انزلنا علیکم المن ہے من کی بابت بخاری میں موجود ہے۔ الحکمة من المن اس حدیث کو اگر تاویل کی رو سے محفوظ رکھا جاتے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کامن بنا تات کی قسم تھا جو عموماً بازش کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس استشهاد کی بناء اس پر کوئی گھنی ہے کہ حدیث الحکمة من المن کی تاویل رکھی جاتے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ تاویل رکھنے کے معنی نہیں

معلوم ہوئے راگریہ مراد ہے کہ کبھی کوئی تسلیم کی جاتے تو مئن ایک لفظ عربی ہے جس کا مدلول لغوی معلوم ہے اور وہ مدلول کبھی نہیں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ بنی اسرائیل والامن کبھی ہے نہ مدلول لفظ من کا تو تاویل بہر حال ہوتی۔ حدیث میں ہونخواہ آیت میں فتاویٰ میں فتاویٰ میں اسراeel ہے بنابر استشهاد مذکور آپ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل والامن نباتات کی قسم تھا۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ بنی اسرائیل والامن کبھی تھا یا نہیں اگر آپ فرمائیں کہ وہ میں بھی کبھی تھا تو اس کے مقابلہ میں قشار گھیوں وغیرہ کو ادنی کہنا اور کبھی خیر صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا موقع جس ہے کہ ذہن مقاطب میں اس کی خیانت اور گھیوں وغیرہ کا ادنی ہونا واشکاف اور تین ہو حالانکہ اس کی خیانت من حیث الطعام آج تک مفہوم نہیں ہوتی اگر وہ میں کبھی نہ تھا تب آپ کے استشهاد کا حاصل یہ ہے کہ میں بنی اسرائیل اور کبھی میں مانعت ہے اور وہ مانعت بنا تی ہونا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ مانعت بنا تی ہونا سلم نہیں بلکہ شفا ہو سکتا ہے جس پر حدیث کا دوسرا جملہ مارہاشفالعین دلالت کرتا ہے اور آپ کی مانعت کو بنی اسرائیل کا اس کے برعے بنا تی چڑیں طلب کرنا، (یعنی جو ناما ماتبدت الارض) آپی ہے البته حدیث سے اس قد مضموم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل والامن علاوہ طعام ہونے کے ذوش فاچیر ہوتی۔

مقدمہ مانیہ: ایسی تفسیر موجب اس کو ہے یا نہیں کہ مفسر کو اہل منت اہل حدیث سے خارج کیا جاتے۔ اس مقدمہ کی نسبت ہم اؤلے ان فیصلوں پر بحث کرتے ہیں جو بعض صاحب فضل و کمال اپنی تحریر مطبوع میں کر چکے ہیں۔

مولانا ابو سید محمد مین صاحب بیالوی مفسر کو خارج از اہل حدیث فرماتے ہیں اور بڑے زور شور کے ساتھ اس کے اشارةات دیتے ہیں اور پرزو درائل سے اس کو ثابت کر دکھانے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ ایک تحریر بنام المطیعیم فائزی

اعلان جنگ) ان کی شائع ہو چکی ہے۔ ہم اس موقعہ میں انہیں کی تقریر سے اولاد
بحث کرتے ہیں۔ مولانا محمد حب اپنے رسالہ نصیحت نامہ کے صفحہ ۱۵ ایں تحریر
فرماتے ہیں۔ مشرطِ انصاف یہ ہے کہ جس مہبے وہ اس کو خارج کریں۔ ان کی
واقعی اور مسلم اصول کی عدم تسلیم کی شہادت سے خارج کریں اور جس مہب کی طرف
مُسوب کریں ان کے مسلم اصول کی پیروی کی شہادت سے مُسوب کریں۔ یہ
النصاف مولانا کا نہایت قابل قدر ہے۔ مگر انکو س یہ ہے کہ انصاف مولوی
شنا، اللہ کے ساتھ نہ برتائیں۔ اور الحدیث سے ان کو خارج کیا گیا۔ اور اصول مسلم
ال حدیث کے عدم تسلیم کی شہادت نہیں پیش کی گئی اور ان کو نیچری یا معتبری
وغیرہ کہا گیا اور ان کے مسلم اصول کی پیروی کی شہادت نہیں پیش کی گئی۔ اس
کو خلافِ انصاف اور دوسرے لفظوں میں خالی کیوں نہیں کہیں گے۔ مولانا
ابوسید صاحب اپنے رسالہ نصیحت نامہ کے صفحہ ۱۵ ایں فرماتے ہیں۔ یہ اصول
مسلمہ ہے کہ لا اثر مل مذہب لیں بہذہب مگر جب اس سے التزام تک پڑ
پہنچ جاتے۔ "اگرچہ فقرہ ثانیہ کی بیان ضرورت نہ کھنچ کیوں کہ التزام کی صوت
میں بناتے حکم التزام ہو گا نہ وہ لزوم۔ با ایں ہمہ دیکھنا یہ ہے کہ مولوی شنا، اللہ
صاحب کو نیچری وغیرہ قرار دیئے میں کہاں تک اس قاعدہ کی پابندی کی گئی۔
بیان پر تین امور ملاحظہ ہونے اور لکھنے جانے تھے۔ نمبرا۔ مولوی شنا، اللہ صاحب
کا مذہب، نمبر ۲۔ اس مذہب کا لازم، نمبر ۳۔ اس لازم کا التزام۔ مگر انکو س ہے
کہ تینوں امور میں سے کسی کا خیال نہیں کیا گیا۔ کہیں کوئی صاحب ان امور کی تفصیل
نہیں فرماتے ہیں۔ اگر آیت کا معنی غلط بیان کرنا ہی مذہب قرار دیا جاتے تو دو
امر بالکل رہ گئے جن کو کسی صاحب نے بیان نہیں کیا۔ پھر کیوں اس کو خلافِ انصاف
اوژ ظلم نہ کہا جاتے گا۔ جیسا کہ مولانا ابو سید محمد سعید بن ٹالوی صاحب کا ارشاد ہے

اس میں شہر نہیں ہے کہ کسی کو خارج از اہل حدیث بنانے میں مذہب الحدیث کی تعریف کی ضرورت ہے۔ ایک تعریف مولوی شناش اللہ صاحب کی تقریر بوجو الكلام المبین کے آخریں ہے) سے مستفاد ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اہل حدیث دہ ہے جو اہل حدیث کی مسلمہ کتابوں سے بطریق اہل سنت استدلال کرتا ہو۔“
 ہر چند قاعدہ کی رو سے ظاہر ایہ تعریف صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں دو در لازم آتا ہے۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مراد علمائے محدثین کی کتابیں ہیں۔ صاحب اشاعت اللہ اس تعریف پر اعتراض کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ ”اہل حدیث اور اہل سنت ہونے کا مناطقہ حرف کتب اہل حدیث سے استدلال نہیں ہے۔ یہ استدلال تو خفیہ اور شیعہ وغیرہ بھی کرتے ہیں۔“ یہ اعتراض ہمارے خیال میں باسکل بے جا ہے۔ یہ کون نہیں سمجھے گا کہ استدلال سے مراد قول اس استدلال ہے نہ رد۔“ اور شیعہ وغیرہ کا استدلال قول نہیں ہوتا۔ علاوہ مولوی شناش اللہ نے اپنی تعریف میں احتراض کرنا کیا ذا بخصلین ہے؟ دوسرا اعتراض صاحب اشاعت اللہ کا تعریف مٹائی پر رجوان کے نصیحت نامہ کے صفحہ ۱۵ میں بذریعہ مذکور ہے) یہ ہے کہ۔“ مذہب الحدیث مدون نہیں ہے اور اس کے فروع و اصول کی کوئی کتاب بجز ایک چھوٹے سے رسالہ عاصمہ بری پہیئے“ اور اس کی شرح کے میری نظرے نہیں گزری؟ مختصاً۔ ہم چیران ہیں کہ مذہب الحدیث رجس کی ہر طبقہ کے طبقے پرے علمائے حقائی خدمت کرتے رہے اور ان کے متعلق بڑی بڑی بسط کتابیں تصنیف کیں کہ کسی مذہب کی کتابیں اتنی اور ایسی ایسی نہیں ہیں۔ وہ کیوں ایسا ہے بنیاد اور غیر مخدوم اور بے اعتبار مذہب بتایا گیا ہے۔ حضرت مالائی حضرت اور افسوس صد افسوس ہے۔ کیا اصول حدیث کی کتابیں متعدد

نہیں ہیں اور حدیث کے اصول امہدیت کے اصول نہیں ہیں ہے نہیں معلوم کہ اصول و فروع سے کیا صراحت ہے؟ کیا مثلًا صحیح بخاری کے تراجم ابواب عقائد و اعمال کے مسائل نہیں ہے۔ دعویٰ اہل ذائقہ اس۔ کیا نیل الا و طار و غرہ شروع احادیث کی مستعد تکاہیں نہیں ہیں اور ان میں مذهب امہدیت کے مسائل مدون نہیں ہیں۔ کیا زاد المعاوی پیشِ نظر نہیں ہے۔ سب کو جانے دیجئے۔ سفر السعادت، نورالسنۃ، بلاغ العین، فقہ الحدیث ایسے چھوٹے چھوٹے رسائلے بچوں کے ہاتھوں میں منتداول ہیں۔ ہم کو یہاں پر وہ مثل جو مولانا ابوالیجید نے اپنے نصیحت نامہ میں لکھی ہے یاد آتی ہے۔ چندیں سال خدا تعالیٰ کردار و ہنوز گاؤخڑ رانہ شناختی۔ و درسی تعریف صاحب اشاعت الشہزادہ اپنے رسالہ نصیحت نامہ کے صفحہ ۱۵۹ میں فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کا مذهب حدیث صحیح ہے۔ بیشک یہ تعریف بہت صحیح ہے۔ مگر یہ دور ہے کہ حدیث کی حجت اور اس کا علم امہدیت کی مسلمہ تکاپوں ہی پر موقوف ہے غرض دونوں تعریفوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ **آدم بربر مطلب**، مولوی شمارالث صاحب امہدیت یہ یا نیچری وغیرہ ہیں۔ مولانا ابوسعید صاحب اپنے رسائلے کے صفحہ ۱۵۹ میں صاف فرماتے ہیں کہ "صرف مطابقت کسی مذهب کی کافی نہیں جب تک وہ قول اُن کے اصول پر بنی نہ ہو" اور ظاہر ہے کہ اس آیت کی تفسیر کا نیچری وغیرہ کے کسی اصول پر بنی ہونا نہیں ثابت کیا گیا مغض ادعا کرنے سے کہ یہ تفسیر انکار موجہ پہنچی ہے کیونکہ مقبول ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ مفسر صاف صاف مجذہ کا اقرار کرتا ہے۔ اور اس تفسیر و جس پر اعتراض ہے میں اس پر شہادتیں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوسعید صاحب نے اس الزام رانکا مجذہ وغیرہ سے ان کے بڑی ہونے کا اقرار کیا ہے۔

الحاکمة الشانیة | دوسری حاکمہ فبدل اگذین ظلموا قولا

ہے اس آیت میں تبدیل قول اور رجز کی تعین زیر بحث ہے کہ بنی اسرائیل کی تبدیلی کیا تھی اور رجز ان پر کون سا اُڑا تھا۔ مولوی شناہ اللہ صاحب کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی تبدیلی بیت المقدس میں داخل ہونے سے انکار کرنا اور ان انند خلہا کنہا تھا اور ان پر رجز چالیس برس تک بیت المقدس سے ان کو محروم رکھنا تھا۔ اور یوں تفسیر کرنے کا سبب تفسیر بالقرآن کا التزام بیان کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کوئی سبب کافی ہے یا نہیں۔ ہم جس اس تفسیر کے متعلق بحث کرتے ہیں۔ آیت کا ترجمہ صاف اور صریح یہ ہے کہ ظالموں نے جو بات ان کو کہی تھی تھی اس کو بدلتا۔ کسی بات کو بدلتا دینا اور کسی حکم کی سمجھا آوری سے انکار دونوں کے مفہوم میں جتنا بُعد ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کا ان انند خلہا کنہا سمجھا آوری حکم سے انکار تھا نہ کسی بات کا بدلتا۔ مولوی شناہ اللہ صاحب اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو ایک بات کہی تھی اور انہوں نے اس کو بدلتا۔ اب بات کیا رہی صرف یہی کہ مراد آیت وہی تبدیلی ہے یا وہ انکار جو ان انند خلہا کا مضمون ہے۔ اور ظاہر ہے کہ لفظ تبدیل (رَجَبَدِلَ) یہی ہے، کی مراد تبدیل کو قرار دینا حقیقی پسندی کے خلاف ہے جس کو تفسیر بالقرآن کا التزام جائز نہیں کر سکتا۔ مولوی شناہ اللہ صاحب اس کو ملتے ہیں کہ دو وفعہ اور دو وقت کا حال ہے۔ نمبرا۔ میں بنی اسرائیل کا داخل بیت المقدس انکار رجو حضر موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا تھا۔) نمبر ۲۔ تبدیل لفظ حضرت رجو حضرت یوشعؑ کے وقت ہوا تھا۔ مگر فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف انکار کا واقعہ مذکور ہے اور دوسرے واقعہ کی نسبت کہتے ہیں کہ حدیث میں مذکور ہے قرآن میں نہیں

اور یہ صرف اس بنابر ہے کہ دو آیتوں کی مراد باوجود بعد و اختلاف الفاظ کے آپ نے ایک کردی ہے۔ ہمارے خیال میں مولوی شنا德 اللہ صاحب کا یہ قول ”غصب تو یہ ہے کہ میرے دوست جب ایک واقعہ کسی حدیث میں دیکھیتے ہیں وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ اس بھی ایک واقعہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرा ہوا ہمیں نہیں باسلک غلط ہے۔ آپ کے مخالفین نے کہیں نہیں کہا ہے ماذان کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا انانوں نہ دخدا واقع نہیں ہوا۔ البته خود آپ پر یہ الزام ہے کہ دو واقعے جو دو آیتوں میں مختلف جگہ مذکور ہیں۔ ان کو آپ نے ایک کر دیا جس کی کوئی صحیح وجہ آپ نہیں بتاسکتے۔ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں مان جاسکتی کہ تبدیل بنی اسرائیل کا قصہ صرف حدیث میں مذکور ہے قرآن میں نہیں البتریوں کہ سکتے ہیں کہ حدیث نے تعین کروی کہ آیت فبدل الذین خلموا الخ سے مراد بنی اسرائیل کا انانوں دخدا کہنا نہیں ہے الفاظ کریمہ کی دلت میں اگر کچھ خفا تھا اس کو حدیث بنوی نے واٹگاف مبین کر دیا اور وہ تبدیلی بنی اسرائیل کی واضح کروی کروہ بجائے حضرة حنطة یا حبۃ کہنا اور بجائے سجدہ چڑڑوں پر ہمسکنا تھا۔

المحاکمة الثالثة | نبیرین کے محالکہ میں صرف اس تدریکافی ہے کہ جب آیت فبدل الذین خلموا کا مصدق بنی اسرائیل کا انانوں نہ دخدا کہنا نہیں ہے تو چالیس سال تک بیت المقدس سے محروم رہنا بھی رجز نہیں ہے۔ کیونکہ ازال رجہ کا واقعہ تبدیل قول ہے اور وہ پھرے باقی رہا یہ امر کہ وہ رجز طاoun تھا۔ اس تدریک تو مولوی شنا德 اللہ صاحب قائل ہوئے کہ اس امر کی صحت غالب ہے ریکھو اکلام المبین صفحہ ۲۳۔ البتریقینی ہوتے کے قائل نہیں ہوئے پس باوجود افراز

نلیڈہ صحت کے اس کے خلاف تفسیر اختیار کرنی اہل عقل و دین کو کیوں کر پسند
ہو سکتی ہے

الصیام اور فتح الحرمہ کی تفسیر میں ہے

الحاکمۃ الرابعة والخامسة

محل اختلاف یہ ہے کہ اباحت بعد المتعتی یا ابتدائی حکم تھا۔ مولوی شنا اللہ صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ صحابہ ایسا ہی کرتے اور سمجھتے تھے کہ بعد عشاء کے کھانا پیا حرام، مگر وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کلام نے اپنی طفرے سے التزام کیا ہوا ورنہ کوئی حدیث نبوی اس بات میں نہیں آتی کہ رات کا کھانا نہ کھایا کرو وحضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا قول رجو مولوی شنا اللہ صاحب اپنی سند میں پیش کرتے ہیں) یہ ہے کہ اباحت اس مضمون کا تغیر ہے جو شریعت محمدؐ کے پہلے سے ان لوگوں کے نزدیک تھا۔ اس کی کوئی دلیل نہیں ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے منع فرمایا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آخر اس کو کیوں حرام سمجھا تھا۔ سو ائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ قبل کی ثابتت کی رو سے حرام تھا اور آیت کریمہ حکیم علیکم الصیام مکہ اکتب علی الذین من قبلكم ویسی روزہ رکھنے کو موجب تھی صحابہ رضوان اللہ علیہم ایسے تو سمجھتے ہی نہیں کہ اپنے جی سے کسی بات کو حرام ٹھیر لیں اور وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، ان کے ہوتے ہوتے۔ تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے قول کا یہ طلب ہوا کہ یہ اباحت شریعت سابق کی تغیرت ہی نہ شریعت محمدؐ کا نئے۔ غرض تجویل قبلہ کی صورت ہے کہ مدینہ طیبہ میں اولاً موقوفت اہل کتاب بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی گئی۔ پھر بیت اللہ (کعبہ) کی طرف پڑھنے کا حکم آگیا۔ اور اس کی نسبت اللہ پاک فرماتا ہے وما جعلنا القبلة التي كت علیها الحرمۃ اہل

فہم و درایت پر مخفی نہیں کہ کمیر احل سکم بیلۃ الصیام اور الرفت الحن کے دو
لفظ "عفانکم" اور "الآن باش رو هن" صاف ولامت کرتے ہیں کہ پہلے
نزول آیت کے بعد عشاء کے کھانا پنی حرام تھا

المحاکمة السادسة | نبرہ تفسیر کرمیہ فخذار بعثة من الطیوف ص ۱۰۷

ایدیک ثم اجعل علیه سکل جبل من ہی جزء
ان بحث کا ہے۔ اس بحث کے محاکمہ کیلئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے وہ مضامین
لکھیں جو اس آیت کی تفسیر کے متعلق ہم نے سمجھے ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
اللہ پاک کی درگاہ میں عرض کیا کہ مجھے دکھادے کہ تو مروں کو کس طرح زندگی
گا۔ یہاں دو امر تھے میں اجیاتے موتی، سیکھیت اجیاتے موتی جو مقتضی
لنظر کیفیت ہے۔ بات یوں ہے کہ قیمت کے دن زندہ ہونے کا بوجیان
ہوا اس میں محل استبعاد مغلی ہوتی ہے یوں کو زندہ کھڑا ہے، من بھی العظام
وھی سچیم اس پر شاہد ہے۔ دوسرا استبعاد یہ تھا کہ اجزائے متفرق اور
دُور دُور ہو جانے کے بعد پھر وہ سب اکٹھے کیونکہ زندہ ہوں گے آیت ادا
ست ان عظاماً خستة۔ قاتل کے اذا کر کے خاسرة اسی کو مشعر ہے۔ ورنہ
کسی مردہ کے زندہ ہونے کی صورت رجو ایک مکوت کے صوت کی مانند
ہے، چنان محل استبعاد نہیں ہے۔ قرآن شریف میں اس قسم کے ساتھ حضرت
عزیز علیہ السلام ریا جو بزرگ ہیں، کا قسمہ مذکور ہے اور یہ دونوں کی مثال کو
مقتضی ہے۔ حضرت عزیز علیہ السلام کے قدر کے الفاظ بھی یہی ہیں جو کیف
عکی الموت کے ہم معنی ہیں یعنی آئی یعنی ہنڈی اللہ بعْدَ موْتَهَا اللہ پاک نے
اُن کو یہی بھایا کہ سو بر سر کے بعد گدھے رجو گلی ہوتی ہے اور متفرق الاجرا
تھا، کو حضرت عزیز کے سامنے زندہ کرنے کی کیفیت دکھائی چنانچہ فرمایا،

وَالْأَنْظَرُ إِلَى الْعَظَمَ كَيْفَ تَشَرَّهَا شَهْرٌ تَكْسُوهَا حَمَّاً۔ "حضرت غریرؓ نے صرف استبعاد ظاہر کیا تھا اس کے رفع کے لیے دعا نہیں کی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رفع استبعاد اور حصول الحمیمان کے لیے الشد پاک سے دعا کی تھی اس لیے ان کے لیے زیادہ دکھایا گیا۔ کہ ایک گھنٹے کی جگہ پار طاڑ رخندار بعثۃ من انطییر اور چاروں کو خوب پہچان لینے اور مانوس کر لینے کا حکم ہوا۔ تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ دوسری چار جڑیاں میں نہ ہوں۔ فصر ہن الیک" پھر ان کے اجزا کو دوڑوڑ رکھنے کا حکم ہوا۔ کیوں ایسے متفرق الاجزاء کا اکٹھے زندہ ہونا محل استبعاد تھا۔ ثُمَّ اجعَلَ عَلَى كُلِّ جَيلٍ مِنْهُنَ جُزءًا" قیامت میں سب لوگ ایک صور کی آواز سے زندہ ہوں گے سچائے اس کے ایک آواز سے چاروں طیور کا زندہ ہو جانا ہے۔ اس لیے حکم ہوا شہادت گھنٹ نام دنیا کے لوگوں کا ایک صور کی آواز سے زندہ ہو کر ایک میدان میں جمع ہو جانا۔ انماہی زجرۃ واحدۃ فاماذا هم با ساہۃ اس کی جگہ حضرت ابراہیمؑ کی ایک آواز سے سب چریلوں کا زندہ آپکے پاس جمع ہو جانا ہے۔" یا تیسراک سعیاً ہمارے اس بیان کو سنکر جو کوئی تفسیر مولوی شمار اللہ صاحب کی دیکھئے گا اس کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرت ابراہیمؑ کا فقہہ کش قدر بے معنی اور محل کر دیا گیا ہے۔ اہل مذاق جانتے ہیں کہ محض اتنی بات سمجھانے کو کہہ ہوتے جانور پکارنے سے چلے آتے ہیں جو ایک دنیا کی محض معمولی بات ہے۔ اس قدر اہتمام کر چار جانور ہلاتے جاتیں۔ پھر پیاروں پر ایک ایک پہنچاۓ ہیں لغوار بریکار بات ہے۔ لفظ "فصر ہن" اور "منہن جزءاً" (جن پر مولوی شمار اللہ صاحب کا زور ہے) کے متعلق بھی ہمیں کچھ لکھنا ضرور ہے۔ لفظ صور مشترک ہے۔ دریان امالہ اور قطع کے۔ اب اس لفظ کے معنی مراد لینے کی

دو صورت ہے نبرا۔ ایک یہ کہ دونوں معنی مراد ہوں۔ نبرا۔ دوسری یہ کہ دونوں معنی میں ہے ایک مراد ہو پہلی صورت تفسیر تنازعہ فیہ کے خلاف ہے۔ ہر چند یہ موقعہ اس بحث کا ہے۔ جو لفظ مشرک کے چند معنی ایک ساتھ مراد یعنی کے موقع میں پڑی آتی ہے اور کتب اصول میں مشرع ہے مگر اس کو یہاں پھیپھیانا موجب اذاب ہے۔ باقی رہا ایک معنی مراد یعنی اور ایک پھوٹنا اس کی دو صورتیں ہیں۔ نبرا امامہ کے معنی اختیار کئے جائیں۔ اس صورت میں حضرت ابراہیم کے سوال اور اس کی اجابت "سوال از آسمان و جواب از زمین" کے قریب قریب ہے، مولوی شاہ اللہ صاحب بودنوں کی مناسبت کے متعلق فرماتے ہیں۔ معمولی عقل دے کے آدمی کے خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔ کیا کسی جانور کا ماؤس ہونے کی وجہ سے پکانے پر کافی تھی؟ جو اللہ پاک نے حضرت ابراہیم کو دھولا کر کیفیت ایسا ہے موقعی سے ان کو اطمینان دلایا رہی دوسری صورت اور وہ یہ کہ صور کے معنی قطع کے کیے جائیں۔ اپنے فرمائیں گے کہ "الیک" یہ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا متعلق مذکوت مان لیجئے جیسے دلکشیم اهوا تمہم عما جادے من الحق" میں عما کے پہلے معروضًا آپ بھی لگاتے ہیں۔ پس یہاں بھی فرمائیے اقطعہن مائۃ الیک۔ مولوی شاہ اللہ صاحب کو اس آیت کی تفسیر میں فقط "منہن جن" اے بھی استدلال ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ کچھ شک نہیں کہ اس آیت میں جن اسے مراد ایک ایک سالم جانور ہے نہ کہ ان کے اعضاء اس لیے کہ آیت کے لفظوں میں "منہن جن" اے ہے وجہ استدلال آپنے دو بتاتی ہیں۔ ایک یہ کہ منہن جن اکی طرح دوسری آیت میں رجس کو میں دلیل لاتا ہوں) منہم جن ڈاہے اور وہاں جز سے مراد کفار (جو اپنی ذات میں منتقل اور گل ہوں گے) ہیں ذکر ایک کافی تاک دوسرے کی آنکھ اس طرح یہاں حسبتہ ایک مراد ہے؟ وابن ذات میں منتقل اور گل ہے کو باعتبار

مجموعہ ۲ کے بجز ہے۔ ہم اولًا ان دونوں نقطوں (جو قرآن میں دو جگہ ہیں) کا فرق بتاتے ہیں منہم جنہیں کی جگہ واحد کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں ہو سکتا ہے۔ ایسی جگہ فقط صریح کوچھوڑ کر محتمل کو اختیار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔ دوسرے وہاں سات دروازوں پر بے شمار تعداد کا جزو مقصوم ہے۔ اور یہاں پر چار کام ہر پیاڑ (جسکی تعداد قرآن میں مذکور نہیں) پر کھنے کا حکم ہے اور دونوں کا فرق ہر صاحب فہم سمجھ سکتا ہے مولوی شناز اللہ صاحب نے (قطعہ رجز) کے دو معنی بیان کئے ہیں۔ یہ تو ہم نے مانا کہ جُجز اضافی بھی جُجز کامل تا ہے مگر کلام اس میں ہے کہ جہاں جُجز تحقیقی مراد ہو سکتا ہے وہاں جُجز اضافی مراد یعنی کی کجا وجہ ہے۔ جُجز کے دو معنی یا حقیقت و مجاز ہے تو تحقیقت مقدم ہو گا اور اگر اشتراکتے تو ایک کی تعین بقیریہ حال و مقام ہو گی اور اس کو ہم اور یہاں پر لکھ آتے ہیں۔ فتأمل مولوی!

شناز اللہ صاحب اس موقع پر لکھتے ہیں کہ ر قرآن شریف میں حضرت مسیح سنت میخراز کے متعلق جہاں کمیں مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر آیا ہے وہاں باذن اللہ کی قید برابر گاتی جاتی ہے تاکہ سامعین کو اشتباہ نہ ہو مگر یہاں پر اس کے بخلاف ہے۔ ایک تو یہ قید نہیں دوم احیاء یعنی زندہ کرنے کا ذکر نہیں؛ یہ تقریباً بالکل بے محل اور بے معنی ہے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ زندہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ پھر باذن اللہ کی قید کیوں تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے تھی الموتی موجود ہے اور پھر فرماتے ہیں کہ احیاء کا ذکر نہیں ہے۔ باقی رہا باذن اللہ کی قید نہ ہوئی۔ بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعیہ اپنالوگوں کو دکھاتے تھے اور یہاں اللہ پاک اپنی قدرت حضرت ابراہیم کو دکھلاتا ہے۔

نبر، آیت یا میریم افی لک هذا قاللت ھومن

الحاکمة السابعة | عند اللہ کی تفسیریں مولوی شناز اللہ صاحبہ

میں کہ حضرت مریم کا اپنے پاس کے کھانے کی چیز کو میں عند اللہ کرنا بنا بِ مضمونِ کُل
 مَا يَكْمِلُ مِنْ نِعْمَةٍ فَنِنَ اللَّهُ كَيْفَ تَحْتَأْهَا۔ مولوی شمار اللہ صاحب کی تفسیر کا حاصل یہ
 ہے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مریم علیہ السلام کے پاس چیزیں
 غیر ہیں آتی تھیں۔ بلکہ جیسے ہر شخص کو روزی بذریعہ اساباب غادیہ کے ملتوی ہے ہی
 صورت وہاں تھی۔ پھر مولوی شمار اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”جیسا کہ عموماً صلحاء کا کام
 ہے۔ خواہ اسباب طبعیہ اور طرقی عادیہ سے ان کو پہنچے سب کو اللہ کی طرف
 منسوب کرتے ہیں۔ مولوی شمار اللہ صاحب اپنے اس بیان پر دلیل رہس کو وہ زیر دست
 دلیل کہتے ہیں) یہ آیت پیش کرتے ہیں مایکرم نعمۃ فنن اللہ اس آیت کا
 مضمون آئی قدر ہے کہ تمہارے پاس ہر نعمت ہے وہ خدا کی طرف سے ہے جس کے
 معنی یہ ہوتے کہ ہر نعمت کو اللہ کی دی ہوئی سمجھنا چاہیے اور اس پر شکر چاہیے
 نہ کہ اس نعمت کے اباب و ذرائع کی طرف نسبت کو فی نہیں چاہیے۔ مثلاً کوئی
 شخص بازار سے کچھ خریدے تو یہ نہ کہے؟ کہ میں نے خرید کیا ہے یا مثلاً کوئی شخص
 کسی کو کچھ دے تو اس کا نام نہ لے؟ کہ فلاں نے مجھ کو یہ دیا ہے۔ اگر یہی ہے تو
 من لسم هشیکو الناس لہم دیشکو اللہ کی کیا صورت ہے قرآن میں آیت
 اذك لآ تهدی من احبت و لکن اللہ یکدی من یشار موجود ہے اور صحابہ نے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایسا مقولہ اداانا الہدی بعد العینی“ کہا
 ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ سے پوچھا آتی لکھا کہا
 سے یہ تم کو ملا۔ ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے ہر نعمت کا ہونا رحموںی شمار اللہ صاحب
 کی دلیل کا مطلب ہے) حضرت زکریا حضرت مریمؑ سے زیادہ جانتے اور سمجھتے
 تھے۔ پھر یہ پوچھا کیوں؟ ضرور ہے کہ ان کا مقصود اذریعہ اور سبب پوچھنا تھا اس
 صورت میں سوال وجواب کی طالب تھت جب، ہی ہو گی کہ حضرت مریمؑ کے قول کا

مطلوب بعض نسبت الى اللہ کرنا نہ ہو بلکہ تخصیص بالنسبت رجس کا لازم عام ذرائع و اباب کی نظر ہے، اس کا مطلب کہا جاتے ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام تربیت اور پرورش میں حضرت زکریا علیہ السلام کے تھیں و کفلاً دکھل علیہا زگریا المُحَوَّب مریم کے پاس آتے کوئی کھانے کی چیز پاتے کہاً دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَا الْمُحَوَّب وَجَدَ عِنْدَهَا سَرْقَةً۔ آپ وہ چیز دیکھ کر پوچھتے کہاں سے تم کو می قال یا مریم اتنی لکھا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا کے ذریعہ سے وہ چیز دیکھی۔ جس پر وجہ عِنْدَهَا سَرْقَةً دلالت کرتا ہے اور نہ آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ کہاں سے آتی۔ ورنہ پوچھتے کیوں۔ ہمیشہ کسی شخص کا اپنے گھر میں اپنے بچے کے پاس اسی چیزیں دیکھتی ہیں کے حاصل ہونے کا ذریعہ نہیں معلوم ہو۔ پھر اس بچے سے پوچھنا کہ کہاں سے آیا اور اس کا کوئی ذریعہ نہ بتانا۔ بعض اللہ کی طرف سے کہنا پھر اپنے جواب پر پوچھنے والے کی تسلیں کیا اس کی دلیل نہیں ہے کہ وہ چیزیں بغیر ذرائع دا سباب کے حاصل ہوئیں۔ دوسری دلیل اپنے دعویٰ حضرت مریم کا من عند اللہ کہنا دیسا ہی تھا۔ جیسا نعماؤ صلما کہا کام ہے کہ ہر ایک چیز کو اللہ ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں، کی مولوی شاد اللہ درمنثور سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کا ضمون یہ ہے کہ حضرت فاطمہ صلی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے کسی ہمسایہ نے دو چیزیاں اور ایک بوٹی گوشت لارک دیا۔ آپ نے اس کو ایک بڑے طرف میں رجس کو عربی میں جفہ اور ہندی میں تگھاڑ کہتے ہیں) پھپا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آکرہ وسلم تشریف لاتے تو آپ کے لیے وہ دونوں چیزیاں اور گوشت کی بوٹی لانے لگیں۔ طرف کو جو کھولا تو دیکھتی کیا ہیں کہ وہ طرف روٹی گوشت سے بھرا ہوا ہے۔ دیکھ کر متین ہوئیں اور بھاکر خدا کی طرف سے برکت ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیٹیں کیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آیا۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا

الشکر کے بیان سے آنحضرت صلیم نے اس پر اللہ کا شکر کیا کہ بی بی فاطمہ حضرت مریمؑ کے مشابہ ہوئیں۔ یہ کون نہیں سمجھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا من عند اللہ کنا اس وجہ سے تھا کہ بڑے طرف (جشن) کاروٹی اور گوشت سے بھر جانا مغضوب ہے جانب اللہ تھا۔ ہمسایہ نے تو صرف دو چیزیں اور بوقتی گوشت سمجھیا تھا۔ ایسی حالت میں یہ حدیث مولوی صاحبؒ کے مخالف کی دلیل ہے۔ ذکر انہی۔ اس حدیث کی نسبت یہ لکھنا کہ حضور نے سوال اس کھانے پر کیا تھا جو ہمسایہ کی طرف سے کیا تھا بالکل غلط ہے بلکہ کو مت Dell کا ترجمہ ہی تبلار ہے اگرچہ ترجمہ میں غلطیاں بھی ہیں جیسے جشن کا ترجمہ پیارہ اور برکتہ من اللہ کا ترجمہ آپ کی برکت لکھا ہے۔

نمبر۔ آیت قالوا ان الله عهد ایتنا ان لا نتعصى

الحاکمة الثامنة رسول حق یا تینا بقراں تاسکلہ النا رہے مولوی شاہ اللہ صاحب اس کی تفسیر لکھتے ہیں کہ بیان آگ سے مر او کاہن کی آگ ہے۔ یہودیوں کا بستور تھا کہ سوختنی قربانی کو کاہن ران کا امام، جلا دیا کرتا تھا مولوی شاہ اللہ صاحب اپنے اس بیان پر توریت سے ایک شدید میش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسرین اس آگ کو آسمانی آگ نہیں معلوم کہاں سے کہتے ہیں۔ جو مضمون توریت مقدس کا مولوی شاہ اللہ صاحب اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ اس میں کاہن کی آگ کا ذکر نہیں ہے۔ ا Mum Sabiq میں قربانی کی مقبولیت اور غیر مقبولیت کی علامتو خاص بھتی۔ جس پر باہیل قابل کا قصہ دلالت کرتا ہے۔ مولوی شاہ اللہ صاحب وہاں پر لکھتے ہیں کہ قابل کو اپنی قربانی کی غیر مقبولیت ان کے باپ حضرت آدم سے معلوم ہوتی ہوگی۔ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو قابل کو عداوت حضرت آدم سے ہونی چاہئے تھی ذکر باہیل سے قرآن کے الفاظ سے تو ظاہراً اسی قدر ہے کہ یہود سکتے تھے کہ اللہ نے ہم لوگوں سے عمدہ یا بہے کہ جب یہاں کوئی بھی ایسی

قرآنی نہ کرے جس کو آگ کھا جاتے ۔ ہم لوگ اس پر ایمان نہ لاؤں ۔ اب بات یہ رہی کہ اس کی صورت کیا تھی ۔ کامن کی آگ میں خود جلدینا تھا یا وہ صورت جو غنیمت کے مال کی نسبت حدیث میں وارد ہے کہ غیر سے آگ پیدا ہو کر کھا جاتی تھی سیاق عبارت قرآنی سے صورت اولیٰ کا بعد اور دوسری صورت کا تفاوت ظاہر ہے ۔ ایسی حالت میں وہ منع (جو طرز بیان قرآنی اور اس صورت کے موافق ہے جو حدیث میں وارد ہے) ۔ علاوه انبیاء کے منکر ایسی شرطیں کرتے تھے کہ انسان کی طاقت میں نہ ہو۔ (کوچھ وطننا اور ایسے معنی جو طرز بیان کے مخالف ہے مخصوص ایسے دستور کی بنی پروپری طرح ثابت بھی نہیں) کو اختیار کرنا بلکہ اس میں اعتراض کے ۔

المحاکمة التاسعة نمبر ۹۔ اس نمبر کا الزام مولوی شناد اللہ صاحب پر غلط ہے کسی آیت کی ایسی توجیہ کرنی جس سے وہ غلوت نہ قرار پاتے کوئی محل اعتراض نہیں ہے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ توجیہ کرنے والا مطلقاً نسخ کا قائل ہی نہیں اور یہی دوضمنوں اعتراض کرنے والوں کے ہیں ۔

المحاکمة العاشرة نمبر ۱۰۔ اس نمبر کے متعلق ہم نمبر ۹ میں لکھا آتے ہیں اور یہ کوئی اختلاف قابل فحیصلہ بھی نہیں ہے مولوی شناد اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ میغض میر انجیال ہے اور اس میں کسی قطعی دلیل شرعی کا خلاف نہیں ہے ۔

المحاکمة الحادیۃ عشر نمبر ۱۱۔ اس نمبر میں حق بجانب مولوی شناد اللہ مکے ہے کریمہ کل شیعی احصیناہ فی امام مبین امام سے مراد نامہ اعمال نہائت اقرب ہے ۔ علاوه ان آئیوں کے جو

مولوی شناز اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ یومِ ند عاکل انس با مامہم فتن
اوی کتابہ بھیں، موید اس معنی کو ہے۔

الحاکمة الثانية عشر | نمبر ۱۲، و نمبر ۱۳، و نمبر ۱۴، و نمبر ۱۵ و نمبر ۱۶۔ ان پانچ نمبر
مخفوظ، اتم الکتاب، کتاب کنون وغیرہ) داروں میں۔ ان حجے مراد علم الہی ہے شد
وہ سختی جن پر اللہ نے ما ہو کا نئے ہیں۔ مولوی شناز اللہ صاحب نے الکتاب میں
میں جو اس کی توجیہ کی ہے اس میں ان کو یہ بیان کرنا تھا کہ لفظ لوح اور کتاب
اور لوح محفوظ کے تحقیقی معنے ربا وجود یکہ لوح محفوظ کا وجود آپ مانتے ہیں) سے
عدول کرنے کی کیا وجہ ہے۔ یہ احنون نے نہیں بیان کی اور اسی کی ضرورت تھی۔
نمبر، آیت یومِ راتی بعض آیات ربک لا ینفع

الحاکمة الثالثة عشر | نفس ایسا یا ہا لزم تکنی امنت می قبیل کی تفسیر
مولوی شناز اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مراد یوم الموت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ کئی
ایک آئیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ایمان لانا مفید نہیں۔ اس
استدلال کا اجمال مخفی نہیں ہے۔ کون نہیں سمجھے کہ موت کے دن ایمان مفید نہ
ہونے کو لازم نہیں ہے کہ جس دن ایمان مفید نہ ہو وہ یوم الموت ہی ہے۔ حدیث
بنوی صلی اللہ علیہ وسلم رجس کو مولوی شناز اللہ صاحب مانتے ہیں) صاف بیان کرتی
ہیں کہ بعض آیات سے مراد موت نہیں ہے بلکہ طلوع شمس من المغرب ہے۔
پھر اس حدیث کا مانند والا کیوں کہہ سکتا ہے کہ بعض آیات سے مراد موت ہے
صاحب ذوق سیم سمجھ سکتا ہے کہ مفہوم آیت یہ ہے کہ کوئی نشانی لسی ہوئے ملی
ہے کہ اس وقت سے ایمان کی قبولیت کا موقع ہی نہیں رہے گا۔ یعنی سبب کی
خصوصیت اور سبب کا عوام اور اس کا خاص دن ہونا مدلول آیت ہے جو یوم الموت

مراد یعنی سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ فتح البيان وغیرہ سے جو عبارت مولوی شنا اللہ صاحب نقل کرتے ہیں اس کا معناد بھی وہی ہے جو ہم نے کہا کہ سبب خاص جب سبب عام کو ہو گا۔ تعداد اس باب (جو یوم الموت مراد یعنی سے لازم آتا ہے) اس عبارت کا معناد نہیں ہے۔ اس لیے کہ جب مراد یوم الموت ہو گا تو شخص کے لیے بعض آیات الگ الگ ہو گا۔ فا ہم۔ فتح البيان کی عبارت میں بعض آیات کے تین مصدق ابوجوکھے گئے ہیں وہ تینوں ایک ہو سکتے ہیں۔ استی قضاضر ہم الی الایمان مانی نظر و نہ اور علامۃ القيامة ہر کا ایک مصدق (رسبب واحد) ہو سکتا ہے۔ دونوں پہلے الفاظ علامۃ ساعت ساخت کے صفات ہیں۔

الحاکمة الرابعة عشر | شنا اللہ صاحب اس طرح کرتے ہیں کہ مقدار الاعمال باعی وجہ کان اور اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں۔ پونکہ اور آیتوں میں لا نقصیم للہر یوم القيمة وزنا اور یعرف المجرمون بسیماهم اور لا یستُّل عن ذنوبهم المجرمون وارد ہے۔ اس لیے میں نے یہ تعمیم اختیار کی ہے۔ مولوی شنا اللہ صاحب کی توجیہ انکو جب ہی مفید ہو سکتی تھی کہ من خفت مواد کی تفسیر و ہجیط اعمال ہم کی ساتھ نہیں فرماتے۔ کیونکہ آپ کی تعمیم سے الگ وزن کی نفی صریح نہیں نکلی۔ مگر خفت وزن کی تفسیر ہجیط اعمال کے ساتھ وزن کی نفی بالصرارت کر قری ہے۔ مولوی شنا اللہ صاحب تین آیتوں اپنی توجیہ میں لکھتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے دو آیتوں وزن کے منافی نہیں ہیں۔ لہذا ان دلو آیتوں کا ذکر مولوی صاحب کو مفید نہیں ہے۔ باقی رہی ایک آیت (لانقیم دھرم یوم القيمة وزنا) پونکہ اس کا مورد الذین ضل سعیهم رام خاص

ہے لہذا وہ مطلق وزن کی منافی نہیں ہے۔ علاوہ وہاں وزن اعمال ہے اور یہاں وزن اختصاص۔ فاہم۔

نمبر ۳۲۔ کمیہ سخن نامع داؤد الحبیال بیہقی
الحاکمة الخامسة عشر و الطیبری کی تفسیر قذکرہ حبیں غفلتہ کی
 لگنی ہے اور المکلام المبین میں لکھا ہے کہ "یعنی پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام
 کو غفلت کے وقت یادوں لئے تھے۔ پھر اس پر صوفیانہ طرز سے ایک شعر
 نقل کیا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر درستے فترتیت معرفت کر دگا
 اربعین میں لکھا ہے کہ "تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں اور جانوروں کو دیکھ کر
 اللہ زوجل یاد آتا تھا۔ مولوی شمار الدل صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔
 "اپ لوگوں نے ناحی میں کے مطلب کو بگٹرا ہے" پھر لکھا ہے "ناظریں کی
 خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ وہ میرے الغاظ کو دیکھیں کہ میں نے پہاڑوں کی
 تسبیح خوانی سے الکار کیا ہے؟ میں نے تو ایک لہیف پیرا یہ میں اس کا ثبوت دیا
 ہے" و المکلام المبین ص ۱۸۴۔

مولوی شمار الدل صاحب کا یہ قول صاف ولالت کرتا ہے کہ وہ پہاڑوں
 کی تسبیح خوانی کے قائل میں علاوہ اُزیں مولوی شمار الدل صاحب سورہ سبا کی آیت
 بیہمال ادبی معہ و الطیبری کی تفسیر میں ارجعی اسی سبقتی معہ لکھتے ہیں اور
 اسی آیت سخن نامع داؤد الحبیال کو وہاں نقل کرتے ہیں جس سے ثابت
 ہوا کہ اس آیت میں بھی وہ یہیں کے معنی تسبیح خوانی ہی ہونے کے قائل ہیں۔
 اب بات اس قدر ہی کہ مولوی صاحب کی تفسیر قذکرہ حبیں غفلتہ اس معنی
 کو جس کے وہ قائل میں مفہمد ہے یا نہیں اور ان کا یہ کہنا کہ لہیف پیرا یہ میں میں

نے اس کا ثبوت دیا ہے۔ کہاں تک درست ہے۔ یہ کون نہیں کرے گا کہ
محض تذکیرہ تبیع خوانی کو مفید نہیں ہے۔ مولوی صاحب کو وجہ دلالت بیان کرنی ہی
اور انہوں نے نہیں کی۔ اگر یہ فرمادیں کہ پہاڑوں کی تبیع خوانی مذکور تھی چنانچہ آپ لکھتے
ہیں کہ غفلت کے وقت یاد دلاتے تھے۔ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ پہاڑوں کی
تبیع خوانی حضرت داؤد کی تبیع خوانی سے مقام تھی اور اس پر مذکور کی قید آتی ہے
ہر چند اس آیت میں سخنرانی معاون داؤد الجبال پسجعن ہے۔ لیکن سورہ ساکی آیت
میں جس کو کہ آپ اس آیت کے ہم معنی کرتے ہیں۔ یا جبال ادبی معنے واقع ہے
جس سے تبیع خوانی میں معیت صاف طور پر بھجو جاتی ہے علاوہ ازین اگر معیت فی تبیع
نہ ہو تو سخن را لداہ ہوتا۔ موقع تفسیر میں شعر مذکور لکھنا صریح دلالت کرتا ہے
کہ پہاڑوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ تھی بلکہ جو طرح
ہر ہوشیار کی نظر میں درختوں کے پتے منبہ اور مذکور ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کے
ہی حضرت داؤد کے لیے مذکور ہے۔ حاصل اس تفسیر کا یہ ہوا کہ حضرت داؤد کو
اس بارہ میں کوئی خاص فضل نہیں دیا گیا اور یہ کرمیہ ولقد ایمنا داؤد مفت
فضل۔ یا جبال ادبی معنے والطیر کے خلاف ہے والا یا تیہ الباطل من
بیان یہ دیہ ولا من خلفه تنزیل من حکیم حمید۔ اس آیت سخنرانی
مع داؤد الجبال پسجعن والطیر کے ہمضمون آیت انا سخننا الجبال معدلي پسجعن
سورہ ص میں بھی ہے مگر چونکہ وہاں ساتھ اس کے بالعشری والا شرائی
بھی ہے۔ لہذا مولوی صاحب وہاں سورہ ص میں (یوں تذکرہ ہیئت الغفلة کی تفسیر
نہیں کر سکے۔ تو وہاں یوں فرمایا تسبیحاً مناسباً بشانہ۔ مگر چونکہ حضرت داؤد
علیہ السلام کی خصوصیت کی لفظ خیال ہیں تھی اس لیے اس موقع میں یہ آیت لکھ دی۔
وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ لَا يَسْتَعْجِلُ بِحَمْدِكَ وَلَكِنْ لَا تَقْفَهُونَ تَسْبِيهَكَ هُوَ مِنْ مَعِيتِ

فی التسبیح باطل ہو گئی۔ اور یعنی سورہ حس کی آیت میں والطیبر محسوسہ کی
کہ ادب بھی ہے مولوی صاحب نے ادب کا ترجمہ مطیع الی طاعتہ کیا
ہے اور ایک شعر فارسی اس کے بعد لکھا ہے ہے

تو ہم گردن از حکم داده پیغ کر گردن نہ پچیز حکم تو پیغ

سورہ سبا میں ادب کا ترجمہ سمجھی کیا۔ اور سورہ حن میں ادب رجوانہیں
جبال اور طیبر کی نسبت ہے، کا ترجمہ مطیع الی طاعتہ کیا اور محل مقام فیہ میں یہ سمجھ
کے معنی تذکیر عن الدغفلة لکھا ہے۔ اولاً توجہ شخص تینوں مقاموں کی تفسیر دیکھ گا وہ
اس تشتت بیان اور اختلاف رضاہیں سے تفسیر کے وزن کا انداز کر سکتا ہے۔
ووسرے وہ شعر فارسی کار برگ درختان الحن (یہاں نقل کرنا بے محل اور محل معنی مقصود
سمجھ گا۔ ہم جیران ہیں کہ مولوی صاحب اس شعر کے نقل کرنے کی نسبت کیونکہ لکھتے
ہیں کہ لطیف پیر پیں پہاڑوں کی تسبیح خوانی کا ثبوت دیا ہے۔ ہرگز یہ اثبات
نہیں ہے بلکہ ابطال ہے۔ ہاں مولوی صاحب نے اس موقع پر یہ کیا کہ صوفیا
طرز سے سمجھی اہل دل کا شعر نقل کیا ہے۔ جناب من۔ صوفیانہ طرز آپنے محک کو کہا
شعر کا جو مضمون ہے وہ تو قرآن پاک میں بکثرت موجود ہے۔ سورہ ق کی آیت
والارض مدد نلها والقینا فیها رواسی و انبتنا فیها من حکل زوج بیچ
تبصرہ و ذکری حکل عبد منیب ڈکھیں اس شعر سے بڑھ کر ہے۔ اور اگر
معنی شعر خوانی اور اس سے متہ یعنی کو اپ صوفیانہ طرز فرماتے میں تو نہ یہ کوئی قابل
اعتبار امر ہے۔ نہ قرآن کی تفسیر اس کا موقع ہے۔

نمبر ۵ کریمہ والناں الحدید اس آیت کا ترجمہ

الحاکمة السادسة عشر [مولوی شمارالشہ صاحب خود ہی یوں فرماتے

ہیں کہم نے اس کے لیے لوہا زم کر دیا تھا۔ مگر اس کی تفسیر جو اخنوں سے کی ہے

وہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو لو ہے کا زم کرنا سکھایا۔ ”مولوی شناز اللہ صاحب ترجمہ کے خلاف تفسیر کرنے کی اور انسان دینی ترقی کو چھوڑ کر اسناد مجازی اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں بتاسکے۔ مولوی صاحب نے اس موقع پر جو تقریر کی ہے وہ ان کے مقصد کو مفید نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی تقریر یہ ہے۔ ”چونکہ دوسری آیت و علمناۃ حسنۃ لبومن لکھ رہاں جگہ کی صنعت کے متعلق ہے اور اس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے واڈ کو صنعت سکھاتی۔ حالانکہ یہ صنعت ہی یا اس کی فرع ہے جس کا آیت زیر بحث میں ذکر ہے۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ اس میں بھی صنعت ہی مراد ہے۔ ”کون نہیں کہے گا کہ یہ تقریر بالکل مفید نہیں ہے۔ دوسری آیت میں کسی صنعت کے سکھانے کا اگر ذکر ہے تو اس سے کس طرح لازم آتا ہے کہ یہاں بھی صنعت ہی مراد ہو۔ کیونکہ لوہا زم کرنا اور زرہ بنانا ایک نہیں ہو سکتا۔ باقی رہا فرع ہونا تو فرع کی صنعت ہونے سے لازم نہیں ہوتا کہ اصل بھی دیسی ہی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو قرآن پڑھایا اس سے لازم نہیں آتا کہ اسی طرح پڑھا بھی ہو یہی وجہ ہے کہ آپ کا عقیدہ یہ نہیں ہے جیسا کہ آپ خود ”الكلام المبين“ میں لکھتے ہیں۔

الحاکمة السابعة عشر | شناز اللہ صاحب نہتھا تے مراتب الکمال
نمبر ۳ عند سدرۃ المنشیہ بیشک ایک درخت ہے،
مگر اس درخت کے پاس پہنچا بھی چونکہ اعلیٰ مرتب کے انسانوں کا کام ہے اس
لیے اس سے کنیٹا یعنی کر جاتے ہیں۔ ”حاصل اس توجیہ کا یہ ہوا کہ سدۃ المنشیہ
ایک درخت ہے اور وہی درخت انتہا تے کمال کی جگہ ہے غرض دوام ہجتے
نمبرا، ایک سدۃ کا درخت ہونا۔ نمبر ۲ اس کا انتہا تے کمال ہونا۔ مگر مولوی صاحب

کی تفسیر سے دونوں میں سے کوئی بات ضرور نہیں ہوتی۔ مولوی شاہ اللہ صاحب اپنی تفسیر کی سند میں تفسیر حمافی پیش کرتے ہیں مگر اس عبارت میں صاف بحث کا ثابت ہے چنانچہ آپ کے ترجمہ ہی کے الفاظ ہم نقل کرتے ہیں، "انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے درخت سدرہ کے پاس پہنچے جو اعلیٰ درجہ کی تجلیات دیئے والالہ ہے" مولوی صاحب بعد نقل عبارت تفسیر حمافی معد ترجمہ کے قوس دیکھ لکھتے ہیں را اسی طرح سدرا المنشی جامع مراتب کمال رتبہ کا نام ہے، جو شخص عبارت تفسیر حمافی کی بتا مل دیکھے گا۔ وہ بتا مل کے کا کہ مولوی صاحب کا قسمی مضمون ہرگز اس عبارت میں نہیں ہے۔

دوسری سند اپنی تفسیر کی مولوی صاحب شیخ محمد الدین عربی کا قول راں کی تفسیر جس کا ان کی تصنیف ہونا متکلم فیہ ہے۔ علمائے اس کو قاشانی باطنی المذهب کی تصنیف ہونا ثابت کیا ہے۔ اے نفل کیا ہے مگر ترجمہ نہیں لکھا۔ حاصل ترجمہ بھی جو آپ فرماتے ہیں وہ مصدق سدرا المنشی رجو اس عبارت میں ہے، کوچھ وڈا کر۔ بہر کیف شیخ کی عبارت میں بھی یہ نہیں ہے کہ سدرا المنشی رتبہ کا نام ہے۔ بلکہ اس میں صاف سدرا المنشی کو الودح الاعظم کے ساتھ تعبیر کیا ہے جس سے صاف نکلتا ہے کہ سدرا المنشی رتبہ کا نام نہیں ہے۔ مولوی شاہ اللہ صاحب نے اس موقع میں لکھا ہے کہ یہ طلب نہیں ہے کہ حدیث سے منکر نہیں۔ بلکہ اس کے لازمی معنے بیان کرتے ہیں، "هم عرض کرتے ہیں کہ مطلقاً لازمی معنی بیان کرنا محدود نہیں ہے۔ مگر اس طرح پر اور ایسے موقع میں جس سے اصلی اور تحقیقی معنی کی نفعی ہو جاتے۔ بلاشبہ محدود رہے اگر آپ یوں بھی لکھتے شبح رہتے تھیں ایہا مراتب الکمال تو کچھ کلام نہ تھا۔ شاید آپ یہ فرمائیں کہ تحقیقی معنی کی بیان نفعی نہیں ہوتی، تو قطعہ نظر اس کے کہر

فہم سیم اس کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شجرہ کی نفعی نہیں بھتی تو یعنی
نے پھر لوں کیوں کہا قید ہی شجرۃ فی السمااء اس ابعة اگر درخت ہونا
وہ خود کہتے اور رانتے ہوتے تو اس کو بعض کا قول کیوں کہتے اور قید کہ کہ
اس کی تضییف کیوں ثابت کرتے۔ مولوی شاد اللہ صاحب اس حکم میں ایک
ضمون لکھتے ہیں جس سے قطع نظر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا فرماتے ہیں جو کہ
انبیاء کے اصل جانشین اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے قلوب صافیہ
پر جو واردات گزرتے ہیں قابل غور اور محل فکر ہوتے ہیں۔ یوں ہی سرسری نگاہ
سے دیکھتے کے لائق نہیں۔

مصرع "ایک آگاہ نہ عالم درویشاں را"

اولاً : ہم اولیاء اللہ کو بیان کرتے ہیں یہ ایک خطاب ہے جو اللہ پاک نے
ہر قوم میں کوئی بخشش ہے۔ اکا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا نحیج زدن
الذین المتنا و کانو بتیقون پھر نہیں معلوم مولوی شاد اللہ صاحب کا اولیاء اللہ
کو انبیاء کا جانشین کہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ انبیاء کے جانشین اول اتو خلفاء یہیں
خلفاء راشدین کو اصل جانشین کہیں گے۔ لیکن ان کے قلوب صافیہ پر ایسے
واردات نہیں گزرے کہیں ان کے کلام میں اس قسم کی باتیں نہیں ہیں کوئی
نہیں دکھا سکتا ہے۔ دوسرے انبیاء کے جانشین علماء ہیں جو علم پیغمبر کے حامل
ہیں رہمنی و متعالی و فلسفہ کے ماہر، علماء کے جانشین ہونے پر ایک تو
وہ احادیث دلالت کرتی ہیں بخوضاہی علم میں وارو ہیں۔ علاوه اللہ پاک نے
پیغمبر کی شان قرآن میں یہ فرمائی ہے میتلد علیہم الیاتہ و بیز کیھو دیعلہم
الکتاب والحكمة اور ظاہر ہے کہ یہ کام علماء ہی کے ہیں خصوصاً علماء محدثین
یعنیم اللہ تعالیٰ جن کو علوم نبوی ہی سے سروکار ہے نہ انہی واردات قلبیہ سے

کار دبارہ ہم تحریر ہیں کہ کہاں تو اصول تفسیر اور اصول حدیث بحث سے جاتے ہیں اور ان کی پابندی کا شور اور دعویٰ ہے، کہاں صوفیاء کی بے سر و پا باتوں پر زور ہے جس کا تیجہ یہ ہے کہ سورہ نجم کی تفسیر (جو آپ نے کی ہے) دیکھنے والوں کو پتا ہی نہ لگے گا کہ معراج کے واقعہ کا ذکر ہے۔ یہ کیسا لفظان اور کس قدر خراہیوں کا موجب ہے۔ تفسیر میں موقع ذکر احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان احادیث کے ذکر سے تفسیر بالقرآن کے التزام نے آپ کو روکا۔ (جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے) مگر تعجب اور افسوس ہے کہ اس التزام نے ان بے سر و پا باتوں کے ذکر سے شدید روکا۔

تعین مواضع المحکمة هم حکموں کا اس پر اتفاق ہے کہ لا رعبی
کے گل چالیس اعتراضوں میں سے چودہ
اعتراض بلاشبہ صحیح ہیں اور الکلام المبین، میں ان اعتراضوں سے بچنے کی
جس قدر گوشش کی گئی ہے وہ رائیگاں ہے۔ نبرہ استے ذکورہ کے سوابقیہ تبریز
میں محاکمہ نہیں کیا گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض تبریز میں حق بجانب مولوی شناذر
صاحب کے ہے اور بعض میں اگر جواب ان کا تسلی بخش نہیں ہے خلاف میں بھی
کوئی دلیل مسکت خصم نہیں ہے اور بغیر اس کے قائدہ متصور نہیں ہے اور بعض
میں بیکار ابھجن ہے۔

نتیجۃ المحکمة تفسیر القرآن بحکام الرحمن کے مقامات مذکورہ بلاشبہ
ایسے ہیں کہ ذرق حال کے خیالات کی تائید ہپنچا سکتیں
اور اہلسنت الحدیث کے مخالف اس سے خوش ہوں اور عنده مقابلہ اس تفسیر
سے تسلک کریں یہ قمولوی شناذر اللہ صاحب کا گویا اقرار ہی ہے کہ مختارانہ کی روشن
پریہ تفسیر نہیں ہے۔ فاعتمدروا یا اولی الابصار۔

نتیجہ المکمل لعینی فیصلہ نسلم آڑہ

موں بند اسحر بیانی کا جبھی تک
ہر شخص کو دنوی ہے کہ میں کچھ نہیں کرتا
علماء امر تسری کے نزاع میں یوں حکم کیا گیا اس کا نتیجہ کیا ہوا، اور کیا جو نتیجہ
ہوا وہی قبل سے مرجو بھی تھا یا نہیں؟ اس کے بیان کے لیے اولاً چند مقامات
کی تبیید مناسب ہے۔

۱۔ حکم کر کے نتیجہ پونے کی اولاد شرط یہ ہے کہ حکم آزاد ہوں یعنی کسی
جانب دار نہ ہوں۔ ورنہ نتیجہ دیسا ہی ہو گا جیسا کہ تکمیل صفیین میں ہوا۔
۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ فیصلہ کتنہ ذرا اختیار اور صاحب اثر ہو رہا یا الحمد
لاغدیں اور حضرت زبیر اور زانصاری کے درمیان پانی کا جھکڑا اور الحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے فیصلہ رپو اوس انصاری نے کہا اہل علم جانتے ہی ہیں۔
۳۔ فیصلہ سے بہرہ مند ہونے کے لیے خصیں میں اخلاص اور نیت، نیز
ہونی ضروری ہے بظرو الحق راپنے بات کی بیک) نہ ہو ورنہ دیسا ہی نتیجہ ہو
گا جیسا دونوں روایات میں مذکور ہے۔

اب میں اس نزاع اور فیصلہ کا خلاصہ بتاتا ہوں بعد اس کے نتیجہ کیا ہوا
اس کو بتاؤں گا۔

مولوی شمار اللہ صاحب نے قرآن کی تفسیر لکھی جنہاں میں دوسرے
علماء نے اس بنابردار کہ اس میں تفسیر بالاستے ہے فرقِ خالہ کے طریقہ پر آیا
کے معنی کئے گئے ہیں۔ احادیث صحیحہ اور آثارِ سلف کا غلاف کیا گیا ہے۔
مولوی شمار اللہ صاحب کو فرقہ اہل حدیث سے خارج فرار دیا۔

مولوی شاہ اللہ صاحب نے جواب لکھا کہ جو تفسیر میں نے کی ہے سب صحیح اور طلاقیہ اہل حدیث کے موافق ہے۔

تکمیل کے موقع میں رجہاں مولوی شاہ اللہ صاحب موجود تھے) دو امر میں محکم کی تجویز ہوتی۔ پہلا امر یہ تھا کہ تفسیر پر جواہamat رتفیع بالراتے۔ تفسیر بخوبی صعم کے خلاف ہونا، سلف کے خلاف ہونا، ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ دوسرا امر یہ تھا کہ بنا بر اون الزامات کے فرقہ اہل حدیث سے خارج ہیں یا نہیں۔

غرض میضھوں تحریر ہو کر علماء حاضرین جلسہ کے دستخط ہوئے۔ جب مولوی شاہ اللہ صاحب کے دستخط کا موقع آیا تو انہوں نے راس وجہ سے کہ اپنی تفسیر کی حقیقت وہ خوب جانتے تھے، اہل البیت ادرسی بھائیہ عبارت ذیل لکھ کر دستخط کیے (مجھے حکموں کا ذیصلہ دربارہ اہل حدیث ہونے یا نہ ہونے کے منظور ہے۔ جو عمارت میری حکموں کے راستے میں موہم معنے غلط کو ہوگی اور وہ مختہ میری مراد نہ ہوں گے تو میں اس کی تشریع اور اصلاح کر دیں گا۔ ابوالوفا شاہ اللہ امیرسری)۔

پہلے تو مولوی شاہ اللہ صاحب نے صرف اسی قدر عبارت متظہور ہے تک تکمیل تھی۔ جناب مولانا نہیں الحق صاحب کی نظر اس پڑپڑی اور انہوں نے سخت تھائی ظاہر کی کہ کیسی تکمیل ہے؟ تب مولوی شاہ اللہ صاحب نے بعد روک دیکہ بچھلا مضمون پڑھایا۔ اس پڑپڑی کلام ہوا مگر پھر یہ خیال کیا گیا کہ ایسے علماء سے اپنی غلطیوں کا صاف صاف اقرار نہایت مشکل یا کل غیر موجہ ہے یہی غنیمہ ہے کہ ان لفظوں میں اقرار کریں کہ میری یہ مراد ہی نہ تھی۔ میری یہ خیال بھی غلط ہٹھرا سے مجھ کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے فنا کیا ہے

اب فیصلہ سنیے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ الرعبین کے چالیس اعتراضات میں سے فٹ پجودہ اعتراض بجا ہیں۔ یہ پجودہ مقام اور ان کے علاوہ اور مضامات (جو الرعبین میں نہیں لکھے گئے ہیں،) ایسے ہیں جو بلاشبہ مورد الزام ہیں ان میں تفسیر بارائے بھی ہے، حدیث بنوی صلعم کے خلاف بھی ہے۔ سلف صاحبین کے خلاف بھی معنی کئے گئے ہیں۔

جب یہ فیصلہ مولوی شنا اللہ صاحب کے پاس رامر تسلیہ پنا چا تو مولوی شنا اللہ صاحب نے حضرت محاکمین کو خط لکھا کہ اعتراضات مذکور رسالہ الرعبین کے علاوہ مقاماً جو آپ لوگوں نے لکھا ان کی نسبت تو آپ لوگ حکم مقرر نہیں ہوتے۔ ان کے متفرق فیصلہ کرنے کا کیا حق ہے۔ اس پر حضرت محاکمین نے اس تدریجیاً فیصلہ طلب کر کے کاٹ دی۔

یہ بھی سونپنے سمجھنے کی بات ہے کہ اگر ان اعتراضات کے متعلق فیصلہ کرنا مولوی شنا اللہ صاحب نے منتظر نہیں کیا تھا تو اس مضمون کا خط کیوں لکھا کہ ان اعتراضات کے علاوہ کے بارے میں آپ لوگ حکم نہیں قرار پاتے ہیں جس کی ضمنی ولالت اس پر ہے کہ اعتراضات مذکورہ الرعبین میں آپ لوگ حکم ہیں۔ کیا اس کے بعد فیصلہ پر اعتراض کرنا اعتراض نہیں ہے۔

مولوی شنا اللہ صاحب صفحہ ۳۰ میں لکھتے ہیں: "حضرت منصفین کے پرد جو کام کیا گیا تھا وہ صرف اتنا ہی تھا کہ مصنف اہل حدیث ہے یا خارج ہے۔" ناظرین سے استدعا ہے کہ میرابیان اور معابرہ رجھ مولوی شنا اللہ صاحب نے صفحہ ۵ میں درج کیا ہے۔ دونوں کو ملاحظہ کر کے فرمائیں کہ کیا یہ بات صحیح ہے کہ منصفین کے پرد اتنا ہی کیا گیا تھا۔ مجھ کو تو اس موقع میں یہی شعر یاد آتا

لئے یعنی "فیصلہ آرہ" مطبوع مطبع اہل حدیث امر تسلیہ ۱۹۷۵ء (رع، ح)

ہے نکتہ چیز ہے غم دل اس کو ناٹھے نہ بنے
 کیا بٹھے بات جہاں بات بناتے نہ بنے
 پہنچ تیجہ محکمہ کا توہی ہوا کہ مولوی شناور اللہ صاحبؒ کے کتنے سے کاٹ دیا
 کر منصفین کے پر دیر کام ہی دھما۔

اگر مولوی شناور اللہ صاحبؒ فرمائیں کہ میرے تحفظ میں اب حدیث ہونے
 نہ ہونے کی نسبت متطوری ہے اس کے سوا کہ ذکر نہیں ہے تو جواب یہ
 ہے کہ اصل مضمون معابدہ میں جب اعتراضات کے فیصلہ کا مضمون موجود
 ہے بلکہ وہی امر اول قرار پایا ہے تو تحفظ میں اس کا ذکر نہ ہونا کیا مسترد ہے کیا
 مولوی شناور اللہ صاحبؒ کے خیال میں ذکر بعض کا نقی ماعدہ کی کرتا ہے فہذا
 کہا تری۔

مولوی شناور اللہ صاحبؒ کا ایک اعتراض محکمہ پر یہ ہے کہ منصفین نے
 حسب قرارداد معابدہ اگر کلام انبیاء کے جوابات کافی نہ تھے تو مصنف سے
 اور جواب طلب نہیں کئے۔

مجھ کو یہاں پر ناظریں کو اسی قدر سمجھانا ہے کہ جواب کافی نہیں ہونے کا موقع دیکھا
 ہے کہ اہم ثبوت طلب میں متدل کی دلیل کافی نہ سمجھی جاوے دلیل میں کوئی لقصان ہو
 بین الدلائل نہ ہو یا کوئی مقدمہ منظور فیہ ہو دلیل کافی نہ سمجھنے کا مورد وہ نہیں ہو سکتا
 کہ اس کا خلاف ثابت بالبینیہ ہو وہذا امر لا یبعد عن اهل الدلایلہ عین دلہ بھا العناية۔

دوسرے جواب اس کا یہ ہے کہ محکمہ لکھ کر اولاد آپ ہی کے پاس گیا اگر
 جواب کافی دینا تھا تو آپ اپنے جواب منصفوں کے پاس لکھ کر صحیح دیتے۔
 اور اس محکمہ کو طلب جواب ہی قرار دیتے۔ اسی طرح آپ کے نذر اس رجوع
 محکمہ پر ہوئے ہیں، اگر نیک نیتی پر ہوتے تو آپ ان عذر و انکو منصفوں

کے پاس بھیجتے جیسے اپنی تفسیر کے اور مقامات کے متعلق مضمون پر آپ نے منصوفوں کے پاس خذر لکھ کر بھیجا تھا۔

اب محکمہ کے نتا شجع سینے۔ محکمہ نبیر اکی نسبت مولوی شنا، اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ اگرچہ حضرات کے دلائل میں گفتگو کی مجال ہے مگر میں کے ضمیر نے فیصلہ کر دیا کہ یہ واقعی غلطی سہے المذاہیں پڑی فراخ خوصلگی سے اپنی اس غلطی کا اعتراف کرنا ہوں۔^{۲۸}

مجھ سے جو کوئی پوچھے تو ان جملوں کا مقصود اعتراف نہیں ہے بلکہ محض اپنی تعلیٰ اور محکمیں کی تتفییض ہے پھر انہیں گفتگو کر سکتا ہوں۔ (۱) مضمون غلط پڑھی میں ان علماء کے مقابلوں میں گفتگو کر سکتا ہوں۔ (۲) علماء محکمیں مضمون غلط کی غلطی ثابت نہ کر سکے۔ (۳) میں بڑا فراخ خوصلہ ہوں۔ اہل مذاق سمجھتے ہیں کہ درحقیقت یہ اعتراف نہیں ہے بلکہ انکار و وجود آئندہ کا مقدمہ اور پیشی بندی ہے بنابر آپ کے عذرا ت آئندہ کے لیے یہ اعتراف مایہ و ثوق ہو۔

حکم تیوریوں کا تاثر جانا کوئی ہم سے سیکھ جاتے
محکمہ نبیر پر جو مولوی شنا اللہ صاحب نے تخلص کیے ہیں۔ ان کے جواب کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ تصحیح معانی ترکیب وغیرہ پر مقدم ہے اور مولوی شنا اللہ صاحب تصحیح معانی کے متعلق کچھ نہ لکھ سکے جس پر معاکسے کی بنائے ہے۔

مولوی شنا، اللہ صاحب نے اس مقام میں حضرات منصفیں پر ایک نکتہ چینی یہ کی ہے۔ میں نے جزو اضافی کا تلفظ بھی نہیں بولا بلکہ جزو کی تعریف ہی الیسی کی۔ جو واحد منہض پر بھی عمارت آئے خناجہ کلام المبین صفحہ ۲۹ پر ہے کہ

جزد اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی چیز مل کر گل بنتے۔ جزء اضافی تو میں نے نہ بولا ہے نہ میں جانتا ہوں کہ جزء اضافی کیا ہوتی ہے اور حقیقی کیا میں کہ
ناقص علم میں تو جزء کی ایک ہی قسم ہے حقیقی کہیں یا اضافی البتہ جزئی و قسم پر
ہے حقیقی اور اضافی؟ یہ بحکمہ چینی مولوی صاحب کی نیکت نیتی اور اخلاق
کی مبنی دلیل ہے۔ بحلاں لفظی بحثوں کو معنی مجوہ عنہ میں کیا دخل ہے۔
بتدی طالب العلموں کے طریقہ کا اعتراض ہے۔ اب سننے آپ کلام المبین
صفحہ ۴۲ سطرہ میں جز کی تعریف کرنے کے بعد لکھتے ہیں "لیکن کبھی جزء اس
کو بھی کہتے ہیں جو اپنی ذات میں مستقل اور انگل ہو مگر اپنے کل کی
نسبت جز ہو۔" اسی کے مطابق منصفوں نے لکھا ہے کہ مولوی شاند اللہ
صاحب نے لفظ (جز) کے دو معنی بیاراد کئے ہیں۔ اب ناظرین مولوی صاحب
کی عبارت رجو کلام المبین سے میں نے نقل کی، کو ملاحظہ فرمادیں۔ پھر ان کے
حاشیہ کے اعتراض کو دیکھ کر فرمائیں کہ اس میں راستی اور سچائی ہے؟
دوسراء اعتراض مولوی شاند اللہ صاحب کا لفظ اضافی اور حقیقی پر ہے
جو محاکمے میں جزء کی نسبت لکھا گیا ہے۔ آپ کے اعتراض کا کیا مطلب
ہے اگر یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ (حقیقی اور اضافی) جزء کی نسبت میں نے
کسی کتاب میں نہیں پڑھا ہے تو اس کی ضرورت کیا ہے۔ اور اگر مطلب
ہے کہ یہ اطلاق صیغہ نہیں ہے تو کیا جزو کل میں تفاہیں نہیں ہے۔ بات
یہ ہے کہ آپ نے کلام المبین میں جو لفظ را پنے کل کی نسبت جزو بنا ہو
کہا اسی معنی کو منحصر لفظوں میں یوں کہا گیا جزو اضافی یعنی باضافت الی اسکل
تو اس میں کیا محدود رہوا، صورت یہ ہوئی کہ آپ نے جزو کے جزو دو معنی کیے
تھے ان دونوں معنوں کو ان دونوں لفظوں سے تعبیر کیا گیا۔ اس تعبیر میں کون محدود

لازم آیا اور دو معنی اپنے بھی کیے ہیں مخصوصاً متصفوں نے۔

محکمہ نبیر بھی ایسے ہی ہے۔ شاید مولوی شناز اللہ صاحبؑ نے محکمہ تو کیا
اپنے عذر پر بھی غور نہیں فرمایا ورنہ ہرگز اپنا عذر نہیں لکھتے۔ محکمہ کے کامضوں
یہ تھا کہ حضرت مریمؓ کے قول رہومؑ عن اللہ، میں بعض نسبت الی اللہ تھوڑوں
نہیں ہے بلکہ تخصیص بالنسبت ہے جس کا لازم عام ذراائع و اباب کی لفظی
ہے۔ اسی کو سوال جواب کی مطابقت مقتضی ہے۔ مولوی صاحب اس پر
اعتراض یہ فرماتے ہیں ”کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سوال اباب طبعیہ اور
جواب علّتِ بعیدہ سے دیا گیا ہے“ اور اس پر مولوی صاحب دو استشہاد
پیش فرماتے ہیں۔ ایک حضرت زکریا کا قول (انی یکون ی غلام و قد بلغہ
الکبر دام امنی عاقن) اور اس کا جواب کہذا (اللہ یفعن ما یشاء)
دوسرہ استشہاد مولوی صاحب کا یہ ہے حضرت مریمؓ کا قول (انی یکون
لی غلام و لیم عیسیٰ بنتی) اور اس کا جواب (قال ربک هو علی ہیں)
محکومی سمجھ کا آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ مولوی شناز اللہ صاحبؑ کے دونوں جب
استشہاد حضرات محکمین کے قول کے موافق ہیں نہ مخالف اور مولوی شناز اللہ صاحبؑ
کو مضر ہیں نہ مفید کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں سبب قریب لعنی
باپ، کی لفظی نہیں ہے جیسا کہ متصفوں کے محکموں میں مذکور ہے کہ مراد تخصیص
بالنسبت ہے جس کا لازم عام ذراائع اور اباب کی لفظی ہے۔ سبحان اللہ اور
ایسے ہی کیا حضرت زکریا کے قصہ میں سبب قریب (ماں باپ کا جوان اور
قابل ولادت ہونا) کی لفظی نہیں ہے۔ جناب من آپ کا کلام تو صحیح جب ہوتا کہ
آپ کے استشہادات میں سبب قریب کے ہوتے ہوئے سبب بعید
کی طرف نسبت ہوتی تو کیا حضرت مریم علیہا السلام کو مرد نے چھوڑا تھا اور اللہ

نے اپنی طرف نسبت کی اور ایسے ہی کیا حضرت زکریا یہاں بنی بی جوان اور قابل الولادت تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرماتی۔ استغفار اللہ۔ ایسی ہی نافہمی اور بطریق تھی آپ نے اپنی حدیث منقولہ کے بارے میں کی ہے۔ مولوی شاد اللہ صاحب یہاں فرماتے ہیں "اسی طرح اس جگہ اگر بیوال کا مطلب یہ ہوتا ہے جو حضرات نے لکھا ہے کہ اس بڑھوڑی اور برکت سے سوال تھا تو اس کا جواب تو انحضرت صلعم فاطمہؓ سے زیادہ جانتے تھے پھر دلقویں آپ حضرات کے کوئی کہہ سکتا ہے کہ پوچھا کیوں اور سوال کیسا۔ اس لیے یہ تقریر میری سمجھیں نہیں آئی، مولوی شاد اللہ صاحب کی اس تقریر سے مجھ کو حیرت بالائے حیرت ہے نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ مولوی شاد اللہ صاحب نے اتنی بات نہیں سمجھی اور نہ یہ کہا جاتا ہے کہ صرف تقدیمے عناد و تغسف ہے۔ بھلا اتنا کون نہیں سمجھے گا کہ انحضرت صلعم کیا جانتے نہ تھے کہ طرف بھرا ہوا کھانا کھس نے بھیجا ہے یا محض من اللہ برکت ہے۔ نعمود باللہ۔ نامی گرامی علماء کی ایسی تقریریں ہوتی ہیں مولوی صاحب کی ان تقریروں کو دیکھ کر ہر شخص کے گھماکہ محاکمہ نہ رایں جو آپ نے اقرار دیکھی انداز سے ہو) کیا ہے وہ جو فرد شی کے ساتھ گذنم نمائی کے ماندہ ہے محاکمہ نہ رہا پر جو ضمون مولوی شاد اللہ صاحب نے لکھا ہے اس سے نہ محاکمہ کی تروید ہوتی ہے نہ ناظرین کے غلطی میں پڑنے کا اندازہ ہے۔ صرف اس طور پر لکھا گیا ہے کہ کسی کو کچھ لکھ دینا چاہیے۔ مولوی شاد اللہ صاحب اردو بائبل کی ایک بیمارت اپنی سند میں یہاں پیش کرتے ہیں ہر کچھ ذہنی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ موقع استدلال میں اس کا کہاں تک دزن ہو سکتا ہے۔ مولوی شاد اللہ صاحب اس محکمے میں اس جملہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں ان بیانات کے مکار ایسی شرطیں کرتے تھے کہ انسان کی طاقت میں نہ ہو۔ مولوی صاحب کا یہ اعتراض یہ ہے۔ اس قول

کے قائل ہیود تھے اسی یہے تو اس آیت میں ان کو کہا گیا (قد جارکم) رسول
من قبلی بالبینات وبالذی قلتم (الذی قلتم کو الگ بیان کرنے سے
متبا در معلوم ہوتا ہے کہ یہ البینات میں نہیں تخصیص بعد تعمیم کا قائل ہونا بھی مجاہ
ہے) مولوی صاحب کا آخر فقرہ رجوع مارکن ہے، کیا معنی رکھتا ہے۔ سمجھ
یہ نہیں آتا آپ کا ضمنوں یہ ہوا القول بالتفصیص بعد التعمیم مجاز کیا فعل
بھی مجاز و حقیقت ہوتا ہے۔ اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ ذکر خاص بعد العام کے
موقع میں اگر عام سے بھی مراد وہی خاص ہو تو مجاز ہو گا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس
آیت میں یہ کون کہتا ہے کہ البینات سے وہی الذی قلتم مراد ہے عام
اپنے معنی پر ہے اور خاص اپنے معنی پر اور تخصیص بعد تعمیم کا فائدہ تقطیع ہے۔ جیسے
الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام اور یہ صورت مجاز کی شہید ہے۔

محکمہ نمبر ۹ و نمبر ۱۰ مولوی شنا اللہ صاحب کے موافق ہوا ہے۔ محکمہ
نمبر ۱۱ اس میں حضرات منصفوں نے جو مولوی شنا اللہ صاحب کے تفسیر پر گرفت
کی تھی کہ باوجود یہکہ لوح محفوظ کا وجود آپ مانتے ہیں تفسیر میں اس کے معنی حقیقی
سے عدول کرنے کی کیا وجہ ہے اس کو آپ کو بیان کرنا تھا۔ مولوی شنا اللہ صاحب
اب بھی اپنے غذر میں اس کو نہ بیان کر سکے اور نہ یہ بتا سکے کہ اس کی ضرورت
ہمیں ہے۔ مگر مقتضائے خیال سے کچھ تو کہنا چاہیے تو پھر وہی پرانی عبارت
اپنی اسکلام المبین سے یہاں بھی نقل فرمادی۔ محکمہ نمبر ۱۲ اس محکمہ کا ضمنوں یہ
تھا کہ مولوی شنا اللہ صاحب آیت رب يومیاتی بعض آیات سر اب کے اکی تفسیر
میں فرماتے ہیں کہ بعض آیات سے مراد یوم الموت ہے اور اس کی دلیل یہ دی
ہے کہ قرآن میں ہے کہ موت کے دن ایمان لانا مفید نہیں۔ حضرات منصفوں
کہتے ہیں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ موت کے دن ایمان لانا مفید نہ ہو۔

کو لازم نہیں ہے کہ جس دن ایمان مفید نہ ہو وہ یوم الموت ہی ہو۔
 مولوی شنادر اللہ صاحب اس محالکے پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں "حضر تو
 میں نے بھی نہیں کیا۔" میں یہاں پر مولوی صاحب کی عبارات الکلام المبین سے
 نقل کرتا ہوں جس سے حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ مولوی صاحب کی عبارات
 الکلام المبین کے صفحہ ۵ میں یوں ہے "میں نے اس سے مراد الموت کا دن
 لکھا ہے۔" اس جملہ کو پڑھ کر ناظرین انصاف کریں کہ کیا یہ صحیح ہے کہ مولوی صاحب
 نے حصر نہیں کیا۔ دوسرا مضمون اس محالکے کا یہ تھا کہ حدیث بھوی صلی اللہ علیہ وسلم
 (جس کو مولوی شنادر اللہ صاحب مانتے ہیں) عاصت بیان کرنی ہے کہ بعض آیات
 سے مراد الموت نہیں ہے۔ اس مضمون پر مولوی شنادر اللہ صاحب کا اعتراض ہے
 "بھی نقی تو مقنایع فیہ ہے جس کا ثبوت حدیث سے نہیں۔" میں عرض کرتا ہوں کہ
 حضرات منصیفین کی تقریر اس موقع میں یوں ہے: "مفهوم آیت یہ ہے کہ کوئی شانی
 الیسی ہونے والی ہے کہ اس وقت سے ایمان کے قبولیت کا موقع ہی نہیں ہے
 گا یعنی سبب کی خصوصیت اور سبب کا علم اور اس کا خاص دل ہونا مولوں آیت
 ہے جو یوم الموت مرادیت سے حاصل نہیں ہو سکتے ہے۔" مولوی شنادر اللہ صاحب
 کو اس تقریر کے مقدمات پر کلام نہیں ہے اور جب یہ مقدمات صحیح ہیں تو یوم الموت
 کی نقی صاف ہے۔ مولوی شنادر اللہ صاحب کا اس جگہ ایک استدلال اپنی تفسیر پر
 ہے کہ سرابطوا (جو قرآن میں ہے) سے مراد جمورو مفسرین کے نزدیک حدود اسلامی
 کی سمجھانی ہے اور حدیث میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو رباط فرمایا
 گیا ہے۔ میں کیا عرض کر دوں۔ مجھ کو کیا ہر شخص کو ایسی تقریر دوں پر بخست جیرت ہے
 کیا آنسان نہیں معلوم کر رہا تھا میں درمیان تفسیر محبور اور اطلاق حدیثیہ کے عموم خصوص ہے۔
 (جس سے منافات نہیں لازم آتی) اور مولوی شنادر اللہ صاحب کی تفسیر میں یوم الموت

اور طلوع شمس میں تفاصیل ہے۔

تیسیری خامہ فرماتی مولوی ثنا اللہ صاحب نے یہ کہ ہے "بعض آیات کا ایک مفہوم کلی ہے جس کے افراد بے شک کثیر ہیں جسے فتح الیمان کی عبارت (اللّٰهُ تَعْظِيْرٌ هُمْ اذَا يَعْمَلُونَ) رجس کو حضرات نے آئندہ سطھ میں تسلیم فرمایا ہے اور افراد بھی کثیر ہیں کیونکہ ہر ایک کے لیے اضطرار کے اسباب جدا جدرا ہیں پس جب یہ عبارت رالتی تضطہر ہم، باوجود کثرت افراد کے صحیح ہے تو خاک رجھی اپنی تفسیر کی نسبت صحیت کا امیدوار ہے ۲ اولاً بعض الآیات کا باعتبار مراد مسلم کے کلی ہونا غلط ہے۔ دوسرا یہ غلط ہے کہ اللّٰه تَعْظِيْرٌ هُمْ اذَا يَعْمَلُونَ کے ایک چیز کی صفت ہو جیا کہ محلہ کے میں ہے، کے افراد کثیر ہوں۔ تیسرا آپ کے مقدمہ رہر ایک کے لیے اضطرار کے اسباب جدا جدرا ہیں، پر اعتراض بھی ہے پھر اس کو جزو دلیل بنانا مصادرہ نہیں تو کیا ہے۔ پوچھتے حضرات میں کمین نے صاف بتا دیا ہے کہ اللّٰه تَعْظِيْرٌ هُمْ کا مصدق ایک ہے، پھر اس کو مثل اپنی تفسیر کے کہنا غلط اور بالکل غلط ہے کیا ہر شخص کے یوم الموت کا مصدق ایک ہی ہے۔

محکم نمبر ۱۷۔ اس نمبر میں مولوی ثنا اللہ صاحب پر مواجهہ یہ تھا کہ آیت د الوزن یومیذل الحق الایک تفسیر میں وزن اعمال سے انکار ہے۔ مولوی صاحب کا جواب اکلام المبین میں آیا تھا کہ میں نے اپنی تفسیر میں وزن اعمال کی نفی نہیں کی ہے بلکہ چونکہ اور آئیوں میں ارشاد ہے کہ کافروں کے اعمال وزن نہ ہوں گے اس لیے ایسی تعمیم کی ہے جس سے سب آیات میں تطبیق ہو جائے ملک کے نیخاک اگرچہ والوزن یومیذل الحق کی تفسیر اپنے لفظوں میں نہیں ہے۔ جس سے وزن کی نفی ہو مگر خفت وزن کی تفسیر جب اعمال سے وزن کی نفی بصراحت کرتی ہے۔ مولوی صاحب اپنے حاشیہ میں اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ میں نے

خفت کی تفسیر حربت سے جو کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے یہ آیت
کفار و مشرکین کے متعلق سمجھی ہے۔ اولاً مولوی صاحب اس موقع میں یہ نہیں
کہہ سکے کہ یہی تفسیر دینِ اعمال کی نئی نہیں نکلتی ہے۔ دوسرے فتنے
میں کہیں نے یہ آیت کفار و مشرکین کے متعلق سمجھی ہے۔ بھلاکوٹی ان سے
پوچھے کہ قرآن میں اس بحث کو اسی دلواہن میومتنزل الحق کی یہ تفسیر ہے فتن
ثقلت ومن خفت اگر من خفت سے مراد کفار میں تو ان کا بیان رہ گیا ہے
کا وزن اعمال ہو گا اور نقل نہ ہو گا۔ محاکمے میں اس بحث کی لکھا ہوا ہے کہ لا
نفیم نہم بیور القيمة وزن خاص سے مولوی شمار اللہ صاحب کا اتدال صحیح نہیں
کیونکہ اس کا سورہ (الذین قتل شعیهم) خاص ہے لہذا وہ مطلقاً وزن کے منافی
نہیں علاوه وہاں وزن اعمال ہے اور بیان وزن اشخاص۔ مولوی صاحب
آخری فقرہ کی نسبت لکھتے ہیں حضرات کافر نامہ بیوی سمجھی میں نہیں آیا۔ جناب من
مجھ سے اس کا مطلب نہ سنئے اور سمجھتے کہ نفیم نہم بیور القيمة وزنا
میں وزن سے مراد قدر و غرت ہے جلالیں میں ہے اسی لارج نجعل لهم قدرا
و فی الجمل ای جل متزدرا یهم و نستذلهم اور سنئے مولوی شمار اللہ صاحب
نے یہاں پر ایک روایت معالم التنزیل سے پیش کی ہے جس کو ایسے طور پر
لکھا ہے کہ حدیث مرفوع معلوم ہو فرماتے ہیں "تفسیر معالم میں ابوسعید خدی سے
روایت ہے اور قال کالفاظ اڑا دیا ہے اس طرح پر لکھنے میں دھوکا اور ابلہ فری ہے
کہ لوگ اس کو حدیث سمجھیں گے۔ حالانکہ یہ قول صحابی ہے اور وہ بھی بلا اسد۔
مولوی صاحب اپنے اصول میں تو کس زور شور سے لکھتے ہیں کہ تفسیر صحابی اگرچہ
بسند صحیح بھی ہو محبت نہیں ہے اور قول صحابی بلا سند محبت ہو گیا۔ سیان اللہ!
کیا دیانت اور راستی ہے۔

اور سنئے! اسی تفسیر معامل میں اسی جگہ آیت فلا نقیم نہ مر یوم القيمة وزننا کی تفسیر وہی کی ہے جو حضرات منصوفوں نے لکھا ہے کہ وزن انسان مرا دیہے اور اس پر محاورہ عرب کی شہادت نقل کی ہے بعد اس کے حدیث مرفوع بسند اسی معنی میں نقل کی ہے چنانچہ میں پوری عبارت معامل کی نقل کرتا ہوں۔ فلا نقیم نہ مر یوم القيمة وزننا ای لا نجعل نہ مر خطر اد

قدس را یقول العرب ما الفلاح عندك وزننا ای قدس را ختنہ اخیرنا

عبدالواحد الملیحی عن النعیمی احمد بن محمد بن یوسف عن محمد بن

عبدالله ثنا سعید بن ابی مریم انا المغیریة عن ابی السنفاد عن الاعرج عن

ابی هریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا نہ قال لیانی الرحل السعین

لہو القيمة لا یزن عند الله جناح بعوضة وقال اقرزوا فلا نقیم نہ مر

یوم القيمة وزننا۔ یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی کچھ قدر نہ ہوگی

عرب بولتے ہیں فلا نے کا اس کے ہاں کچھ وزن یعنی قدر نہیں ہے اور ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ سے بسند مذکور روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ قیامت کے

دن موٹا ڈبل آدمی آئے گا۔ جس کا اللہ پاک کے ہاں مجھ کے پر برابر بھی وزن نہ ہوگا۔

یہ کہ کفر میا تم لوگ ڈھون فلا نقیم نہ مر یوم القيمة وزننا۔ یہ حدیث صحیح

بنخاری میں موجود ہے۔ دیکھو بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۹۱ مطبوعہ مطبع احمدی۔ میں نے اس

حدیث کو معالم التنزیل سے نقل اس واسطے کیا کہ ناظرین خیال فرمائیں کہ مولوی شاہ اللہ

صاحب کو اس جگہ صحابی کا قول وہ بھی بلا سند رہیں کو خود جبکہ نہیں مانتے، نظر

آیا اور حیث آپے نقل کر ڈالا اور اسی سطر میں حدیث مرفوع آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی تفسیر ان کو نظر نہیں آتی اور نہ محاورہ عرب مسموم ہوا جو صاحب معامل

نے نقل کیا ہے۔ اس جگہ پر مولوی ثنا، اللہ صاحب کو نہ اپنا وہ قول خیال رہا کہ

لغت اور محاوہ عرب کے موافق تفسیر چاہیے اور نہ تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھاڑا ہوا۔ پناہ سکھدا، پناہ سکھدا۔ بات یہ ہے کہ اپنی بات رکھنے کو جہاں جو بن پڑا مکھ مارا۔ اس اقتضاف کو ناظرین خوب غور سے دیکھیں کہ علماء الحدیث کی یہی شان ہے؟ کیا صاف صاف یہ تفسیر بالارتے نہیں ہے جس کی نسبت حضرات منصیفین نے اپنے محاکم کی ابتدائیں ہی اشارہ کیا ہے اور جتا دیا ہے و دیکھو محاکمہ آرہ صفحہ ۱۴۷ وہاں پرمولوی شنا، اللہ صاحب نے بھی تفسیر بالارتے ہونے کا گویا اقرار کر لیا ہے۔ دیکھو اسی صفحہ میں ان کا حاشیہ۔

محاکمہ نمبر ۱۶ اور نمبر ۱۷ میں خدا خدا کر کے مولوی شنا، اللہ صاحب نے اعتراض کیا ہے لفظوں میں ہو) کیا ہے اور اصلاح کا وعدہ کرتے ہیں۔ محاکمہ نمبر ۱۸ پرمولوی شنا، اللہ صاحب کا اپرا صرفت یہ ہے کہ سدۃ المنتہی کے متعلق مولوی شنا نے حجۃ اللہ الbalaghہ کی ایک عبارت نقل کر کے ترجمہ فرمایا ہے میں اس موقع میں مولوی صاحب سے اولاً یہ پوچھتا ہوں کہ آپ کی منقولہ عبارت عربی کی لغت اور محاوہ ہے یا کوئی آیت قرآنی ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال تفسیر صاحبہ کی نسبت تو آپ لکھتے ہیں کہ لغت اور محاوہ کے خلاف ہے توجہت نہیں ہے۔ حجۃ اللہ الbalaghہ کی اس سے بڑھ کر ہے جس کے مقابله میں لغت محاوہ عرب کچھ نہیں دیکھا جاتا اور سبکے خلاف آپ صحبت مانتے ہیں؛

ع
بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا پہ کجا
سے ہم بھی قائل تیری نیز بھی کے میں یاد رہے
او زمانہ کی طرح رنگ بدلنے والے

دوسرے شنا، صاحب کی عبارت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سدۃ المنتہی درخت نہیں ہے۔ آپ کی عبارت منقولہ کا مقتضاصرف یہ ہے کہ صورت اس

کی درخت کی ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے جیسا کہ وہاں پر اور چیزوں کی سورت اور حقیقت کا بیان ہے جیسے شق صدر، براق پر سوار ہونا، انبیاد کی ملاقات آسمانوں پر جانا، حضرت موسیٰ کارونا۔ تو کیا شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ ان سب کا وجود نہیں ہوا۔ ہرگز نہیں چنانچہ مولیٰ شناذر اللہ صاحب کو اس کا خیال ہوا۔ لہذا امزید خور کرنے کا وعدہ خود اپنے عاشیہ میں کرتے ہیں۔ فاعتبو وایا اولیٰ الابصر۔

الراقم، محمد صدیق مظفر پوری مرداوی (ڈاکخانہ پوری)۔

(ضمیر ضیاء السنة، ۹ شعبان ۱۴۲۳ھ)

قاضی صaan اور سلطان ابن سعوہ مک ابجاذ

قاضی صاحب حج بیت اللہؐ سے بھی مشرف ہوئے آپ نے بعد اپنی اپنیہ متحمرہ حج کیا۔ اس وقت کے سلطان ابن سعوہ مرحوم سے بھی بعیت دیکھ لاما ملاقات ہوتی۔ سلطان موصوف نے بدوار ان گفتگو کہا کہ میں نے ایک مسئلہ میں استفتہ علمائے حرمیں سے کیا۔ اس کے متعلق جو فتویٰ علمائے سنجمنے دیا وہ مجھے پہنچا۔ لیکن جو فتویٰ میرے اپنے قاضی نے دیا وہ مجھے پہنچا آیا ہے۔ چونکہ پہلی ملاقات تھی اس وقت تو آپ چپ رہے لیکن دوسرے روز حبیب سلطان موصوف سے پھر ملاقات ہوتی۔ تو آپ نے سلطان سے کہا کہ میں آج تک کچھی بھی کسی سے نہیں ٹڑا اور آپ سے غالباً یہ آخوندی ملاقات ہے۔ اس لیے میں اپنے آپ پر یہ الزام نہیں چھوڑنا چاہتا کہ لوگ کہیں کہ عبدالاحد سلطان ابن سعوہ سے ڈر گیا تھا۔ اس لیے گزارش ہے کہ کل جس فتویٰ کو آپ نے ناپسہ کیا وہ صحیح ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں۔ یہ

کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے ایک گھنٹہ تک آپ پر جوش تقریر عربی میں کی اور مولوی شناوال اللہ صاحب کے اعتقادات کا ذکر اس ضمن میں آگیا۔ سلطان آپ کی تقریر حیرانی سے سن رہا تھا اور تجھب کر رہا تھا کہ شخص کیسا جگہ ہے جو مجھ سے اس طرح خطاب کر رہا ہے جس طرح ایک معمولی آدمی سے کہا جاتا ہے اور میرا رب اس پر بالکل نہیں پڑا۔ حالانکہ بڑی بڑی سلطنتوں کے سفراء جب میرے سامنے آتے ہیں تو میرا رب ان پر نمایاں ہوتا ہے۔ سلطان نے آپ کی تقریر سننے کے بعد آپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ”عقیدہ مُشاعقید تک“ یعنی میں آپ سے اس بارہ میں متفق ہوں اور میرا عقیدہ وہی ہے جو آپ کا ہے۔ اس کے بعد جب آپ کی دلیری کا ذکر بعض ہندوستانی اصحاب سے کیا اور اس پر تجھب کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا کہ کیا ہندوستان میں رجو انگریزوں کے قبضہ میں ہے، بھی ایسے علماء موجود ہیں جو اس قدر بہادر اور نذر ہوں۔ تو آپ کو بتایا گیا کہ قاضی صاحب ہندوستان میں بھی باطل کے مقابلہ میں اور اسی طرح خن کی حمایت میں ہمیشہ نذر اور بیاک رہے ہیں۔

واپسی کے وقت سلطان موصوف نے آپ کو خلعت پیش کی اور آپ کی اہلیت محترمہ کے لیے ایک سونے کی کھڑی بطور تحفہ عنایت کی اور اپنی موڑ میں سوار کر کے چدہ تک پہنچانے کا حکم دیا۔

سلطان صاحب موصوف کے ساتھ بوقتِ ملاقات جو گفتگو ہوئی اور جو تقریر آپ نے سلطان کے سامنے کی۔ آپ نے وطن واپس آنے کے بعد اُسے ایک رسالہ کی شکل میں قلمبند کر کے شائع کر دیا اور اس کا نام

الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ بین اہل السنۃ و بین الجہمیۃ الثانیۃ
اور وہ سارا ماجرا اس میں مفصل طور پر بیان کر دیا۔

قاضی صانا اور سردار محمد ایوب خان سابق امیر افغانستان

سابق امیر کابل سردار محمد ایوب خان راولپنڈی میں سلطنت انگلشیہ نے
نظر بند کئے ہوتے تھے۔ آپ کے قافلہ میں ایک افغانی عالم اور قابل افغانی
لبیب بھی موجود تھے۔ امیر صاحب کے کام میں ایک چھوڑا نکل آیا۔ سول
سرجن نے کہا کہ اس کا اپریشن حکما ناظر و ری ہے۔ امیر صاحب اپریشن کرنا نہیں
چاہتے تھے۔ انہوں نے اہل مجلس سے کہا کہ کوئی ایسی صورت ہو کہ میرا
علاج بغیر اپریشن ہو جائے تو بہتر ہو گا۔ ایک صاحب نے امیر صاحب سے کہا کہ
اگر آپ قاضی عبد الواحد صاحب کو بلا ٹین تو امید ہے وہ آپ کا علاج بغیر
اپریشن کے ہی کر دیں گے۔ وہ بڑے حافظ حکیم ہیں۔ امیر صاحب نے کہا انہیں
ضرور بلا لاؤ۔ آپ جب امیر صاحب کے پاس پہنچے تو امیر صاحب نے
کہا کہ آپ کو اس عرض کے لیے تکلیف دی گئی ہے کہ میری اس شکایت
کا علاج بغیر اپریشن کے ہو جائے۔ آپ نے جواباً کہا کہ ”میں یونانی حکیم ہوں۔
میں جراح نہیں ہوا۔ میں آپ کو کھانے کے لیے دوادے دوں گا۔ ان شاء اللہ
اس کے کھانے سے یہ شکایت جاتی رہے گی۔ امیر صاحب نے کہا، میں خدا
سے اور کیا چاہتا ہوں؟ آپ دواعنایت فرمائیں۔ آپ نے چند جو ب
اگویاں) امیر صاحب کو کھانے کے لیے دے دیں۔ چند روز میں امیر صاحب
بالکل صحت یاب ہو گئے۔ امیر صاحب بڑے خوش ہوئے اور آپ کو نذر از
کے علاوہ خلعت سے بھی نوازا۔ اور فرمایا کہ آپ مستقل طور پر بیرے خاندان

کی طبی خدمات قبول فرمائیں۔ اب سے قاضی صاحب ان کے خاندان کے خاص طبی مشیر مقرر ہو گئے۔ اور امیر صاحب کی مجلس میں آمد و فتح شروع ہو گئی۔ بعد میں سول سرجن صاحب تشریف لائے۔ امیر صاحب کو بالکل صحبت یا ب دیکھ کر دریافت کیا کہ آپ نے کس سے اپرشن کرالیا۔ امیر صاحب نے کہا کہ میں نے تو ایک حکیم صاحب سے علاج کرایا ہے۔ انہوں نے کھانے کے لیے دوادی میں تدرست ہو گیا۔ یعنی اپرشن بالکل نہیں ہوا سو سرجن صاحب نے تعجب سے کہا کہ بغیر اپرشن یہ مصبوڑا کیسے زائل ہو گیا۔ امیر صاحب نے کہا دیکھ لو! میں بالکل صحبت یا ب دیکھ کا ہوں۔

قاضی صاحب کا اصل مشن تو اشاعت دین تھا۔ امیر صاحب تک رسائی کا سامان تقدیرت نے کر دیا۔ علمی مباحثت بھی ہونے لگے۔ اور سردار ابو بخار خاں کے ول پر آپ کے علمی کمال کا بھی سکتمظید گیا۔ مولانا سید عبد الجبار صاحب غزنوی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ قاضی عبد الواحد صاحب نے امیر محمد ابو بخار خاں کو وہ پاتیں سنائیں جو اس کے باپ دادا نے بھی کبھی نہ سنی ہوں۔

مجلس میں علمی مباحثت پیش آتے تو امیر صاحب کے خاص اخناظ عالم صاحب کی آپ کے سامنے پیش نہ جاتی اور امیر صاحب ہیران ہوجاتے لیکن پونکہ شاہی دماغ رکھتے تھے مجیت کی قطعیت دیکھ کر قائل ہوجاتے ایک وفعہ آپ نے امیر صاحب سے کہا کہ اگر تجیر پڑھ کر بنندوق چلانی جاتے تو شکار بغیر ذبح کے حلal ہے۔ اس وقت تو ان کے مولوی صاحب نہ بولے۔ لیکن قاضی صاحب کی عدم موجودگی میں ایک کتاب فقدر کی بتائی اور کہا یہ دیکھو! اس میں لکھا ہے: "بنندق سے اگر جانور مرجائے تو حلال نہیں۔" میر صاحب نے

بوقتِ ملاقات قاضی صاحب سے کہا کہ میرے مولوی صاحب نے مجھے کتاب سے نکال کر مسئلہ بتایا ہے کہ آپ کا بتایا ہوا مسئلہ صحیح نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ مولوی صاحب نے کیا فرمایا۔ امیر صاحب نے کہا کہ کتاب سے عبارت ٹھیں جس میں لفظ "بندوق" پڑھ کر سنایا اور کہا کہ لکھا ہے کہ بندوق سے جو شکار کیا جائے وہ بغیر ذبح حلال نہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا ہو مولوی صاحب سے پوچھنا کہ بندوق کس سن میں ایجاد ہوتی ہے اور وہ کتاب کس سن میں تصنیف ہوتی۔ جب وہ کتاب لمحی گئی محتی اس وقت تک تو بندوق ایجاد ہی نہ ہوتی محتی اور "بندوق" تو اس گول پتھر کو کہتے ہیں جو غلیں میں رکھ کر مارا جاتا ہے۔ وہ ہڈی توڑ دیتا ہے اور اس سے خون کا نکلنابھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس میں تو اختلاف باشکل نہیں۔ ہم بندوق کے چھپہ کی مار کو "تیر" پر قیاس کرتے ہیں اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ اگر خدا کا نام لے کر تیر چلا یا جائے، جس سے کوئی جانور بلاک ہو جائے تو وہ بغیر ذبح باشکل حلال ہے۔ امیر صاحب نے فرمایا: باشکل بجا۔ میں شکاری ہوں اور میں جاتا ہوں کہ چیزہ کی مار باشکل تیر کی طرح ہوتی ہے۔ مولوی صاحب کو امیر صاحب نے مسترد کر دیا۔

ایک مرتبہ امیر صاحب کے گھر میں ایک شیرخوار بچہ بیمار ہو گیا۔ امیر خدا نے اپنے حکیم صاحب سے کہا کہ قاضی صاحب کو ضرور مشورہ میں شرکیک کرنا۔ دونوں نے جا کر مرضیں کو دیکھا۔ افغانی حکیم صاحب نے ایک نسخہ تجویز کیا۔ جو ایک بڑے کاغذ پر چھپا یا ہوا تھا۔ اور وہ نسخہ حسب ہدایت امیر صاحب، قاضی صاحب کو بھی بتایا جس میں پندرہ میں اجزاء سمجھتے۔ قاضی صاحب نے نسخہ دیکھ کر فرمایا: نسخہ تو بہت عمدہ ہے لیکن چونکہ بچہ بہت چھوٹا ہے۔ اتنے

اجز اروالا نسخہ شاید برداشت ذکر کے اور اسی کاغذ پر صرف تین اجزاء پر مشمول ایک نسخہ کچھ کر حکیم صاحب کو دھلا دیا۔ اور کہا کہ اگر مناسب سمجھیں تو یہ نسخہ پتار کر کر دیں۔ حکیم صاحب نے بھی اس پر صاد کیا اور سچھ شفایا بہو کیا۔ ایک مرتبہ آپ امیر صاحب کے پاس گئے۔ دیکھا کہ افغانی مولوی صن انبیاء ایک کتاب پڑھ کر سننا ہے تھے۔ ایک فقرہ آپ کے کان میں پڑھ گیا مولوی صاحب تو آپ کو دیکھ کر چپ ہو گئے۔ پہنچتے ہی تو پ نے امیر صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب آپ کو ایک عجیب مسئلہ سن رہے تھے۔ جو آتے آتے میرے کان میں بھی پڑھ گیا۔ چونکہ امیر صاحب کی اس مسئلہ پر توجہ بندول ہی نہ ہوتی تھی۔ قاضی صاحب سے کہا کہ میں نے تو کوئی بات سنی ہی نہیں۔ آپ فرمائیں کہ وہ کیا بات ہے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب آپ سے کہہ رہے تھے کہ لوں نہ کو کہ خدا آسمانوں پرستے کیونکہ اس صورت میں زمین کا کام معطل ہو جائے گا اور یہ بھی نہ کہو کہ خدا زمین پرستے کیونکہ اس صورت میں آسمان کا کام معطل ہو جائے گا۔ انگریزوں کا باادشاہ لیندن میں ہے اور ہندوستان میں اس کی حکومت کا کام تو بخوبی چل رہا ہے تو کیا خدا انگریزوں کے باادشاہ سے بھی زیادہ کمزور ہے کہ اس کے آسمان پر ہونے سے زمین کا کام معطل ہو جائے گا انگریزوں کے باادشاہ کا کام باوجود اس بعد کے بخوبی چل رہا ہے امیر صاحب بحث ملے اٹھئے۔ مولوی! یہ مسئلہ بہت غلط ہے اسے کتاب سے نکال ڈالا اور یہ درق جمل میں یہ درق جس میں یہ مسئلہ درج ہے۔ اُسے پھاڑ دو۔ وہ درق مولوی صاحب سے پھر واکرہ ملیا۔ امیر صاحب کو انگریزوں نے راولپنڈی سے لاہور میں منتقل کرنے کا حکم کر دیا۔ اسی کام کے ساتھ اس نے راولپنڈی سے ساتھ اسٹریٹ کر ڈالا۔ آپ نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ اسٹریٹ پر چلیں۔ آپ نے کہا آپ تو انگریز کے قیدی ہیں۔ میں تو بھی کا قیدی نہیں۔ خدا جانے وہ تمیں کہاں کہاں بے جانیں گے تو کیا میں بھی ہمیشہ کے

لیے غریب الوطن بن جاؤں یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ امیر صاحب نے قاضی صاحب کو خوشنودی کا سر ٹیکیکی عنایت فرمایا اور لامہوڑے چلے گئے۔

لامہوڑے کے بعد موسم گرم میں امیر صاحب کو ڈلوڑی جانے کی اجازت مل گئی چونکہ وہ قاضی صاحب کی مجلس کو اپنہ کرتے تھے۔ آپ نے لامہوڑے سے قاضی صاحب کو لے جا کر اگر آپ یہ موسم گرم باہم رے ساتھ ڈلوڑی میں گزاریں تو عنایت ہو گی اور تم آپ کی مجلس سے مستفید ہوں گے قاضی صاحب نے یہ پیش قبول کر لی اور گھر والوں کو خان پور چھوڑ کر ڈلوڑی چلے گئے۔

قاضی صاحب اور پرینگادی

ڈلوڑی میں امیر صاحب کے قافلے میں ایک پیر بندہ اور بھی تھے۔ اس نے ایک مرتبہ بندہ اور تشریف لے گئے تھے دہائی سے انہیں یہ پیر صاحب بطور تحفہ عطا کئے گئے تھے۔ پیر صاحب کا وظیرہ یہ تھا کہ جب کبھی مجلس میں تشریف لاتے تو یہ نعروہ باہم بندہ الا پتے:

”بر شیر اش رُف دار سگ در بار جیلانی“

وقت بے وقت یہ نعروہ سنتے سنتے قاضی صاحب کو خیال دامن گیر ہوا کہ پیر صاحب کا یہ نعروہ کسی طرح بند کیا جائے۔ لیکن اس کے لیے کسی موزوں موقع کی تلاش میں شے۔ پیر صاحب بھی آپ کی علمیت سے مرعوز تھے۔ جب کبھی باہر ملاقات ہوتی تو فرماتے ”انت دھابی انا دھابی“ یعنی اگر تم دھابی ہو تو میں بھی دھابی ہوں۔ غرض یہ تھی کہ قاضی صاحب کو اپنا ساتھ بنایا جائے تاکہ وہ کسی وقت ان کی مخالفت نہ کر سکیں۔ ان سے بحث کی طاقت تو نہیں۔ لیکن قاضی صاحب دل میں کہتے تھے کہ مجھے موقع ملنے

دو میں تمہاری نہرے کرچھ پڑوں گا۔

ایک دن قاضی صاحب کو موقع ہاتھ آہی گیا۔ امیر صاحب کی مجلس نے طول کھینچا اور مجلس شام تک جاری رہی۔ شام ہوئی تو امیر صاحب تو انٹھ کر چلے گئے لیکن جاتے وقت اپنے بیٹوں اور وزیر صاحب سے کہ گئے کہ قاضی صاحب کو جانے نہ دینا اور کہنا کہ آپ آج کھانا یہاں ہی کھائیں گے۔

قاضی صاحب انٹھ کر جانے لگے رکونکہ آپ کے کھانے کا انتظام علیحدہ اپنے ڈیرہ پر ہی تھا، تو امیر صاحب کے بیٹوں اور وزیر صاحب نے کہا کہ آپ نہیں جا سکتے کھانا تناول کر کے تشریف سے جانا۔ رکونکہ امیر صاحب تأکیداً فرمائے ہیں کہ آپ اس وقت کا کھانا یہاں ہی تناول فرمائیں گے۔

مجلس میں وزیر صاحب اور امیر صاحب کے فرزندان ولواحقین کے علاوہ مولوی صاحب افغانی بھی موجود تھے لیکن اتفاقاً پیر صاحب بغدادی غیر حاضر تھے۔ قاضی صاحب نے یہ موقع غنیمت جانا۔ جب دسترخوان بچایا گیا تو قاضی صاحب نے مولوی صاحب کو جو آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے مخاطب کر کے بنسی ہنسی میں کہا:

”مولوی صاحب! بات یہ ہے کہ آپ لوگ پیر عبدال قادر جیلانی کو خدا سے بڑا سمجھتے ہو۔“

مولوی صاحب: ”معاذ اللہ! یہ بالکل غلط ہے۔“

قاضی صاحب: ”میں ابھی ثابت کر دیں گا کہ آپ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔“

مولوی صاحب: ”آپ یہ بات ہمارے متعلق کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔“

قاضی صاحب : ابھی ظاہر ہو جائے گا۔ یہ تو فرمائی شے کہ کتنا اگر کسی برتن میں نہ رہا وہ تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

مولوی صاحب : اتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے، پھر پاک ہو گا۔

قاضی صاحب : (دروازے کی طرف اشارہ کر کے) مولانا دیکھئے۔ وہ ایک کتابھڑا پیے اور وہ خدا کا کتاب ہے وہ اگر ادھر آنے لگے (جمال کھانا چھا ہوا ہے) تو آپ جمال جو تے پڑے ہوئے ہیں۔

اس سے پرے ہی اُسے دھنکار کر مجھ کا دیں گے۔ اور اندر نہیں آنے دیں گے۔ اور جیلانی کا کتا ہر روز تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھاتا ہے۔ اس سے آپ کو کوئی نفرت نہیں تو کیا آپ نے اُسے خدا کے کتنے پر ترجیح دی یا نہ اور جیلانی کو خدا سے ٹرا سمجھا یا نہ۔ جیلانی کے کتنے سے تو کوئی نفرت نہیں اور خدا کے کتنے سے نفرت ہے۔ بتاؤ میں ٹھیک کہت تھا یا نہ؟

یہ بات سنتے ہی نام مجلس سہنسی سے لوٹ پورٹ ہو گئی۔ دوسرے روز جب امیر صاحب باہر شریف لائے تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے ان سے کہا کہ آج رات قاضی صاحب نے ایسی بات کہی جس سے سب اہل مجلس سہنسی سے لوٹ پورٹ ہو گئے۔ امیر صاحب نے کہا: وہ بات مجھے بھی سنا وہ حسب اُنہیں وہ بات سنا تیکھی تو وہ بھی سہنسی پر قابو نہ پاسکے اوکھلا کر سہنس پڑے۔

تمہودڑی دیر بعد پر یغداوی بھی مجلس میں آگئے۔ اور حسب عادت چلا کر تحریر لکھا یا بر شیراں شرف ولیوں سکے دربارِ جیلانی اُتھاں اہل مجلس کھاکھلا کر

ہنس پڑے اور امیر صاحب بھی خوب ہنسے۔ پیر غفاری شش شد رہ گیا۔ سخت چیران ہوا کہ میرے نعرو پر یہ سب لوگ آج کیوں ہنس رہے ہیں۔ امیر صاحب نے ان کی دلداری کے لیے ایک اور واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ وہ بات اس وقت مجھے یاد آگئی تھی، اس لیے ہنسی آگئی۔ اس طرح پیر صاحب کو تسلی دینے کی کوشش کی آپ پر کوئی نہیں ہنسا۔

لیکن باوجود اس کے پیر صاحب کے دل میں کھٹکا پیدا ہو گیا۔ مولوی افنا فی نے جو دل سے قاضی صاحب کے مخالف تھے۔ راگہ بظاہر کچھ چکر سکتے تھے، پیر صاحب کو کہہ ہی ویا کہ تم تھاری بڑی میں یہ تھہر قاضی عبد الاعد رضا نے ڈالے ہیں اور رات کا سارا واقعہ ان کو سنادیا۔

رہائش گاہ میں پیر صاحب آپ کے پڑوی تھے اور ساتھ دائے کمرے میں مقیم تھے۔ یہ باتیں رات کو سنتے کے بعد آپ کے کمرے میں گئے اور وہی کیا کہ آپ نے یہ باتیں کی تھیں۔ ویکھیں میرے آپ کے ساتھ دوستاز تعلقات تھے۔ آپ نے ان کا سماں نہ رکھتے ہوئے میری سخت کامان میا کیا۔ قاضی صاحب نے کہا۔ دوستاز تعلقات اور ہیں اور دینِ الہی کا تقاضا کچھ اور ہے۔ مسلمان کی صفت قرآن شریف میں یہ بیان ہوتی ہے: *الذین يذکرون الله قياماً وقعداً و على جنوبهم حوا الایة* (مسلمانوں کی یہ صفت ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے یا لیٹھے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں) اور تم تھارا حال یہ ہے ایک دن بھی تم نے نہ اللہ اکبر کہا نہ کا اللہ اکا اللہ اور نہ سبعان اللہ۔ میری ایمانی غیرت یہ خدا فراہم وی برداشت نہ کر سکی۔ تم کسی وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی لے لیا کرو۔ اس کے پاس اس کا کیجا جواب تھا تیجہ

یہ ہوا کہ پیر لعندادی کا یہ نعمہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کو اس کی جزا مئے خیر دے، آئیں۔

مالفین نے ایک الزام قاضی صاحب کے خلاف یہ تراشہ امیر محمد ایوب خان تھا کہ تم کو امیر ایوب خان نے اپنی ملازمت سے علیحدہ کیا اور تم وہاں سے رسو ا ہو کر نکلے۔ مذکورہ بالادعات سے اس بہتان کی قلعی کھل جاتی ہے، علاوہ ازین امیر ایوب خان مرحوم موصوف کو جب لاہور میں پیر صاحب گولڑہ اور قاضی صاحب کی باہمی آوریزش کا علم ہوا تو فرمایا۔ پیر بیار غلطی کروہ است، مانند اور قاضی صاحب) عالمیے درہندوستان ندیدم، او پیر بیار خراب خواب کرود؛ یعنی پیر صاحب نے قاضی عبدالاحد صاحب کے ساتھ ابھنسے میں بڑی غلطی کی ہے۔ وہ پیر صاحب کو سخت زک پہنچائیں گے۔

کیونکہ ان جیسا عالم میں نے ہندوستان بھر میں نہیں دیکھا)

مناسب ہو گا کہ یہاں امیر صاحب موصوف کا وہ شریکیت نقل کر دیا جائے جو موصوف نے اپنے لاهور جانے سے پیشہ قاضی صاحب کو محنت فرمایا اور وہ یہ ہے:

فرمایا اور وہ یہ ہے:

مورخ ۱۲ مارچ ۱۹۰۳ء

چوں ہفت سال مولوی حکیم قاضی عبدالاحد خان پوری باما ملزم بود، از معاملجات او والٹر گردیدہ کرمولوی موصوف در علم طب بیار تعلیم یافتہ در علم طب ابتدی یونانی چہ عربی و چہ فارسی مہارت کامل از اذ از معاملجات مولوی عبدالاحد در مدست ملازمت اور ارضی دخوشند بودیم لہذا تحریر می شود۔ اگر اشخاص مغزرا طبیب لائق در طب لونانی لازم باشد البته از خدمات مرجع مولوی موصوف راضی خواہند

شد۔ محمد الیوب (مدفون البھی صک) خلاصہ یہ ہے کہ امیر صاحب موصوف آپ سے خوش رہنے اور آپ کی قابلیت کے معترف۔

قاضی صنا اور راجہ جہانزادہ دخان چھیف آف گلکھڑ مرحوم

فی الفین نے ایک مرتبہ یہ بڑھی بانجھی کہ قاضی صاحب کو ایس مرتبہ لے
 اہ راجہ جہانزادہ دخان مرحوم چونکہ قاضی محمد حسن صاحب کے خاص انخاص شاگرد تھے اس لیے حسب ہدایت اپنے اتا و صاحب نے حضرت عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم کی بیعت سے بھی مشروف ہوئے جن کی بیعت میں یہ اقرار کرنا پڑتا تھا۔ شرک سخواہم کرو، بدعت سخواہم کرو، رسم سخواہم کرو۔ یعنی شرک نہ کر دیں گا، بدعت نہ کروں گا، رسم نہ کروں گا۔ سبحان اللہ ایسے جامع الفاظ ہیں۔ جب کبھی راجہ صاحب مرحوم کے پاس حدیث پیش کی جاتی تو فوراً فرماتے "ہمارا توحیدیت پر ایمان ہے۔ ایسی سی سے لے کر دشمن کو نج کے عدوں پر فائز رہے، فرمایا کرتے تھے۔" یہ حضرت عبد اللہ صاحب کی بیعت کی برکت ہے کہ میں اپنی زندگی میں ان چار عیوب سے محفوظ رہا اور مختار برا (۱) میں نے زنا ہرگز نہیں کیا۔ (۲) میں نے رشوت کبھی نہیں لی۔ (۳) میں نے شراب کبھی نہیں پی۔ یہ کہ گلاس میں پڑی ہوئی بھی بھی نہیں دیکھی۔ بند بوتوں کی قسم نہیں اٹھا سکتا کیونکہ سیمھوں کی دکانوں پر جانا ہوتا ہے۔ دہائیں اس نجییت چیز کی تولیں نظر آہی جاتی ہیں اور (۴) میں نے مقدمات میں شمارش کسی کی بھی نہیں سنی۔ اور جو حقیقی بھاوا ہی فصلہ میں نے بغیر روغایت کے کیا ہے۔

راجہ صاحب موصوف کا اک مقدمہ عدالت میں اپنے بھائیوں کے ساتھ تھا۔ سوال یہ تھا کہ فرلیقین میں سے کون چھیف آف گلکھڑ ہونے کا مستقیم ہے۔ (باتی خالیہ کے صدر پر)

جماند اخان مرحوم نے موضع "سرداں" میں پیٹا تھا۔ اس کا دنہان شکن جواب

باقیہ حاشیہ: آپ کے مقابلے میں ایک دستاویز عدالتیں پیش تھیں۔ آپ نے حضرت عبد اللہ صاحب کی خدمت میں خط لکھ کر درخواست دعا برائے کامیابی مقدمہ کی کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس لقب کا محتق سمجھتے تھے۔ عبد اللہ صاحب کی طے سے جواب آیا کہ تم دعا کرتے ہیں۔ لیکن تم اس دستاویز کو غور سے دیکھو جو تمھارے خلاف پیش کی جا رہی ہے۔ راجہ صاحب عبد اللہ صاحب کے عدد درج عقیدہ تقدیر تھے۔ آپ نے سوچا کہ جب عبد اللہ صاحب نے بغیر جملانے اس بات کے کہا ایک دستاویز ہمارے بال مقابلہ پیش ہے۔ یہ لکھا ہے تو ضرور اس دستاویز کا ملاحظہ کرنا چاہیے۔ جب عدالتیں پیش ہوئے تو انگریز حج سے کہا کہ مجھے اس دستاویز کے دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ رجح نے کہا یہ تو سراسر آپ کے خلاف ہے جیک دیکھ لیں۔ لیکن مجھے اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ راجہ صاحب نے مل اٹھا کر اس دستاویز کو لببور اس طرح دیکھنا شروع کیا کہ اس کا ایک ایک نقطہ لببور دیکھا اور چوں کہ اس پر بہت سی مرسی راجہ گانی کی بھی لگی ہوئی تھیں۔ آپ نے ایک ایک مبرکو بھی لفود دیکھنا شروع کیا۔ الفقاً ایک مہر پر جب نظر پڑی تو راجہ صاحب نے اللہ اکابر کا نعرہ اس زور سے لگایا کہ رجح صاحب بھی بدل گئے اور کچھ تھیں میں حاضرین نے عدالت کا کمہ لیکھ لیا۔ کیونکہ راجہ صاحب ڈرے جہیں الصوت تھا اور ان کی آواز تم احاطہ عدالتیں گوئیں رجح نے گھبرا کر کہا۔ راجہ صاحب آپ کو کیا ہو گیا۔ کہ آپ نے یہ نہواں زور سے مارا ہے؟ راجہ صاحب نے کہا مجھے ذرا آرام کرنے دیں۔ میرے دل کو سکون آجائے پھر فصل بتاؤں گا۔ عدالت نے کہا۔ آپ کرسی پر بیٹھ جائیں اور تسلیم حاصل کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد راجہ صاحب نے عدالت کو متوجہ کر کے کہا کہ یہ دستاویز جعلی ہے اور یہ بات میں اسی وقت ثابت کر راقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

**تحقیقی اور اسلامی آپ نے مدفع الہی میں دے دیا کہ گلھٹر خاندان ایک
بقیہ حاشیہ: سکتا ہوں ”نج نے جیرانی سے پوچھا یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ یہ دستاویز
تو بڑی مستند معلوم ہوتی ہے راجح صاحب نے وہ دستاویز نج کے سامنے رکھ کر کہا:
”دیکھیئے جواب یہ مہر۔ اس پر سو جو کندہ ہے اسے بھی دیکھیں۔ مہر سن میں
بنتی ہے۔ وہ ہی سی اس میں کندہ کیا جاتا ہے۔ پھر آپ اس دستاویز کی تاریخ تحریر
دیکھیں۔ یہ غیر اس دستاویز کی تاریخ تحریر سے دس سال بعد بخواہے جو مہر ہی بی دی
سال کے بعد ہے وہ اپنی بتا دش سے دس سال پہلے اس دستاویز پر کیسے لگ
گئی؟ درحقیقت فرقی مخالف نے یہ دستاویز تیار کر کے راجحگان کے گھروں سے
جتنی مہریں انہیں ملیں اس پر چاپ کر دیں۔ اب اس مہر نے اس دستاویز کا بجانب اچھو
دیا ہے۔ نج نے کہا بات تو محتقول ہے۔ فرقی مخالف سے پوچھا۔ تمہارے پاس
اس کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا؟ مقدمہ راجح صاحب کے
حق میں فیصل چھوا۔ ساتھ ہی حضرت عبد اللہ صاحب کا کشف اور کرامت بھی ثابت
ما و رمضان کے آخری دنوں میں**

راجح صاحب اموصوف کی عمر کا آخری دن

آپ اپنے اجابت سے ملاقا
کرنے پڑا ورگئے۔ والپی عید القطر کی صبح کو ہوتی۔ لیکن گھر جانے سے پیشتر آپ
سید ہے عیدگاہ میں پہنچے جس کی چار دیواری آپ ہی نے بنوائی تھی۔ ہمارے والد قاضی
محمد صاحب مر جوم عیدگاہ میں موجود تھے اور حسپ مہول نماز عید اخنوں نے پڑھائی تھی۔
راجح صاحب نے کہا: جناب اس اس صاحب وقت ہو گیا ہے نماز پڑھنی چاہیے۔
قاضی صاحب نے کہا کہ میں بوجہ ملاست راستہ میں تین جگہ م یعنی بیٹھا اور شکل عیڈگاہ
میں پہنچا تمہیں دیکھ کر میں خوش ہوں۔ آج نماز تم ہی پڑھا دو میں طاقت نہیں رکھتا۔ راجح صاحب
نے کھڑے ہو کر حاضرین سے کہا کہ اس اس صاحب نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے میں
(رباقی حاشیہ اسکے صفو پر)

شریف ترین خاندان ہے اور وہ ہمیشہ اپنے اتاؤں کے حق میں حدود بھروسہ رہے ہیں اور ان کی شرافت اس بارے میں نظر نہیں رکھتی۔ آپ نے لکھا کہ راجہ جہانزادہ خاں مرحوم (المقتوف ۱۹۷۶ء) نے اپنے ہمیشہ ہماری سختی پر اشتکار پا باد جو مکیرہ وہ دل کی سیاری ایسی مبتلا تھا۔ اس الزام سے ان لوگوں نے خاندانِ لکھڑی کی شرافت کو بڑھانے کی بے قائدہ کوشش کی ہے اب بھی لکھڑی قوم کے کافی افراد موجود ہیں (خدا ان کو بڑھائے اور ترقی دے) ان سے دریافت کرو کہ راجہ جہانزادہ خاں اور راجہ فیروز خاں مرحومین ہمارے کس قدر موذب رہے ہیں۔

راجہ جہانزادہ خاں مرحوم قاضی محمد حسن^{الله علیہ} ر المعروف نلام حسن والد قاضی عبد اللہ^{الله علیہ} کے شاگرد خاص تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے استاد صاحب کے صاحبزادگان قاضی عبد الواحد و قاضی محمد کی مثال کوئی کی ہے جو بہت کڑوی ہوتی ہے، لیکن مفید بہت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان صاحبزادوں کے مزاج میں سختی ضرور ہے لیکن وہ بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

راجہ جہاں واد خاں مرحوم نے جو تعلیم پائی وہ قاضی صاحب کلال قاضی

بقیدہ حاشیہ بہ میں ان کے حکم و اجازت سے نماز پڑھانے لگا ہوں۔ چنانچہ آپ نے باحسن طریق نماز پڑھائی اور خطہ ایسا دیا کہ خود بھی روشنے اور حاضرین کو بھی رلا یا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ تھوڑی دیر کے لیے بر لب نالہ ہر وہ بیٹھ گئے اور کہا کہ اس جگہ اس نامے کا پاٹ بہت کم ہے اور نامہ کے اس پار بڑے جندر میں پلک کو تکلیف ہوتی ہے بخوبی جب ہر طبقاً پر ہوتی ہے۔ بہتر ہو کر ہم یہاں پل بنایں تاکہ لوگوں کی یہ تکلیف رفع ہو جاتے۔ خرچ کے استحیث کا حکم دیا۔ لیکن تقدیر ہنس رہی تھی۔ رات کو بوقت نصف شب دل کا دورہ پڑا اور یہ اس قدر خوبیوں والی ہستی خدا کو سیاری ہو گئی۔ انا لله وانا الیه راجعون آپ کی وفات ۱۹۷۶ء میں واقع ہوتی۔

محمد حسن مرحوم سے ہی پائی جسی کوں میں نہ پڑھتے تھے اور وہی تعلیم ان کو دوڑاں لازم تھیں بھی کام آئی اور وہ ڈسٹرکٹ بج ہو کر نیشن پر گھر آئے راجھا فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں نے انگریزی پڑھ لی ہوتی تو اس وقت میں چھپ کر کانج ہوتا۔ لیکن انگریزی نہ پڑھ سکتے کی وجہ سے میں اس درجہ سے آگئے نہ پڑھ سکا رہتاں مذکور کی مفصل تردید کے لیے دیکھو "دفع الہبی" ص ۷

خان پور میں راجگاروں کے دو خانہنوں کے سر کردہ بزرگ راجہ جماناد خاں اور راجہ فیروز خاں مرحومین گزرے ہیں۔ راجہ جماناد خاں مرحوم کا ذکر تو مفصل آچکا ہے (حاشیہ گزشتہ) وہ مرے راجہ فیروز خاں مرحوم بھی قاضی محمد حسن مرحوم کے اور قاضی محمد صاحب کے خاص اخواص شاگرد رہے ہیں۔ قاضی محمد حسن سے لو اخنوں نے صحیح بخاری کا ایک حصہ بھی پڑھا اور قبل ازیں قاضی محمد حسن صاحب مرحوم سے ثنوی مولانا روم پڑھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ جمارے اتنا صاحب ثنوی اس طرح پڑھاتے ہیں جیسے مولانا روم خود اپنی تصنیف کی تشریع کر رہے ہیں۔ میں نے ایک دو ہزار کے سامنے کتاب لکھی لیکن اس نتیجہ پر ہنپا ہوں اور ثنوی کی تشریع کرنا ہر کہ وہ کام نہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اتنا صاحب سختی مجنح پڑکرتے ہیں اگر اس قدر اپنے طیوں پر کریں تو وہ مکہ پہنچ کر بھاگ جائیں لیکن میں ہوں کہ ان کی تحریر کی سختی پداشت کرتا ہوں اور وہ آئی فابل ہیں۔

حضرت عبد اللہ رضا مرحوم غزنوی کا ایک خوا

ایک دفعہ جب کہ غالیفین نے بہت ادویہ میار کھا لئا اور آپ اس وجہ سے پریشان تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی قاضی محمد صاحب نے فرمایا بھائی صاحب! کیا آپ کو حضرت عبد اللہ صاحب مرحوم کا خواب اپنے

متعلق باد ہے؟ آپ نے فرمایا: "نهیں تو" قاضی محمد صاحب نے کہا: ایک فوج اخنوں نے آپ سے فرمایا تھا: "عبداللہ احمد بیس خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری ڈاڑھی بالکل میری ڈاڑھی کی طرح ہے" اس پر آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے۔ تو فرمایا کہ "اللہ علی شانہ تم سے حمایت تو حید و سنت کی بڑی خدمت لے گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اب میرا دل اس مقابلہ کے لیے پہنچے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے اور اتنا اللہ مجھے مخالفین پر فتح عظیم نصیر ہو گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بازارِ ولپنڈی کا ایک افعہ اور آپکی محیّتِ دینی

ایک دن کا ذکر ہے کہ قاضی صاحب بازارِ ولپنڈی میں جا رہے تھے کہ یہاں آپ کی نظر ایک ہندو کتب فروش پر ٹرپی جوان پنچی دکان میں الماری کی اوپنی جگہ سے کوئی کتاب آتار رہا تھا اور اس جگہ تک اتھ پہنچانے کی خطر قرآن شریف کے ایک بندل پر پاؤں رکھے ہوئے تھا یہ دیکھ کر آپ نے اُسے بُرا جھلا کر اور زد و کوب بھی کیا۔ اس کشکش میں آپ نے اُسے سر کی چیز سے پچکر خوب چھین گوارا اور لات نکلا سے بھی اس کی خبر کی۔ وہ چیزیں اکھڑ کر آپ کی مٹھی میں آگئی۔ لوگ جمع ہو گئے انہوں نے بھی اس بیلے دبی پر اسے ملامت کی اور معاملہ ختم ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ کو خان پور جانا پڑا۔ مخالفین کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔ حالانکہ اس ہندو نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی تھی۔ لیکن اخنوں نے اس ہندو کو فوجداری استنادہ دائر کرنے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن بالآخر وہ راضی نامہ پر ختم ہوا۔ آپ کے ایک خط مورخ، ۲۰ جون

۸۹۹ نامہ بنام قاضی محمد صاحب جو اس وقت پشاور صدر میں تھے یہ الفاظ درج ہیں : ”پیش از فتن بخانپور در بازار اتفاقاً بہ کیک ہندو جنگ شد بود واز دست من بودی اولینی موسے دراز کر در وسط سر ہندو می باشد بالکل کندیدہ شد۔ وقتیکہ آدمیم من بنام من از کچھ ہی محلات آمد..... امر وزراضی نامہ تصدیق کھانیدہ فارغ شدہ ام۔ اگر بخانپور خط نوشته بخوبی کہ در مقدمہ صلح شدہ است تاکہ خانلئن را تسلی شود۔“ اس وقت آپ کی دونوں خالہ زندہ تھیں اور والدہ صاحبہ فوت ہو چکی تھیں۔ آپ کی بڑی خالہ تو اس واقعہ کے بعد جلد ہی فوت ہو گئیں لیکن آپ کی چھوٹی خالہ ۱۹۱۲ء تک زندہ رہیں جن کا کچھ ذکر اور ہو چکا ہے۔

قاضی صاحب اور مولوی بخاری

ایک حنفی مولوی صاحب المعرفت ”مولوی بخاری“ رجن کا نام یاد نہیں رہا۔ تھے وہ آغا (جو کچھ عرصہ مسجد وزیر خاں لاہور میں بھی امام رہے ایک نفع پشاور شرمنی وار وہ تھے اور اہل حدیث کے خلاف گل افشاری مشروع کردی جماعت الہدیث پشاور نے آپ کو پشاور بلایا تاکہ مولوی مذکور کا مقابلہ کیا جائے۔ آپ نے پشاور پہنچ کر مولوی بخاری کو چیلنج مناظرہ دیا۔ مولوی بخاری نے اپنے ایک عظیم رسیں میں خاکسار رقم احراف بھی موجود تھا، اعلان کیا کہ قاضی عبدالاحد بخانپوری کا چیلنج ملا ہے۔ میں اس کا جواب عقریب دون گاہ لیکن ایک دو روز بعد تاکہ آپ بغیر قبولیت چیلنج پشاور سے چلے گئے۔ آپ قاضی صاحب کے ساتھ مقابلہ کی تاب نہ لاسکے۔ یہ سن کر قاضی صاحب والپس چلے گئے۔

قاضی صاحب کا آخری کانامہ

تحصیل ہری پور ضلع ہزارہ میں ایک مقام "چھوہر" نامی ہے۔ ہماری کی گذی پیری مریدی کی مشورہ ہے۔ دہال کے پیر صاحب نے ایک کتاب درود کی تیس پاروں مشتمل تصنیف فرمائی جو وہ اپنے خاص انخاص مردیوں کو ہری دیا کرتے تھے اور بطور وظیفہ روزانہ پڑھنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ کسی نے وہ کتاب آپ کو لا کر دی اور اس کے متعلق چند سوالات بھی کئے اس کتاب کا نام "حیۃ عقول الفحول فی اوصاف عقل العقول المثلی" ہے جمیعۃ صلوٰۃ الرسول^(۱) ہے۔ اور اس میں اس قسم کے کلمات ہیں۔

"اللَّهُمَّ اتُوسْلِمُ بِحُبِّيْكَ الَّذِي هُوَ حَقِيقَتِيْهِ لَيْسَ سُواكَ

"اللَّهُمَّ انْ حَقِيقَةَ حَبِّيْكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْوَحْدَةُ

"الْكَبِيرُ الْذَّاتِيَّةُ الَّتِي لَا تَزِيدُ عَلَى ذَاتِكَ وَلَا تَشْتَقِلُ عَلَى

"مَا فِي ذَاتِكَ فَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَتُهُ مِنْ ذَاتِكَ

"وَغَيْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَتُهُ مِنْ صَفَاتِكَ الْزَانِدَةِ

"(۲) اور یا شیخ عبد القادر شیعیاً للہ یا سید عبد القادر

"جیلانی اعینو فی امدادتی فی قضای حاجتی"

وغیر ذلك من الخرافات۔

آپ نے جب یہ کتاب دیکھی تو اس سے قرآن، حدیث اور احادیث امرتکے خلاف پایا۔ آپ نے اس کے رد میں ایک رسالہ فلمبند فرمایا اور ان مشرکانہ عقاید کی کماحتہ تردید کی پوچھکر آپ کی تحریر پر اپنے موظیوں کی تحریر کی طرح عربی رنگ کی ہوا کرتی تھی۔ اس لیے آپ کے چھوٹے بھائی فتنی

ابوسعیل یوسف حسین مرحوم نے اسے بہت حد تک موجودہ راجح الوقت
اردو میں منتقل کرنا شروع کر دیا اور نصف کے قریب اس شکل میں منتقل کر کے
آپ کو سنایا بھی جسے آپ نے پنڈ کیا۔ اس رسالہ کا نام بوجہ علانت آپ
تجویز نہ کر سکے حتیٰ کہ بارگاہ الہی سے بلا و آگیا۔ اس کی تکمیل راس ترجمہ شکل
میں، قاضی ابوسعیل صاحب نے ہی کی اور نام بھی انہوں نے ہی تجویر کیا جوہر
ہے : "الْفُؤْسُ الْمُصْطَفُوْيَهُ عَلَى سِرْدُسِ الْجَهَادِ وَهُوَ
جَوْلَمِيُّ مُوْجَدُهُ - افسوس کہ یہ رسالہ تعالیٰ طبع نہیں ہوا کہ باریک خط میں
فلکیک پ سائز کے چوالیں صفحات پر مشتمل ہے۔

قاضی صاحب کا اسلوب تحریر

چونکہ قاضی صاحب نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی تصانیف کا وسیع
مطالعہ کیا تھا اور ابتداء میں آپ کی چند کتب عارف بالله امام مناہید عبدالشہد
صاحب غزنوی مرحوم سے سبقاً بھی پڑھی تھیں۔ اس لیے آپ امام موصوف
کے زنگ بن رنگے گئے اور اس جرأۃ اور بے خوفی کو اپنایا جو امام موصوف
کا اطہر امتیاز تھا۔ اس لیے مخالفین حق کے مقابلہ میں ان کے قلم میں وہ زور
قدرتی طور پر پیدا ہو گیا جو امام موصوف کی تحریر میں بہت عین دمشرکین کے
خلاف نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور بقول مولانا امام خان نوشتری مرحوم آپ
کا خط بھی امام موصوف کے خط سے بہت مٹا بہت رکھتا تھا۔ جس سے رعب
ٹپکتا تھا۔ اسی لیے قاضی یوسف حسین آپ کے برادر اصغر نے زمانیہ قیام گنور
میں آپ کو ابن تیمیہ اور دوسرے بھائی قاضی محمد صاحب کو این قیمت سے لشیء
دیستے ہوئے یہ دو شعر کہے :

ابن تیمیہ[ؒ] و ابن قیم[ؒ] دوران
برادران میں اندوختا شاہ باقی
من حیرت کے یوسف حسین نامندش تو گوتی کہ ہیں بس رکھتا را باقی
لہذا آپ کی تصانیف میں ضرور شدت اور سختی پاتی جاتی ہے جو خدا
در رسول کی محبت کا نتیجہ ہے اور یہ سختی محض شد و فی اللہ سختی۔ یہ کسی جو
گل افشا نیاں آپ کے مخالفین نے آپ کے خلاف کی ہیں اگر انہیں بھی دیکھا
جائے تو پھر کسی صاحب کو نکتہ حصی کی گنجائش نہیں ملے گی۔ سلام اللہ و
غفرانہ، آمين۔

آپ کی تصنیفات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس مسئلہ پر تسلیم
اٹھایا اس پر اتنی سیر حاصل بحث کی ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق میں پھر کسی اور
کتاب کے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مخالفین کو ان کے مسلمات
سے فائدہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آپ کی تصنیفات معلومات کے
لحفاظ سے انسائیکلو پیڈیا (جامع العلوم) کی حیثیت رکھتی ہیں اور بالخصوص امام
ابن تیمیہ[ؒ] اور امام ابن قیم[ؒ] کی تصانیف کے مفہید اقتباسات سے مملود مشوون ہیں
اور جب اخاف کو فائدہ کرنے کی تھانی توفہ حنفی کے اس قدر حجاجات فی
ڈالے کہ حنفی کو راگروہ صحیح عنوان میں حنفی ہو) دم مارنے کی گنجائش نہ رہی۔

حکیم (جمل خاں صاحب دہلوی مرحوم رب را است قاضی محمد عظیم صاحب بیوی
ئیں ایہٹ آباد) فرمایا کرتے تھے کہ قاضی عبدالاحد صاحب نے فقرہ کی کتاب
کے اس قدر حجاجات دیتے ہیں جو حکیم اور حنفی بھی نہیں مل سکتے۔ اور ایک
طالب علم اور عالم دونوں اس سے بدرجہ آخر مستفید ہو سکتے ہیں اور یہ آپ کا
خاص کمال تھا کہ جس مسئلہ کو لیتے اس پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کرتے مثال
کے طور پر صمصاہ الموحدین کو دیکھیں اس میں فرقی مخالفت پر الزامات

کی تعداد دو سو چین تک پہنچ گئی ہے۔ اور ہر ایک الزام مدل طور پر قائم کیا گیا ہے اور اس پر فصل بحث کی ہے اور ان میں سے آخری الزام پر بحث باریک خط کے پورے ساتھ صفت پر چلی ہوتی ہے۔ ایسی جامیعت دوسری جگہ بہت کم پاتی جاتے گی۔

مرض اور فات

ہر آنکہ زاد بنا چار باید شش نوشید ز جام دہر میں محل ن عیّهَا فَإِنْ
آخر کار وہ وقت آن پہنچا جس سے کسی تنفس کو چارہ نہیں۔

ایک رات براۓ نماز تجد اٹھے۔ قبل ازیں شاید پسینہ آیا ہوا تھا۔ سفر ہوا لگنے سے بیمار ہون گئے اور سرماں کی شکایت ہو گئی۔ اس کے بعد اپ نے کھل کر باقیں نہیں کیں۔ صرف سوال رخمنصر حواب ہاں یا نکادے دیتے البتہ ہر نماز کے لیے خود کتنے کہ اب فلاں وقت کی نماز کا وقت ہو گیا ہے میں نماز پڑھوں گا حکیم کر کے بستر پر ہی نماز ادا کر لیتے حکیم عبدالرحمن بن مولیٰ ہدایت اللہ صاحب آپ کے شاگرد علاج میں صرف رہے اور جو دوستی آپ سے استصواب ضرور کرتے اور آپ حکیم صاحب کے مشورہ سے اتفاق کرتے تجھینا دو ہفتہ وہی حالت بستور رہی اور مرض میں کوئی آفما نہ ہوا۔ بالآخر ۲۵ رجادی الآخرہ ۱۳۲۴ للهہ بروز شنبہ ر مطابق ۸ دسمبر ۱۹۲۸ (م)
بچھے صح کو اس بھائی فانی سے دارالبقاء کو حملت فرمائے۔ فانا اللہ وانا
الیہ مراجعون -

آپ کی تاریخ وفات "خاتمہ مکارم اخلاق"۔ "گیا محمود وہ باغِ جنا
میں" اور تبرکہ ہنزہ در حساب "وَجُوہُ يَوْمَئِذٍ نَاعِمَةٌ" سے نکلتی ہے۔

اور آپ کے چھوٹے بھائی ابو سعیل یوسف حسین صابر نے آپ کی تاریخ و قتا
نظم میں اس طرح لکھی ہے ۔

سنوصابریہ کیا نفعی میں غل میں عناidel چھپا قی شایخ گل میں
لگی ہے پھر بجا جنت کے پل میں بواشور و فناں بانگ دہل میں
کہ سالِ دصلِ بحر المسند بولو گیا عبد اللہ بن دُنْزُل میں

۱۳۴۶ھ

آپ کی وفات سے راوی پنڈتی کیا وہ سارا علاقہ ایک جری حامی توجید
و سنت بے مثل عالم متوجہ "لایخافون فی الله نومۃ لاٹھیر" کی مجسم تصویر اور
دینِ میں کے ہر مخالف کے مقابلہ میں مذر ہو کر سینہ سپر ہونے والے ایک عالم
بے بدال سے خود ہو گیا۔ لیکن جو چراغ آپ نے روشن کیا تھا وہ بدستور
روشن ہے اور راوی پنڈتی کی جماعت احمدیت اشاعت توجید و سنت
میں بدستور مساعی ہے ۔

نومبر ۱۹۶۸ء میں مرکزی جمیعت احمدیت مغربی پاکستان کی کانفرنس سالانہ
راوی پنڈتی میں منعقد ہوئی اور کس شان سے منعقد ہوئی جس نے مخالفین سے
بھی خراج تحسین حاصل کیا ۔

اس موقع پر ایکین کانفرنس نے قاضی صاحب مرحوم کی خدماتِ دینی
کو فراموش نہیں کیا۔ اور کانفرنس کے "خطبۃ استقبالیہ" میں جو مولانا مولوی جن ظ
اعمیل ذیع خطیب جامع مسجد احمدیت شہر راوی پنڈتی نے جلسہ میں پڑھ کر سنایا۔
اس میں قاضی صاحب مرحوم کی یاد کو ان الفاظ میں تازہ کیا گیا:
"حافظ عبد المادی صاحب مرحوم رخطیب جامع مسجد احمدیت شہر راوی پنڈت
کے بعد اپنے طبقی میں توجید و سنت کے دوسرا بڑے علمبردار حضرت مولانا

قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری میں۔ یوں تو قاضی صاحب کا سارا خاندان علم و فضل کا گھوارہ تھا، لیکن قاضی عبدالاحد صاحب کو اپنی بیبا کی اور قلمی جہاد کی وجہ سے ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ ان کا اسوب تحریر بلا بارہ سب اور پڑکوہ تھا جس کو انہوں نے توحید و سنت کی اشاعت اور شرک فبدعوت کی بیچ مکنی میں پوری قوت سے صرف کیا۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں اس علاقوے کے بڑے بڑے پروں اور گدھی نشینوں سے تن تہماں برداز ماہر ہے اور اپنی جان تک کی بھی پرواہیں کی۔ قاضی صاحب مر جنم کے بعد نظامہ شہر میں کوئی نہایاں الحدیث شخصیت نظر نہیں آئی۔ لیکن قاضی صاحب کی صحبت اور تعلیم کے زیر اثر گفتگو کے چند افراد جو کتاب و سنت کے شیائی بننے تھے انہوں نے اس شمع کو کسی نہ کسی طور جلا شے رکھا۔

آپ کا کتب خانہ

آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی کتابیں بذریعہ مولوی محمد سعیل حنفی غزنوی مرحوم حرمی شریفین ہنپنچا دی گئیں۔ جس کی جزاۓ خیر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے، آئین اہنی کتابوں میں چند کتب جو قاضی محمد برادر نوود سے منسکو ائمہ گئیں وہ بھی چلی گئیں۔

قاضی حسکی تصنیفات و تالیفات

رقہ مرزا ایمت

۱۔ السیف المطلول فی سخرا تم الرسول - صفات بہ ساٹر ۱۲ ہی -
طبع اول پنڈی - تاریخ طبع ندارد

(۶) احتمار مخادعہت مسلیمہ قادیانی بجواب اشتمار مصالحت پس ثانی۔

(الملقب بہ) کثط الخشا عن ابصار اہل العلی

راشتمار مرزا قادیانی «صلح خیر» کے جواب میں، صفحات ۲۴۲ طبع راولپنڈی
مئی ۱۹۰۱ء، آخروہ اشتمار چھاپ دیا۔

(۷) اغاثۃ الملهوف المکروب المیکون فی مصادف القادیانی المجنون
راہیک مرزا تی تھیصلدار کے رسالہ کا جواب)

(۸) اشتمار، کتما خرجمت العقرب فالتعلی حاضرۃ صفحات ۸

رجاب اشتمار حجاجت مرزا تیر، راولپنڈی جو طویل مدت کے بعد نکلا تھا
(نوٹ) مرزا قادیانی کے رد میں اور بھی بہت کچھ لکھا یکیں، اقلم کو دستیا
نہ ہو سکا۔

رقہ اہل بدعت رب رسیوی هضرات

(۹) ابیان والرغاشہ فی جواب الاستفسارات والاستغاثہ

(الملقب بہ) عشرہ کامل صفحات ۳۶

در جواب پیر مہر عسلی شاہ گورنڑوی

(۱۰) اقامۃ السیرہ علی بطلان التبیان، الملقب بہ

«مدفع الہی ترکمعہ شاہی» (حصہ اول) مع

ازالت اللبس والا شجناہ عن حقیقتہ مذہب پیر مہرشاہ

رعشرہ کاملہ کا جواب اکجواب حصہ دوم صفحات ۲۴۰

(۱۱) صصام الموحدین نقطع اعناق الزنا دقة والملحدین

الملقب بہ خانپوری تفنگ بر گورنڑوی منگ جلد اول صفحات ۲۳۸

(۱۲) اشتمار پیر مہرشاہ گورنڑوی کی علمیت کا خاتمه اور اس کی اصلی شرافت کا

نحوہ۔ صفحات ۸۔

رسی اشہار و بارہ اہل السنۃ و اجماعت بنگور (رد اس ہند) نے شائع کیا جس کے سر ورق پر اس کا نام اس طرح چھپا۔

التحقیقات الحقة الخانقوس مید لدفع التویهات المخفرة الگولوویہ

القریرات السنیۃ بالبھیۃ لصیانۃ البریۃ عن التبییات الگولوویۃ العیۃ

اور مؤلف مشہر کا نام نیچے اس طرح لکھا

از تایف عالم رباني، فاضل لاثاني ہادم اسکس احکما و اعتقاد شیطانی،

مؤسس بنیان توحید رحمانی، جامی سنن رسول صمدانی، جناب مولانا

مولوی قاضی حکیم عبد اللہ صاحب خانپوری مقیم راولپنڈی محلہ نالاب پختہ۔

(۹) اشہار "پیر میر شاہ کو علم کا سبق پڑھانا اور جماعت سے بچانا"، اجولانی ۱۹۱۳ء

(مبایلہ و مباحثہ سے انکار کے بعد گولڑہ سے بار بار آپ کو "پہاڑی"

"پہاڑی" کہا گیا۔ اس کا مدل علمی جواب اور مقابلہ خانپور گولڑہ۔ نیز

فتورتہ کیکہ کی ایک عمارت کا سبق پیر صاحب کو پڑھایا گیا، جس کی
ستحمدی کی گئی تھی۔

(۱۰) اشہار اسے اہل بصیرت و انساف برائے خدا پیر میر شاہ کی بدعتی

او تعصیب پر ایک نظر۔

دیر پیر صاحب کے مبایلہ اور مناظر سے فرار اور مبایلہ کو قطعی فیصلہ نہ تھے

پر علیٰ سمجھت اور سچے اور جھوٹے پیر کی شناخت اور مریدوں کے علیت

کا پیر کے یہے حرام ہونے کے دلائل) ۲۸

(۱۱) اشہار۔ بجواب اشہار مسلسلہ اہل مسجد جامع راولپنڈی۔ مولوی محمد نعیم امام

مسجد نذکور کے روئیں دربارہ عید میسلا دالبی، اس کے بعدت ہونے

کالا جواب مدل ثبوت

(رتوٹ) گز شرط صفات میں اس اشہار کی پوری نقل آچکی ہے۔

(۱۲) "اشہار علمیت آثار بحواب اشہار جہالت آثار"

رمانفین نے انکار کیا کہ ابن عربی نے فرعون کے مسلمان ہو کر مرنے کا خیال ظاہر کیا۔ مولوی شمار اللہ صاحب نے بھی پیر صاحب کی تائید میں ایک قول ابن عربی کا کلفر فرعون کا نقل کر دیا۔ گواڑہ میں بڑی خوشی مناتی ہگئی۔ اس اشہار میں ہر دو کارو کرتے ہوئے ابن عربی کے اقوال اس بارہ میں لکھنے کے بعد کتب فقہ حنفی سے فرعون کے کفر پر نے کو مدل کیا۔

(۱۳) "سوط اللہ العزیز الحکیم الباری علی متن حافظ عبد الحکیم اللہ امری"

"الملقب به صاعقة السیان علی سہیں حزب الشیطان"

"المعروف بـ کوک آسمانی بر جماعت شیطانی"

راس کتاب میں مولوی دیدار علی اور محمد شریف ٹھلوٹی کے رسائل کا جواب بھی ہے جو حافظ عبد الحکیم نے آپ کے پاس بغرض جواب بھجوائے

تھے) صفات - ۱۴۸

(۱۴) "الصحر العاتیہ علی عباد الجبت والطاغیة" الملقب بـ

"أربیح الدّبّور علی عابدی القباب والقبوّر" صفات ۱۶ -

(۱۵) ایک تازہ کرامت حافظ عبد الحکیم لاری کی "صفات ۸"

ران پیر صاحب کے ایک عمد بر سر اجلas کی عمد شکنی اور ان کے دو

بیٹوں کی پختہ قبروں، قبور والی پر تنقید)

(۱۶) "رسان المُوَحِّدِينْ فِي رَدِّ مطاعِنِ الْمُلْحَدِينْ"

(۱۶) آپ کی ایک کتاب مؤلفہ درود عقائد و اقوال پیر جماعت علی شاہ علی پوری کا خلاصہ جو جھوٹ کی انجمن خادم الاسلام نے شائع کیا، صفحات ۳۷۔ طبع لاہور۔
 (۱۷) اشتمار، واجب الاظمار۔

(۱۸) دزیرہ ضلع فیروز پور میں قاضی صاحب کے چیخ من ظہ کے باوجود پیر جماعت علی شاہ کا فزار۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "بشر" کھنے سے منع کرنے والوں کے رو میں ایک اشتمار مشمولہ صاعقة السدیان (۲۱) صفحات ۶۴ تا ۶۷، کتاب مذکور۔

(۱۹) الفوئس المصطفویہ علی سر دس الچھوڑ دیبر (تلہی)، دس جواب استفتہ رفاضی صاحب کی آخری تصنیف جو پیر بھوڑ دیبر کی تیس پاروں میں درود کی کتاب کے درمیں لکھی۔ جس کی تهدیب آپ کے چھوٹے بھائی قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین نے کی۔ جو افسوس طبع نہ ہو سکی صفحات ۲۲۔
 (۲۰) پیر مہر علی شاہ صاحب کے رسالہ "عالیٰ" کا جواب غیر مطبوع عنایاب۔

صمصام الموحدین ص ۲۳۵

رَحْمَةُ شِيعَتِ

(۲۱) "انتصار الصدیق من المدد الزندiq"۔

ڈھیری شاہان کے ایک رفاضی کا جواب اجواب، صفحات ۱۶

(۲۲) اشتمار واجب الاظمار، درود رَثِیْعَرَوْافض

(۲۳) ایک اشتمار، شیعہ کے اس سوال کے جواب میں کہ "کیا اصحاب شلاش نماز جنازہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکیک ہوئے؟" مشمولہ

صاعقه السدیان (۱۳) صفحات ۲۲ -

(۲۲) ایک اشتہار شیعہ کے اس سوال کے جواب میں "بیزید پر بعثت بھیجا کیوں منوع ہے؟"

مشمولہ صاعقه السدیان (۱۳) صفحات ۱۶۰ تا ۱۳۸ در کتاب مذکور۔

در رفِ مولانا شاہ اللہ صاحب امر تسری مرحوم

(۲۵) النقض المبين على الكلام المبين

رمولی شاہ اللہ مرحوم امر تسری کے رسالہ الكلام المبين علی الاربعین کا رد صفائت

(۲۶) القول الفاصل الفاروق بين الكاذب والصادق دعوى اهل الحديث

الملقب بهم دائمة الارض صفحات ۲۴۳

(۲۷) كتاب التوحيد والسنّة في سدّ أهل الالحاد والبدعة المقيّبة

تنقیۃ اہل السنّۃ والحدیث من الموارد التوقيّۃ والخلط الحبیث صفحات ۲۸۰

(۲۸) الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ میں اہل السنّۃ و میں الجہمیۃ الشا

حریٰ من ترجمہ اردو وہ گفتگو جو قاضی صاحب اور سلطان عبد العزیز بن سو

والی حجاز کے درمیان رج کے موقع پر ہوتی اور سلطان موصوف نے

آپ کے دلائل پر صاویکا۔

(۲۹) رمولی شاہ اللہ کے احکامات کا اشتہار اور ان کی خلاف بیانی اور دھکہ

کا الہمار نمبر ۲ ص ۲۱ رنبر ۱، وستیاب نہیں ہوا۔

(۳۰) "معدرت بطرف احباب دبرأت ازاہل ببعثت وارتیاب"

لبخیل دیگر علماء امر تسری مولوی شاہ اللہ صاحب کے ۲۱ عقائد بطور نمونہ لکھ

کر اس وقت کی اہل حدیث کائفنس کے جلسہ میں شرکت سے معدود ری

کا اشتمار پر ریعہ اشتمار۔)

رِدّ تقلید

(۳۱) "استفادة مسائل عشرہ" (سرائے کالا سے دس مسائل کے متعلق ایک استفادة آپ کے پاس آیا۔ ان دس سوالوں کے جوابات صفحات ۲۰۰۹ء

(۳۲) رسالہ رِدّ تقلید غیر مطبوعہ رجس کے متعلق آپ کے خط مورثہ ۲۷ جون ۱۸۵۹ء

بنام قاضی محمد صاحب برادر خود میں یہ الفاظ ہیں۔ پیش رسالہ "رد تقلید" ہم بہ بیار کوشش نو شتر لبدم ہنوز طبع نشدہ۔ یہ رسالہ قلمی وستیاب نہیں ہوا۔

روٹ، کھٹی اور رسائے مرحوم نے لکھے اور اشتمار دینے سے کن مل نہیں سکے مثلاً السیف المسول مت میں آپ ایک اشتمار در رِد تقلید قادیانی کا حوار ہیتے ہیں۔ لیکن وہ بھی وستیاب نہیں ہوا۔ اس طرح باقی بھی نہیں مل سکے۔

قاضی محمد بن قاضی محمد حسن خان پوری ہزاروی

ولادت : صبح صادق چہارشنبہ ۲۰ مئی ۱۸۵۲ء مطابق ۷ ربیع

الآخرہ ۱۴۲۰ھ بمقام خان پور -

وفات : شنبہ ۲۷ بجے ۹ نومبر ۱۹۲۹ء مطابق ۶ جمادی

الآخرہ ۱۳۸۳ھ بمقام خان پور -

آپ سات ماہی پیدا ہوئے تھے اور بہت خیف اور نازک تھے۔ بوقت ولادت انہیں روئی میں لپیٹ کر رکھا گیا تھا۔ راجہ علی گوہر خاں مرعم ہواں وقت خان پور میں راجگان میں سے محترمین بزرگ تھے یہ سن کر کہ ان کے استاد صاحب کے ہاں فرزند نہ ثانی تولد ہوا ہے دیکھنے آتے ہو رہے کہا گیا کہ اسے روئی میں لپیٹ رکھا ہے اسے کیا دیکھو گے؟ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ میں ضرور اس تولد کو دیکھوں گا چنانچہ ان کو دیکھایا گیا۔ راجہ صاحب نے ٹھلل کو ٹھرے ادب سلام کیا۔ اور آپ کے والد صاحب کو کہا ما شالہ یہ بہت بڑے قاضی ہوں گے اور بڑے عالم ہوں گے۔ قیافہ یہ بتا۔ ہے۔ آپ کی والدہ مرعومہ فرمایا کہ تو تھیں کہ جب آپ شیرخوار تھے میں نماز کے بعد (نماز صبح) وظیفہ میں مشغول ہوتی۔ وہ نیند سے بیدار ہو کر میری طرف دیکھتے تو جب تک میں نماز کی ہمیت میں بیٹھی تھی وہ دودھ کے لیے نہ روتے۔ لیکن جب میں وہ ہمیت بدلتی تو وہ رونے لگ جاتے۔ بچپن ہی سے صابر و شکر و قانون تھے۔ جیسے کپڑے بنادیئے ہو جو کچھ کھانے کو دے دیا کجھی ناپسندیدگی کا انہمار نہیں کیا۔

اساتذہ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار قاضی محمد حسن صاحب سے ہمراہی برداشت کلآل قاضی عبدالاحد صاحب حاصل کی۔ جو سبق ایک دفعہ پڑھتے اُسے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ قوت حافظ اس قدر تھی کہ مسلک پیش ہوا تو فوراً جس کتاب میں ہوتا انکال کرتا دیستے۔ والد صاحب جب سب کچھ پڑھا پکے جو وہ پڑھا سکتے تھے توہر دو برادران کو تعلیم کے لیے باہر بھیجا جیسی کہ اس زمانے میں وسیعہ تھا۔ پنجاب کے مختلف شہروں میں مختلف اساتذہ سے پڑھا۔ جس کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ اس کے بعد حسیب ہدایت والد صاحب حضرت عبداللہ صاحب غزنوی کی خدمت میں بقایہ خیر وی را مر تسر پہنچے۔ عبداللہ صاحب ان ہر دو بھائیوں کی ہر طرح ولداری کرتے کیوں کہ ان کے والد صاحب، حضرت عبداللہ صاحب کے ہاتھ پر سعیت ہو چکے تھے اور ان کے متعلق عبداللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کے دل جیسا صاف دل آجتنک نہیں دیکھا۔ عزیض ہر دو برادران حضرت عبداللہ صاحب کے فیوض سے مستفیض ہوتے۔

آپ نے علم حدیث حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی حضرت عبد اللہ صاحب غزنوی، مولانا سید عبد الجبار صاحب غزنوی اور شیخ الحکیم حضرت میاں صاحب سید نذر حسین دہلوی سے حاصل کیا اور اجازة سید حدیث حضرت میاں صاحب موصوف سے ۱۲۹۲ھ میں حاصل کیا۔ معقول کی تکانیں مولانا مفتی عبداللہ ڈولنگی سے پڑھیں۔

جب آپ میاں صاحب موصوف سے حدیث پڑھ رہے تھے تو مولانا مولوی عبد العزیز صاحب بیم آبادی صاحب حس البيان فیما فی سیرۃ النماں

آپ کے تمہیں تھے۔ پوچکہ مقابلہ دیگر طبلہ عمارت تیز اور صحیح پڑھتے تھے۔ اس لیے دیگر طبلہ نے اپنی اپنی باری صحیح سنجاری کے درس کے وقت آپ کو ہی دے دی تھی۔ رفتہ طالب علم جلد فارغ ہونے کے خواباں ہوا کرتے ہیں)

آپ کے ہم سبق حب | ان دونوں ایک یو۔ پی کے ہندوستانی میر صاحب "جو فہد وغیرہ پڑھنے کے بعد بغرضی حصول اجازہ حدیث دہلی آئے ہوتے تھے اور آپ کے ہم درس تھے۔ ان کو قاضی صاحب کا اس طرح ممتاز ہونا کچھ بجا نہ سکا۔ اور اس پر حسد کرنے لگے۔ ایک مرتبہ قاضی نقاش نے ایک حدیث صحیح سنجاری کی پڑھی تو میر صاحب نے آواز بلند کر کے کہا: "اضطراب ہے؟ آپ کا بیان ہے کہ میں نے میر صاحب کے اس آوان کا کوئی نوٹس نہیں اور میں نے وہ سری حدیث پڑھ دالی۔ اس پر بھرپور میر صاحب کی طرف سے وہی اعتراض ہوا۔ "اضطراب ہے؟" میں نے کوئی توجہ نہ کی اور تیرہی حدیث پڑھ گیا۔ میر صاحب پھر بولے "اضطراب ہے؟" اس پر میں نے کتاب میں نشانی رکھ کر میر صاحب سے کہا "میر صاحب! میں آپ کی یہ آواز ہر بار سننا رہا لیکن بدیں خیال کر آپ خود ہی سمجھ جائیں گے میں آگئے چلتا رہا لیکن آپ اصرار کرتے رہے۔ فرمائیے آپ کو اضطراب تین حدیث میں سوچھ رہا ہے یا اساد میں۔ کیونکہ حدیث میں اضطراب، یا تم میں ہوتا ہے یا نہ میں۔ آپ اپنا عنده یہ ظاہر کریں تاکہ آپ کی اسلامی ظاہر کی جائے۔"

"میر صاحب: اُنے میاں! تم کیا جانو؟" نفوی اضطراب ہے"

قاضی صاحب: کتاب کے ورق تک تو نہیں ہے۔ لغوی اضطراب کھال سے آگیا"

میر صاحب : (بچکار) ایک مشکوٰۃ، بعد ابھار سے پڑھ کر تم بھی باتیں بنانے لگے۔

راضی صاحب : راس جواب پر آپ کو غصہ آگیا، میں نے مشکوٰۃ تو مولانا عبد ابھار غزنوی سے نہیں پڑھی بلکن مجھے آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ تم کون ہوتے ہو کہ میں کے اس طرح ذکر کرو۔ میں تھماری ہفت پشت کو مولوی عبد ابھار صاحب پر قربان کرتا ہوں۔ اگر انسانیت کی باتیں کرو گے تو جواب بھی دیا ہی پاؤ گے۔ اور اگر تم انسانیت چھوڑ دیجئے تو مجھے ایسے لوگوں کو سیدھا کرنے کا ڈھنگ بھی یاد ہے۔ جو لوگوں سے ایسی نوارش کروں گا کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔

پھر میر صاحب نے کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا اور بچھڑک رکھنے اور چلے گئے۔ گویا انہوں نے دہلي سے چلے جانے کا تھد کر لیا۔ بدیں وجہ کہ ان کی بیٹی ختنی ہو گئی۔

آپ فرماتے ہیں کہ میاں صاحب نے تم سب کو بذریا اور کہا کہ تمہارے جیسے دس طالب علم پلے جائیں تو میں پرداہ نہیں کروں گا۔ بلکن اگر ایسا ایک طالب علم چلا گیا تو میں تم سب سے ناراض ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ وہ لوگ، جو حدیث سے متین ہیں کم از کم ایک مرتبہ حدیث ان کے کام میں پڑ جائے اور ان پر محبت قائم ہو جائے۔ اس کے بعد ان کی مرضی جو راہ اختیار کرتے ہیں کریں۔

اس پر باقی چند طلب اعلم میر صاحب کو مبنت راضی کر کے لے آئے اور وہ درس میں شرکیں رہے لیکن تاختم بخاری شرفی میر صاحب پھر شبوٹے۔

فرماتے کہ جب کبھی طالب علموں کا مکالمہ یا نہ کرہ شروع ہو جاتا تو میانضا کی عادت تھی کہ چپ رہتے۔ جب ایک حد تک طلبہ سچ جانتے تو فرماتے : اچھا میاں جانے دو۔ آگے چلو۔ بعض طالب علم اچھی بھی کرتے۔ ایک دفعہ ایک حضی طالب علم نے کہا : میاں صاحب ! یہ تنبی گمراہی ہندوستان میں پھیلی ہے یہ سب متماری بدولت ہی پھیلی ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا : اچھا میاں صاحب ! دعا کیجئے کہ اگر ہم غلطی پر ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے اور اگر آپ غلطی پر ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔

بعد تحصیل علم جب ہمارہ براڈ کلائی خود قاضی عبد الاحمد صاحب مراجعت فرمائے وطن مالوف ہوئے تو آپ کے والد صاحب نے ہر دو کو طب پڑھنے کے لیے باہر سچ دیا۔ چنانچہ ہر دو برا دران نے جموں رکشیر کارخ کیا اور وہاں جا کر مولوی نور الدین صاحب بھیری سے طب پڑھی۔ اس وقت حکیم صاحب موصوف راجہ رکشیر کے معابر خاص تھے۔

فرماتے تھے کہ اگرچہ اس وقت تک مزاقاً دیانتی کا ظہور مکمل طور پر نہیں ہوا تھا اور نہ ہی حکیم صاحب کا کوئی تعلق ان سے تھا۔ لیکن بعض اوقات میری مسائل میں ایسی بنتی تکیہ بنا کرتے تھے جس پر ہمیں کہنا پڑتا کہ ہم ایسی باتیں نہیں سن سکتے۔ اگر آپ ایسی باتیں کریں گے تو ہم میاں سے چلے جائیں گے یہ معلوم نہ تھا کہ آگے جا کر حکیم صاحب کو اپنا ہم خیال ایسا دستیاب ہو جائے گا جس کے خلف ارادت میں داخل ہو کر ایک دن اس کے خلیفہ اول نہیں گے۔ خیر تحریک طب کے بعد ہر دو برا دران واپس خانپور آگئے۔ میاں ایک بات حکیم صاحب کے متعلق درج کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے برا در کلائی قاضی عبد الاحمد صاحب کی گفت و شنید سے حکیم صاحب موصوف کی ذخیر

نیک اختر کانکاٹ ہمراہ مولانا عبد الواحد صاحب غزنوی ہوا جس کے بطن سے محمد ابراہیم و محمد اسماعیل دو پسر حضرت غزنوی کے ہوتے۔

آن دونوں ہزارہ میں جمعہ کا مسئلہ زوروں پر تھا جمعہ پڑھنا ایک جرم عظیم بمحاجاتا تھا چونکہ خان پور میں جمعہ جاری ہو چکا تھا اس لیے آئے دن ملاؤں کی یورش ہوتی رہتی تھی بالخصوص اس وجہ سے کہ اجرائے جمعہ اس ضلع میں (غالباً) سب سے پہلے خان پور ہی میں ہوا تھا اور ہو سکتا ہے کہ سکندر پور مغلانہ ہرگی لپور میں اس سے بھی پہلے ہوا ہو کیونکہ مولوی محمد حسینی ہزاروی شارح شنبختہ الفکر و مشتبی الفیہ عراقی والی قاضی محمد میر عالم کے پاس مقیم تھے اور ان کا ایک رسالہ فرضیت و جعفر کی نسبت موسومہ اشاعتہ المحمد فی فرضیۃ الجمیع بھی مطبوع ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب کی تاریخ وفات نہیں حلوم ہو سکی۔ ان کے فرزند مولوی محمد حسن پہلے دونوں حال ہی میں مقام مانسہرہ فوت ہوئے ہیں۔ مرحمة اللہ شرائط مناظرہ تحریری طور پر طے کرنا تو قاضی عبد اللہ صاحب کے ذمہ تھا جب شرائط ہو جاتیں تو قاضی محمد صاحب میزان مناظرہ میں اترتے۔ آپ کی تقریبی سلاست اللہ تعالیٰ نے ایسی پیدا کی تھی کہ سامعین کے دل پر اثر کر جاتی اور مخالفت کو سوائے تسلیم یا کوٹ کے کوئی چارہ نہ رہتا۔ سب سے بڑی قابل تعریف آپ کی یہ بات تھی کہ کلام نرمی سے مدلل کرتے اور بوقتی بحث غصہ کا کبھی اظہار نہ کیا کرتے۔ اگر مناظرہ کو غصہ آجائے تو وہ مناظرہ کے قابل ہی نہیں رہتا۔ وہ عقل کھو بیٹھتا ہے۔

جمعہ کے مخالفین یکے بعد دیگرے حلہ آؤ رہتے اور منہ کی کھاکر والپیں ہوتے لیکن جیسا کہ دستور ہے کہ ایسے موقعوں پر بعض ایسی ضدی طبیعتیں بھی ہوتی ہیں جو دیکھ، سن کر کبھی اپنی صد پر اڑتی رہتی ہیں۔ ایک ملاہار کر جاتا تو

مخالفین دوسرے کو جاکر بلا لاتے۔ جہاں کہیں کسی باقونی ملکی خبر سمجھ پاتے جاکرے آتے۔ لیکن نتیجہ ہر حال میں یہی ہوتا کہ جماعت کے فرض ہونے کی حقانیت اور اجاگر ہو جاتی۔

خان پور میں ایک خاندان پیروں کا ہے جو اصل میں وزیر آباد رضیاب سے آئے ہوتے ہیں۔ ان دونوں اس خاندان کے ایک بزرگ ترین ممبر پیر میر حیدر صاحب تھے۔ جو اکثر مناظروں میں موجود ہوتے۔ انہوں نے بالآخر اعلان کیا کہ بھٹی! میں نے ان مناظروں سے ایک بات اخذ کی ہے اور باوجود علم نہ رکھنے کے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جو قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ قاضی صاحب (قاضی محمد صاحب) جوبات کرتے ہیں وہ سیدی اور صاف ہوتی ہے۔ یہ تو قرآن شریف کی آیت یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف نہ دیتے ہیں کہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن فرقہ مخالف کے پاس جواب میں نہ تو قرآن کی کوئی آیت ہوتی ہے نہ حدیث۔ وہ ایسچ پیچ کرتے اور ہٹ دھرمی کا منظا ہرہ کرتے ہیں۔ اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں تو قاضی صاحب کے پیچھے ہوں اور میں جنم کی فرضیت کا قائل ہو گیا ہوں۔ باقی لوگ جانیں اور ان کا کام۔

چنانچہ خان پور میں جس مسجد میں ربے پہلے جماعت قائم ہوا۔ وہ مسجد پیر انوالی کے نام سے موسوم ہے کیونکہ پیر صاحب موصوف اور ان کے اقرباء اسی محلہ کے رہنے والے تھے۔ خان پور میں تو میدان صاف ہو گیا۔ لیکن باوجود اس کے جماعت کے یہے جانے والوں پر آوازے کھسے جاتے۔ صندک کوئی علاج نہیں۔ لیکن بعد میں ان مخالفین نے جو ملاؤں کو بلا کر لایا کرتے تھے۔ انہوں نے

اپنی مسجدوں میں جماعتے جاری کیا اور اب ان کی اولاد بدستور جماعت پڑھتی ہے
قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جماعت خود ان ملاؤگوں پر غالب آگیا اور
جو لوگ شدید مخالف تھے وہ خود اب جماعت پڑھنے لگے گئے ہیں۔
ضلع ہزارہ کے دیگر مقامات پر مخالفت زوروں پر پڑھتی۔

مناظرہ سر اصحاب خان پور سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک قصیر سڑک
صالح ہے۔ جہاں کے خوانین مشہور ہیں ان خانین
میں سے ایک خان غلام خان صاحب تھے جو جماعت کی فرضیت کے قائل
تھے اور ان کی مسجد میں جو اس قبصہ کے غربی جانب واقع ہے جماعت پڑھا جاتا
تھا ان کے بھائی خان الہی بخش خان اسی قبصہ کے شرقی جانب سکونت پذیر
تھے اور ان کی علیحدہ مسجد ان کے مکان کے قریب تھی۔ حافظ محمد رمضان
صاحب پشاوری راستاد راقم المحرف، جو ایک تاجر الہدیث عالم اور واعظ نظریہ
بیان تھے، بھی بھی غلام خان صاحب کی دعوت پر سرانے صالح تشریف
لایا کرتے تھے۔ لیکن ان کی مسجد کے مستقل امام و خطیب مولوی محمد جوی صاحب
تھے جو ادویں گفتگو کیا کرتے تھے۔

چونکہ خان الہی بخش نام صاحب کا تعلق مخالفین جماعت سے
تھا انہوں نے ایک دن اپنے بھائی غلام خان صاحب سے کہا کہ اس
انسلائی مسئلہ نے ہمیں جدا کیا ہوا ہے۔ تم بھی اپنے علماء بلواؤ اور ہمیں بھی بلوانا
ہوں۔ گفتگو ہو کر یہ مسئلہ طے ہو جائے۔ اگر جماعت کی فرضیت ثابت ہو گئی تو ہم بھی
پڑھنے لگ جائیں گے۔ ورنہ تم بھی بھپور دینا۔

چنانچہ بالآخر مناظرہ کی تاریخ مقرر ہو گئی اور ضلع بھر میں چرچا ہونے لگا۔
شده شدہ یہ خبر خان پور میں بھی بینج گئی کہ سرانے صالح میں جماعت کے بارہ میں

غطیم الشان مناظرہ ہو گا۔ یہ سن کر قاضی صاحب کے والد قاضی محمد حسن حنفی اپنے ہر دو فرزندان کو ساتھ لے کر صدائے صالح آئی کہ وہاں کام مناظرہ بھی دیکھ لیں۔ مخالفین کے تقریباً اتنی عالم تمام ضلع ہزارہ سے وہاں اکٹھے ہوتے غلام خان صاحب کا خیال تھا کہ انہیں باہر سے علماء، بلانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے اپنے مولوی رحولی محمد جی صاحب (نہن تھے مخالفین سے پسٹ لیں گے۔ لیکن مخالفین کا اس قدر ہجوم دیکھ کر مولوی صاحب مذکور جو ذرا لکڑ در دل کے تھے بحث سے یہ لکھ کر کترانے لگے کہ اس قدر ہجوم میں فساد کا اندریشہ غالب ہے۔ اس لیے میں باہر آنا مناسب نہیں سمجھتا (اس بات کا ذکر بعد میں جب مولانا سید عبد الجبار غزنوی کے سامنے ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مولوی جی کا یہ وظیرہ فتویٰ عن النحو ایمانِ جماد سے بھاگ نکلنے کے مترادف ہے)

خیر۔ چونکہ وقت مقررہ سے تھوڑا ہی پہلے مولوی صاحب موصوف نے اس امر کا اندریار کیا تھا اور باوجود اس لقین دہانی کے کہ خندان من کا باضابطہ انتظام ہو چکا ہے اور کسی فساد کا اندریشہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مولوی صاحب اپنی صدر پر اڑ رہے تو خان غلام خان صاحب کو گھبرا بست محسوس ہوتی کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہم نے تو مولوی صاحب کے بل برتے پر ہی مناظرہ کی ٹھانی تھنی۔ وہ اس نازک وقت میں جواب دے گئے ہیں۔ اس وقت کوئی اور انتظام کرنا ممکن نہیں، شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ اور میں اپنے بھائی صاحب کو کیا منہ و کھاذں گا۔

خان صاحب کی یہ کیفیت دیکھ کر قاضی محمد صاحب وجود ہاں موجود تھے (اور ابھی آپ کے ڈاٹھی بھی نہیں آئی تھی) بول اُٹھے کہ اتنا گہرا تھے کیوں

ہو؟ بحث میں تو باتیں ہی کرنی ہوتی ہیں اگر مولوی صاحب کسی طرح باہر نہیں آتے تو میں ہی مخالفین سے دو دو باتیں کروں گا۔ گھبرا نے کی ضرورت نہیں۔ یہیں کہا کہ تم کیوں جلدی کر کے بول اٹھئے؟ چھپوٹا منہ اور بڑی بات "یہاں اور بڑے بڑے عالم موجود ہیں۔ اس پر ایک صاحب مجلس نے کہا: قاضی صاحب! آپ بخود اپنے نہ ہو بہتر ہو کر کچ مناظر و ہی بن جائیں۔ ان کا عرصہ بڑھانا ضروری ہے۔ اسی پر دعائے خیر کریں۔ سب اہل مجلس نےاتفاق کر لیا۔

چنانچہ مجلس مناظرہ منعقد ہو گئی۔ شرط تو قاضی عبد الواحد صاحب نے طے کیں اور مناظرہ کرنا قاضی محمد صاحب کے ذمے تھا برداشت مولوی محمد عزیزان بن بن مولوی عبد اللہ صاحب (ساکن سراۓ صالح) مولوی مظہر جمیل صاحب ساکن کھلا بٹ منجا شہر مخالفین مناظر قرار پانے۔ عبد اللہ خاں صاحب مرحوم برادر غلام خاں صاحب مرحوم نے خطہ امن کی ضمانت دی اور سرکاری انتظام بھی ہو گیا۔

جب مجلس مناظرہ منعقد ہوئی تو مولوی مظہر جمیل صاحب رجوا یک محرم بزرگ تھے) نے دیکھا کہ ان کے مقابل ایک نو عمر نوجوان برائے مناظرہ میدا ہیں آبیٹھا ہے تو کہنے لگے "برخوردار تمحارے بڑے بھائی اور والد صاحب یہاں موجود ہیں۔ کیا تم ان سے بڑے ہو کہ ان کی موجودگی میں تم نے پیش قدمی کی۔ تم بڑے غیر مذوب ہو۔" قاضی صاحب نے فرمایا "مولانا! بڑے تو بڑے ہی ہوا کرتے ہیں اور چھوٹے ان کے مقابلہ میں چھوٹے ہی ہوتے ہیں لیکن آپ نے ناہوگا الامر فوچ کا لادب میں ان بڑوں کی اجازت او حکم سے پیش ہو رہا ہوں" مولوی مظہر صاحب نے کہا تم نے چھوٹے چھوٹے رسمی

پڑھتے ہوں گے۔ بڑی کتابیں نہ دیکھی ہوں گی، قاضی محمد صاحب نے جواب اکھا: آپ حرفِ مطلب پر آئیں۔ ابھی یہ امر صاف ہو جائے گا کہ کون بڑی کتابیں جانتا ہے اور کون صرف چھوٹے رسالے۔ اور یہ چھوٹے رسالے بھی تو بڑی کتابوں سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ"

مولوی منظہر صاحب بلوے (برادریت مولوی حکیم عبد الغفور بن مولوی محمد یعقوب مرعم داتوی) برخوردار! اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وہا ادْتَیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں وَانَا مِنْهُمْ رَبِيعی میں بھی ان قلیلِ العلم لوگوں سے ہوں) اس لیے ہم لوگ قرآن شریف نہیں سمجھ سکتے۔

قاضی صاحب نے فرمایا آپ نے تقلید شخصی پر کلمہ ڈاچلا دیا۔ جب حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے حلیل القدر صحابی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھارزادوں اور ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ یا اللہ اسے رب عبد اللہ بن عباس کو) دین کی سمجھ عطا فرماء وہ بھی، قرآن نسبت کے تو پھر حضرت امام ابو حیینؓ کیسے سمجھ گئے؟ جن کے آپ مقلد بن گئے ہیں۔ اور مولانا! یہ تو فرمائیے یہ آیت قرآن میں کس جگہ ہے؟

مولوی منظہر صاحب: جواب ندارد رمولوی صاحب قرآن مجید میں اس آیت کی نشاندہی ذکر کسے)

قاضی محمد صاحب: مولانا اجنب آپ قرآن شریف پر ایمان لائے ہیں تو کبھی کبھی اسے کھول کر پڑھ بھی بیا کریں۔ یہ آیت سورہ بنی اسرائیل میں ہے اور پوری آیت یہ ہے یسٹلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ۔ قل الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّكَ وَمَا أَدْتَیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ

”ووچ اک امر ربی ہے تم اس کی حقیقت نہیں جان سکتے۔“

مولوی صاحب تو تیرانی کے عالم میں تھے کہ استئنیں چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ جس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ہم اکٹھے ہوتے ہیں اسے زیریحث لایا جاتے اور یہ نوک جھونک ختم کی جاتے۔

غرض گفتشکو شروع ہو گئی۔ سوال و جواب ہوتے رہے۔ بالآخر مولوی صاحب کھلابت نے فقہ کی ایک کتاب کی عبارت پڑھی اور اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا۔ لیکن پوری عبارت نہ پڑھی کچھ حصہ کھا گئے۔ قاضی صاحب نے کہا کہ یہ کتاب تو کھلا ہیں ہم بھی ایک نظر سے دیکھ لیں۔ پھر جواب دیں گے۔ لیکن مولوی صاحب کتاب دکھانے سے انکاری ہو گئے۔ کہنے لگے میں کتاب نہیں دیتا۔ قاضی صاحب نے اپنی جماعت سے راس کتاب کا نام لے کر دریافت کیا کہ یہ کتاب بخارے پاس ہے؟ جو نفی میں ملا۔ ایک اور کتاب کا نام لے کر پوچھا تو جواب پھری میں ہی ملا۔ اس کے بعد ایک اور کتاب کا نام یا تو جواب ملا کہ یہ کتاب موجود ہے۔ قاضی صاحب نے کہا وہی لا دو ر قاضی صاحب کو یاد تھا کہ وہی پیش کردہ عبارت بتا گہا اس کتاب کے حاشیہ پر موجود ہے۔ کتاب لے کر قاضی صاحب اہل مجلس سے مناطب ہوئے اور فرمایا، بھائی صاحبان! آپ نے دیکھا کہ مولوی صاحب نے ایک کتاب سے کچھ عبارت پڑھی میں نے کتاب مانگی تو انکار کر دیا۔ آپ کو اس انکار کی وجہ معلوم ہوئی ہے یا نہ؟ میں وہجی بتابے دیتا ہوں۔ تم لوگوں نے کہی قسم کے چور دیکھ ہوں کے۔ لیکن آج میں تمہیں عجیب قسم کا پور بتائے دینا ہوں اور وہ ہے کتاب کی عبارت کا چور مولوی صاحب اپنی کتاب دکھانے سے انکاری ہیں۔ کیوں؟

بے خودی بے سبب نہیں غالب

پچھ تو ہے جس کی پرده داری ہے

لیجھنے امولوی صاحب کی پیش کردہ عبارت اس کتاب میں (عویزہ
ہاتھیں ہے) حاشیہ پڑھنے بھر موجوں ہے اب میں اسے پڑھوں گا۔
لیکن پوری عبارت پڑھوں گا۔ امولوی صاحب اپنی کتاب سے مقابلہ کر لیں
کوئی شالٹ امولوی صاحب کے پاس بٹھادیں تاکہ جب میں عبارت پڑھنے
تو امولوی صاحب کی کتاب میں دیکھتا جائے اک رکھی جگہ کمی پیشی ہو نشاندہی
کر دے۔ میں پوری عبارت پڑھ کر تھیں اس کا مطلب سمجھاؤں گا۔ اور بتا دے
گا کہ اگر امولوی صاحب کی پیش کردہ کتاب کی پوری عبارت پڑھی جائے اور
یہ میں سے کوئی حسدہ حذف نہ کیا جائے تو یہ کتاب تو ہمارے حق میں فیصلہ
دے رہی ہے اور امولوی صاحب کے دعوے کے غلط ثابت کر دہی ہے۔
امولوی صاحب کو حق حاصل ہے کہ اگر میں غلطی کروں تو وہ مجھے ٹوک دیں
یہ کہہ کر آپ نے وہ عبارت پوری پڑھ کر سنائی۔ عبارت کا پڑھنا تھا اور
مطلوب کا بیان کرنا کہ فرقی مخالف پرستاٹا چھا گیا۔ اور کوئی آواز بال مقابل
نہ اٹھی۔ تاملی بیٹی گئی۔ اور میدانِ احمدیت کے ہاتھرہا اور مجلس برخاست
ہوتی۔

شرمنی مردوں میں چے میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ لاڈوں کا شکر جو
وڈر دُور سے آکر بیاں اتنے دنوں سے برا جان تھا جس نے شہر کے مرغے
بھی ختم کر دیئے ہیں۔ خان پور کے ایک لڑکے سے ہار گئے۔

(عرصہ ہوا ہے راقم الحروف ایک دفعہ سرائے صالح گیا۔ خان غلام خاں)

لہ جیسا کہ ایسے موقع پر عوام ایسا کرتے ہیں (رع، رج)

مرحوم کے جوہر میں چند سیند بار لیش بزرگ موجود تھے۔ جب ان سے میر اغار
کو رایا گیا (کہ میں قاضی محمد صاحب خان پوری کا بیٹا ہوں) تو بولے کہ اس مشور
منظراً میں ہم موجود تھے اور قاضی محمد سنبھل جو عبارت آواز بلند پڑھ کر نائی
تھی اس کی آواز اب بھی ہمارے کافلوں میں آرہی ہے۔ مخالفین عبارت
ہی سن کر مہوت ہو گئے تھے۔ اور قاضی صاحب نے مخالف مولوی صاحب
کی عبارت کی چوری کو عجیب پیرائے میں اجاگر کیا تھا۔ اس دن کی فتح عظیم
کو ہم بھول نہیں سکتے)۔

دورانِ مناظرہ ایک موقع پر خان المہینش خان بھی کچھ بول اُٹھے اس
پر خان فلام خاں صاحب نے کہا۔ بھاتی صاحب! یہ علماء کی آپس میں بحث
ہو رہی ہے۔ آپ بیک میں نہ بولیں۔ درنہ پھر میں بھی بولوں گا اور نتیجہ اچھا
ہو گا۔ اس پر خال عبد اللہ خاں (مرحوم) جنہوں نے خطط امن کی ضمانت دے
رکھی تھی یعنی میں آگئے اور ہر دو برادر ان کو مسنت سماجست کر کے روکا۔

جب مناظرہ ختم ہوا تو عبد اللہ خاں صاحب جنہیں دونوں بھائیوں
کی گفتگو فیما بین پر نقص امن کا اندیشہ ہو چلا تھا فوراً تفصیل کے صدر مقام پر
گئے اور حکام کو مطلع کیا کہ مناظرہ بخیر و خوبی ختم ہو گیا ہے۔ اب مجھے ضمانت
سے سکدوش کیا جائے۔ اس کے بعد کامیں ذمہ دار نہیں۔

مخالفین پر شرمندگی طاری تھی۔ انہوں نے اپنی قیام گاہ پر پیش کر کر کا
بھٹی! آج تو بہت بڑی ہوئی۔ تمام شر میں چرچا ہو رہا ہے کہ یہ لوگ ایک
خان پوری رٹکے سے ہار گئے۔ اس کا کچھ تدارک ضروری ہے۔ ایک منچھے
نے یہ تجویز پیش کی کہ کسی جیسے سے اس خان پوری رٹکے کو بلا یا جائے اور
ایک کتاب اس کے سامنے رکھ کر پڑھنے کا مطالبہ کیا جائے۔ جب وہ

پڑھنے لگے تو کتاب بند کر کے شور پا دریا جائے کرو! یہ کتاب وہ نہیں پڑھ سکا! اس حکمت سے شاید کچھ آبرو درہ جائے۔ ورنہ ہم تو کسی کو منہ دکھلانے کے قابل نہیں رہے۔ سب نے اس تجویز کو سراہا۔

ایک صاحب ان کی یہ باتیں سنتے ہی مسجد غلام خال مرحوم میں بڑے قاضی صاحب (قاضی محمد حسن صاحب) کے پاس پہنچے اور کہا کہ مخالفین نے یہ منصوبہ تیار کیا ہے اس لیے اگر کوئی شخص ان برخوردار کو ملانے آئے تو آپ انہیں اس کے ساتھ ہرگز روانہ نہ کریں۔ یہ منصوبہ اخنوں نے اپنی شرمہنگی کو دھونے کے لیے سوچا ہے۔

قاضی محمد حسن صاحب نے کہا: آپ کا شکریہ: یہ کہ اگر آپ مجھی مطلع کرتے تب مجھی ہم ایسے کچھ نہیں میں کہ ان کے جھانے میں آ جاتے۔ یہ باتیں ہماری بھی تھیں کہ ایک چرب زبان قاصد آہی گیا اور بڑے۔

قاضی صاحب کو ملاطف کرتے ہوئے یوں گویا ہوا۔

جناب قاضی صاحب! آج دل ٹھنڈا ہو گیا۔ بے حد مرث حاصل ہوتی۔ حق کا غلبہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ آپ کے برخوردار نے جس خوبی سے مخالفین کے دانت لکھتے کئے وہ ہمیشہ یادگار رہے گی اور ہماری خوشی کا سامان ہمیشہ حملہ لیے مہیا کرنی رہے گی۔ آج تو ہمارے لیے یہ دن یوم عید سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ برخوردار کی عمر میں برکت دے۔ اور وہ ہمیشہ ان طاغوتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوتا رہے۔ اس کو صد آفریں! اور آپ کو صدمبارک کہ آپ کے نور پرچم نے ایسا میدان مالا۔ مبارک بہ مبارک ॥

مبارک ॥

لیکن جناب میں ایک گزارش پیش کرنے آیا ہوں۔ عجب دماغ

پایا ہے ان بے وقوفوں نے! اب وہ ایک بات پڑاڑے ہوئے ہیں
کہتے ہیں۔ لوگ اس خانپوری کی عمارت پر عش عش کر رہے ہیں اور ہر چیزی
ذکر ہے کہ آج تک ہم نے تو کسی مولوی کو اس طرح نقشیں طور پر عمارت
پڑھنے نہیں دیکھا۔ بس عمارت کا پڑھنا تھا کہ مخالفین پر ایسا سکوت طاری
ہوا کہ منہ سے ایک عرف بھی نہ نکلا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک کتاب پیش
کرتے ہیں۔ اُسے پڑھ کر بتائیں تو نہیں۔ وہ ایک مشورہ کتاب تھی اس کا پڑھنا
کوئی بڑی خوبی نہیں۔“

تو جناب! میری گذارش یہ ہے کہ اگر آپ ان برخوردار کو میں کسے
ساتھ چانے کی اجازت دے دیں تو بہت بہتر رہے گا۔ یہ ایک دفعہ اور
ان کا منہ کالا کرائیں جس طرح مجلس مناظرہ میں کیا تھا اور ان کے لیے اس
بانے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔“

جب یہ گفتگو ختم ہوئی اور ان صاحب نے اپنا دلی ہمدرد اور خیرخواہ
اور ہم نواہونا اس انداز سے پیش کیا تو قاضی محمد حسن صاحب والہ مناظرہ نے
ان کو یہ جواب دیا:

”جناب! ہم سچا کھیل کھیل کرتے ہیں۔ جھوٹ کھیل کے ہم قائل نہیں۔“

بڑا اس دام بر مرغ ڈگرنہ

یہ مناظرے کوئی بچوں کا کھیل تھا ہے ہی ہیں۔ ہم تو حق کے طالب
ہیں کہ حق آشکارا ہو۔ اگر کوئی شخص ایک مناظرے میں لا جواب ہو جائے تو
ضروری نہیں کہ وہ ناقی پر ہی ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس مسئلہ میں وہ لا جواب
ہوا ہے۔ اس کا جواب موجود ہو لیکن اسے مخففرہ ہوا ہو۔ اس لیے اگر فرقی
مخالف یہ بھتا ہے کہ اس کے پاس ایسا سوال موجود ہے جس سے وہ اپنا عنہ

ثابت کر سکتا ہے تو باضابطہ چیلنج دے کر اور حفظِ امن کا ذمہ دار ہو کر ہمیں
ہلائے تو ہم ایک دفعہ نہیں دس مرتبہ آتے کوتیا رہیں۔ جو تجویز آپ لے کر
آئے ہیں۔ یہ دائب علماء نہیں، انہیں کہیں کہ انتظام باضابطہ کر کے صحیح طریقے
پر عمل کریں لہذا قاصد کونا کام جانا پڑا۔ اس نے والپی پر انہیں کہا کہ بھنی یہ تو بڑے
بیشمار ہیں۔ ہمارے چکے میں نہ آئے۔ یہ جواب پاک فرقہ مختلف نے پھر کوئی
حرکت نہ کی۔ اس مناظرہ کا خواہیں پر یہ اثر ہوا کہ دو بھاتی خان عبداللہ خان اور
خان دوست محمد خان کے دل سے تعصیب جاتا رہا اور وہ اہمیت سے
محبت کرنے لگے اور بالآخر اسی عقیدہ کے ہو گئے

مجبی مولوی محمد عرفان بن مولوی عبداللہ صاحب ساکن سراۓ صالح
(تمینہ قاضی محمد صاحب) کی روایت ہے کہ مناظرہ مذکور کے علاوہ سراۓ
صالح میں قاضی صاحب نے دو اور مناظرے بھی کئے تھے ایک تو مولوی
عبد القادر صاحب ساکن سراۓ صالح سے اور دوسرا مولوی محمد دین بدھوالہ
سے تیجہ دی ہوا جو پہلے مناظرہ مذکورہ میں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ فتحانی
صاحب کا ایک مناظرہ ایبٹ آباد میں حسپ و رخواست قاضی محمد میر عالم
صاحب نے سکندر پور رائی اسے۔ سی) مولوی عبداللہ صاحب ساکن جہوی
(تحصیل فتحانہ) سے بھی ہوا۔ مولوی عبداللہ پڑے منطقی مشہور تھے۔ آپ
فرماتے تھے کہ ہم نے سمجھا کہ کسی منطقی سے بحث کریں گے۔ لیکن ہم نے تو
ان کی کوئی منطقی نہیں دیکھی ایک دو باتوں میں ہی لاجواب ہو گئے۔
ان مناظرات کے تیجہ میں خان پور کا رعب ایسا پڑا کہ اب تک
خان پور کا نام سن کر مولوی کا پتے ہیں

خان پور میں سلسلہ درس و تدریس قرآن و حدیث جاری تھا۔ اکثر

طالب علم علاقہ غیر کے حجاجت مجاہدین سے بھی آتے۔ مخالفین حکومت کے پاس شکایات پہنچاتے کہ یہ لوگ حکومت انگریزی کے مخالف ہیں۔ اور مجاہدین یہاں آگر ان سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تفتیش کا حکم ہوتا تو اکابر راجہ کان اس خبر کی تروید کر دیتے کہ مخالفین کا پروپیگنڈا انداشت پر بنی ہے اس لیے آپ سے براہ راست اس بارہ میں کسی افسر نے بھی پوچھ کچھ نہ کی۔ پہنچ کر ان دونوں اس علاقہ میں علم حديث رائج نہ تھا اس لیے والد صاحب رفاضی محمد صاحب موحدیث پڑھنے کا کوئی موقع نہ ملا تھا۔ والپی پر والد صاحب نے آپ سے حدیث پڑھی اور آپ کی ہمشیر بھی حدیث میں اپنے والد صاحب کی ہم سبق رہی جو بعد میں مولانا عبد الواحد صاحب غزنوی کے نکاح میں آئی علاوہ مجاہدین کے ضلع ہزارہ کے پشاڑی علاقہ کے بہت سے لوگ آپ نے مستفید ہوتے اور کشمیر کے بہت سے لوگوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔

لکھیاٹ کے گرد و نواح کے مولوی عبد الوہاب صاحب اور مولوی عبدالرحمن صاحب اور مولوی عبد الغفرانی صاحب عثمانی رکذ صاحب عثمانی (رکذ صاحب جدیب اللہ) مترجمہ شہزادہ نخبۃ الفکر آپ کے خاص انسخاصل شاگرد ان میں سے تھے۔ کوئی فہرست شاگردوں کی نہیں کھلی لیکن کثیر التعداد لوگوں نے آپ سے حدیث پڑھی۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے آپ کے بڑے بھائی قاضی عبد الواحد صاحب نے آپ کو اولین بڑی بلوایا بھماں وہ آپ کے ساتھ مطب میں شرکیں رہے۔ لیکن بعد میں والپیں گھر آگئے کیونکہ اس کار و بار میں طبیعت نہ ہی۔

قاضی صاحب پشاور میں ^{تھیں ۱۸۹۵ء - ۱۸۹۷ء} غزنوی کے حکم سے آپ نے پشاور صدر میں مسجد مولوی عبد النجیم رحوم کی خاطبۃ قبول کریا اور پشاور میں چلے گئے جہاں وہ ^{۱۸۹۷ء} تک رہے۔

مولوی ولی محمد جالندھری کی آمد پشاور میں

جب آپ صدر پشاور میں پہنچے تو دو سے تیریسرے روز شرپشاور میں چلے گئے کہ شہر دیکھ آئیں۔ قصہ خوانی بازار میں محمد رمضان کتب فروش کی دکان پر جا بیٹھے۔ یہاں ایک ٹپھان مولوی صاحب جو کتابت سے نااٹھا معلوم ہوتے تھے عربی رسم الخط میں بہت ہی آہستہ آہستہ اردو عبارت مبینکل لکھ رہے تھے۔ اور ایک سطر کی تکمیل میں بہت وقت صرف کر رہے تھے۔ آپ نے لوچھا مولانا! اکپ کیا لکھ رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ ایک اشتہار کا جواب لکھ رہا ہوں۔ پنجب سے ایک مولوی آیا ہے جس نے ہمارے خلاف اشتہار نکالا ہے۔ اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ تاکہ یہاں مطبع میں دیا جائے۔ قاضی صاحب نے کہا فراہد اشتہار مجھے دکھایا دیکھ کر مولوی صاحب سے کافر اور قلم و دفات طلب کی اور پانچ منٹ میں اس کا مدلل جواب خوش خط لکھ کر مولوی صاحب کو دے کر کہا۔ مولوی صاحب آپ یہ جواب دیکھیں۔ اگر آپ کو پنڈ آئے تو یہی جواب شائع کر دیں۔ اس پر مولوی صاحب (جو مولوی عبدالکریم بن مولانا محمد صدیق صاحب پشاور تھے) جواب دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے اور دریافت کیا کہ آپ کماں سے آئے ہیں اور یہاں کیسے آنا ہوا؟ آپ نے کہا میں خانپور سے مولانا تیڈ عبدالجبار صاحب غزنوی کے حکم سے آیا ہوں اور اپنا تعارف کرایا۔ مولوی صاحب خوشی سے بھپوئے نہیں سماتے تھے۔ یہ مولوی ولی محمد جالندھری کے اشتہار کا جواب تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب وہ متودہ منجانب حافظ محمد رمضان صاحب رسروار علمائے الہمدادیث پشاور جو نامیتا تھے مطبع

میں دے کر والپس بمع قاضی صاحب حافظ صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری امداد غیر سے کی ہے۔ قاضی محمد صاحب خان پوری اتفاق سے آگئے ہیں۔ جواب اشتبہ قاضی صاحب نے ہی لکھ کر دیا ہے جو مطبع میں لکھ کر دے آئے ہیں۔ جماعتِ اہلہ شریعت کے لیے وہ دن عید کا تھا۔

اس کے بعد کئی اشتہار و دونوں طرف سے شائع ہوئے۔ جماعتِ اہلہ شریعت کی طرف سے جواب قاضی صاحب لکھتے لیکن حسب تصدیق حافظ صاحب موصوف ان کی جانب سے شائع ہوتے کیونکہ مخالف انہیں ہی مطلب کرتے تھے۔

یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دن قاضی صاحب محمد شریف مالک مطبع شریفی کی دکان کتب میں رجوع مکمل رمضان مذکور کی دکان سے مصلحتی۔ بیٹھنے جوئے تھے اور مولوی عبد الحکیم صاحب بھی ساتھ تھے۔ دیکھا کہ ایک کاتب ایک اشتہار کی تکاہت کر رہا ہے۔ وہ اشتہار میں جانب ولی محمد جاں لندھری تھا۔ وہاں سے کچھ نوٹ لے کر قاضی صاحب نے اسی وقت اس کا جواب تحریر کر کے مولوی عبد الحکیم صاحب کے حوالے کیا اور کہا کہ زیادہ اجرت دے کر اے دوسرے اشتہار سے قبل طبع کرانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب مخالفین کی طرف سے ایک فاقد مولوی ولی محمد کے اشتہار کے چند پر پھر لے کر حسب فیستور سابق حافظ صاحب کی مسجد میں پہنچا اور کہا کہ آپ کے اشتہار کا جواب لایا ہوں تو مطبوعہ اشتہار کے چند پر پھر دے کر قاصد سے کہا گیا کہ لوہا اس اشتہار کا جواب بھی لیتے جاؤ۔ والپسی پر اس نے مولوی ولی محمد سے کہا کہ انھوں نے آپ کے اشتہار کا مطبوعہ جواب مجھے دے کر کہا کہ

جواب بھی ساتھ یلتے جاؤ اور وہ اشتہار پیش کر دیئے۔ اس پر مولوی ولی محمد سخت سوٹ پایا اور کہنے لگا کہ تم بڑے نالائق ہو۔ یہ معاملہ میں نے کسی بجھے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ مولوی صاحب کو چند دن اور حلسوے مانڈے بلکہ دکھانے کی آمید تھی۔ جس پر پرانی پھر گیا۔

انتہے میں صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب مرحوم کو خبر ملی کہ ایک مفتون بیجا سے آیا ہے اور اس نے شہر کی فضا کو بگاڑ دیا ہے۔ امھنوں نے ڈپٹی کمشنر پشاور نے کوتوال شہر کو براۓ قضیتی صورت حال مامور کیا اور حکم دیا کہ فوری تحقیق کے بعد رپورٹ دیجائے

کو کوتوال صاحب نے حافظ صاحب اور مولوی ولی محمد ہر دو کو طلب کر کے دریافت کیا کہ شہر میں یہ کیا ہوا ہے؟ حافظ صاحب نے کہا کہ عرصہ دراز سے ہم ہیاں رہتے ہیں اور ہمارے تعلقات فیما بین اچھے ہے ہیں۔ کبھی تصادم نہیں ہوا۔ شخص باہر سے آما ہے اور ہمارے خلاف اشتہار بازی شروع کر دی ہے۔ لوگ ہم سے جواب کا مطالبہ کرتے ہیں اگر جواب نہیں دیتے تو لوگوں کو موقع مل جائے گا کہ وہ کہیں کہ تم ناجی پر ہو اس لیے جواب نہیں دیتے ہمیں تو مجبوراً جواب دینا پڑتا ہے۔ بغواٹے مقولہ :

”اَبْسَادِيَّ اَظْلَمُ“ یہ شخص اس بد مرغی کا ذمہ دار ہے۔ کوتوال کی رپورٹ پر ڈپٹی کمشنر صاحب نے حکم صادر کر دیا کہ ولی محمد جاندھری پوہیں گھنٹے کے اندر اندر ضائع پشاور کی حدود سے باہر نکل جائے۔ ورنہ اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ اس طرح یہ اشتہار بازی ختم ہوئی اور مولوی ولی محمد فنا

یہ شرط پڑھتے ہوئے پشاور سے رخصت ہوئے ہے

نکلن خلد سے آدم کا نتے آئے تھے میکن
 بہت بے آبر و ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے
 جن سیٹھیوں نے مولوی صاحب ندو کی آمد پر ان کی گاڑی تبرکات خود پختی
 تھی ان میں سے کسی نے ان کی مثالعت تک شکر کی اللہ تعالیٰ نے امیریت
 کو فتح عظیم عطا فرمائی اور عرصہ دراز تک کوئی آوازان کے خلاف نہ اٹھی۔
 پشاور کے حصہ قیام میں کثیر التعداد طلبہ نے آپ سے حدیث پڑھی میکن
 کوئی فہرست طلبہ کی مرتبہ کی مولوی محمد الیاس مضافات پشاور کے ہئے
 والے اور مولوی محمد عرفان ساکن سراۓ صالح اور قاضی عبد الحمید مرحوم خانپوری
 کے اسماء یاد ہیں۔

چونکہ آپ پشتو زبان نہیں جانتے تھے اور پشاور میں اکثر طلباء پشتون
 ہی ہوتے تھے۔ اس لیے جب کوئی طالب علم ایسا آتا تو آپ اسے کہتے
 کہ میں پشتون نہیں جانتا اگر فارسی میں تشریح سمجھ سکو تو میں پڑھانے کو تیار ہوں
 وہ یہ سن کر خوش ہو جاتے کیونکہ اس علاقے میں طالب ہم سبے پہلے فارسی
 کا فناہاب پورا کرتے ہیں۔ آپ انہیں فارسی میں پڑھاتے۔ اس طرح کئی
 پٹھان طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔

ایک تحریک چان طالب علم کا قصہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے آپ ڈیگری بازار پشاور میں سے گزر رہے تھے
 جس میں ایک بالاخا۔ پر ایک بزرگ مولوی صاحب المعروف امامزادہ ملا
 سکونت پذیر تھے۔ فرمایا چلیں امامزادہ کی ملاقات کر لیں۔ وہ اس وقت
 ایک سفید ریش پٹھان طالب علم کو شرح نجہنہ (اصول حدیث کی ایک کتاب)

پڑھا رہے تھے۔ یہیں ہیوں پر حڑھتے ہوئے ایک لفظ آپ کے کان میں ٹرا۔ اور پڑھ کر جب مولوی صاحب سے ملاقات ہوتی تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ایک مقام اتنا دوست گرونوں کے لیے مسم بنا ہوا ہے۔ لذا صاحب نے طالب علم سے کہا کہ یہ مقام قاضی صاحب سے حل کرلو۔ بغیر سوال آپ نے کہا کہ فلاں مقام ہے نا؟ اس کا مطلب یہ ہے۔ طالب علم حیران ہو گیا کہ جس مقام پر ہم اتنی دیر سے بچھتے ہوئے تھے۔ آپ نے دور سے ایک لفظ سن کر فوراً حل کر دیا۔ اس نے اسی وقت لذا صاحب سے درخواست کی کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں باقی کتاب قانونی صاحب سے ہی پڑھوں۔ آپ نے بخوبی اجازت دے دی۔ وہ شخص ہفتہ میں صرف دوبار پڑھتے آتا کیوں کہ اس کا گاؤں کافی دور تھا۔ تھا بڑا کندڑ ہے۔ اس لیے آپ اس پر اکثر غصہ بھی کرتے ہیں کیونکہ کبھی کوئی مقام بڑی محنت سے اسے سمجھایا جاتا اور وہ تسلیم بھی کرتا کہ وہ سمجھ گیا ہے۔ ایک دو سطح پڑھنے کے بعد وہ پھر وہی سوال کر دیتا۔ اس پر آپ کو غصہ آ جاتا اور فرماتے کہ ابھی ایک سطر اور پتم نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اب پھر وہی سوال دہرا رہے ہو۔ لیکن باوجود غصہ کے وہ اپنی بات پڑاڑا رہتا اور پوری طرح سمجھ کر دم تیت مجھے اس بزرگ کا لفظ "جی قربان" جو وہ ہر سوال کے شروع میں استعمال کرتا خوب یاد ہے، جب تک پوری طرح سمجھ نہ لیتا۔ "جی قربان! اس..... کا مطلب کیا ہے؟" دوہرًا ہی رہتا۔ غرض اس نے وہ کتاب پوری پڑھ لی اور دعا میں دیتا ہوا گیا۔

پشاور صدر کے اکابر مقتدیاں

پشاور صدر میں آپ کے اکابر مقتدیوں میں سے چند کے نام یہ میں

(۱) ڈاکٹر سید جمال الدین صاحب الکنیو میڈیکل ہال۔ (۲) سیٹھ آغا حیدر رضا
 المعروف آغا ملا (۳) آغا عبد الحمی صاحب (۴) آغا عبد الرؤوف صاحب رہنماء
 مارکان فرم رحمت اینڈ سنسٹر (۵) شیخ بابو شیر محمد خان صاحب امر تسری رافسٹر محمد انوار
 لہ ڈاکٹر سید جمال الدین صاحب ایک بڑے متقدی اور صدیق انسان تھے۔ اپنی
 اولاد کو دبوبہ اور رعب سے پابند شریعت رکھا ہوا تھا۔ اپنے تینوں پسران سید محمد
 سید احمد، سید باقر کو مسجد میں ہمراہ لاتے۔ صبح کی نماز میں اول وقت مسجد میں پیش جاتے
 آپ کی تین صاحبزادیاں سب حافظات قرآن تھیں۔ آپ نے اس دیرینہ رسم
 کو جس کے رو سے لوگ کسی سید زادی کا نکاح غیر یہ مسلمان سے ناجائز بسمحتے ہیں
 عملًا تو لڑکر اپنی تینوں صاحبزادیاں بابو شیر محمد خان صاحب کے تینوں بیٹیوں کو نکاح
 کر کے دے دیں۔ آخر عمر میں باوجود طاقت کے دو خانہ کے کام سے باکثیہ
 دست کش ہو گئے اور مطالعہ کتب دینی اور عبادت کے لیے فارغ ہو گئے۔
 دو خانہ کا سارا کام اپنے بیٹے سید احمد (رحموم) کے حوالہ کر دیا۔ سچ بعد میں ایک قابل
 ڈاکٹر کی حیثیت سے علاقہ بھر میں مشور ہوئے رحمہم اللہ آمین۔

لہ یہ بزرگ شریک فرم رحمت اللہ اینڈ سنسٹر تھے۔ دنیا دی کام سے بے نیاز ہو
 کر صرف مسجد ہی کے ہو کرہ گئے تھے اکثر وقت مسجد میں ہی رہتے تھے۔ دو
 گھنٹیاں پاس رکھی ہوتی تھیں۔ نماز کے اوقات کی لفڑی دامن گیرتی۔ وقت تو تھے
 ہی اذان کہہ دیتے۔ اس لیے باوجود سیطھ ہونے کے آپ کا القاب ہی "آغا ملا"
 مشور ہو گیا۔ رحمہم اللہ، آمین۔

لہ شیخ صاحب ایک میراں حدیث بزرگ تھے۔ امر تسری مسجد نزدیکی سے فلک
 تھے۔ حدود جنیک اور دیانتدار افسر تھے۔ مجھ پری اقتیار بھی حاصل تھے جنہیں خوف
 خدا بذرکت ہوئے استھان کرتے۔ تمام افسران بالا آپ کی دیانت داری اور

(۴) ٹھیک دار ولی داد صاحب وزیر آبادی مالک کار خانہ آہنی ر، نور خان صاحب
 کفتر بیکھر رپنیر والے، جن کے بڑے بیٹے بعد العزیز طبی عمر پا کر تھوڑا عرصہ ہوا
 حاشیہ صفوگوڈ شر فرض شناسی کے شناخوان تھے۔ اپنے افسر اعلیٰ کے ساتھ دورے
 میں جب نماز کا وقت ہوتا تو کہتے میری نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ انگریز افسر بھی ٹانگو
 سے اتر کر کسی جگہ ملچھ جاتا اور آپ خوش و خصوص سے لمبی نماز ادا کرتے اور افسر انتظام
 کرنے والے راستے میں قرآن حفظ کرتے اور حائل خونریز نرم جم کے چند نسخے ساتھ میں جاتے
 جس گھاؤں میں کسی امام مسجد کو اس کا اہل سمجھتے اسے ایک حائل مفت دے کر
 تاکید کرتے کہ خود بھی پڑھیں اور ترجمہ مع حواسی لوگوں کو بھی نایمیں غرض ساتھ ساتھ
 تبلیغ دین کا فرض بھی ادا کرتے۔ اپنی تجوہ سے بقدر ضرورت قوتِ لایوت
 رکھ کر بقا یا بیواؤں، تیمبوں اور دیگر مستقیمین میں تقسیم کر دیتے۔ آپ پہاڑ پورہ ضلعِ ڈیرو
 اسمعیل خان میں نکوار ہے تھے اور افسران آپ کے اس کام سے بہت خوش تھے
 کیونکہ وہ ایک مشکل منصوبہ تھا۔ یک یا یک بیمار ہوئے اور وہاں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔
 قبل از وفات آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں تھمارے یہ کوئی روپیہ نہیں
 چھوڑ جائیں۔ لیکن فکر کرنا کیونکہ میں نے تمہارے یہی ایسے بینک میں رقم جمع کر کھی
 رہے جو بھی دیوالیہ میں ہو سکتا۔ مطلب یہ تھا کہ خدا کے ہاں شکل خیرات مصدقات جمع شدہ ہے
 اللہ تعالیٰ تمہیں محتاج نہیں کرے گا۔ رحمۃ اللہ و رہنمی عنہ و جعل الجنة مثواہ۔ آئین انتہی یہ
 ہوا کہ آپ کی وفات کی خبر سن کر آپ کے افسر اعلیٰ نے جو شیخ صاحب کے حالات سے بخوبی دا
 تھا ایک خیطر رقم فوراً ان کے گھر بھیج کر لاملاکہ فی اکمال یہ رقم خرچ کرو اور کسی قسم کا فرمان
 کرنا۔ میں محت سے یہ منتقل آمد فی کا انتظام کر رہا ہوں۔ بالآخر سن گیا کہ گورنمنٹ
 کی طرف سے ان کے پس مانگ کان کو پانچ مرلے اراضی کے عطا کئے گئے اور وہ
 مرفہ اکمال ہو گئے۔

نوت ہوئے ہیں (۸) بابو عبد الغنی صاحب (۹) مولوی محمد حسین صاحب (رجو مولانا ۱۰) یید عبد اللہ صاحب غزنوی کی صحبت سے بھی مشرف ہوئے تھے (۱۰) امیاں الیخیش صاحب دہلوی طیلر ماسٹر المعرفت بڑے میاں (۱۱) جو ایک محترم برگ تھے اور اذان بلند آواز سے دیا کرتے تھے (۱۲) قاضی محمد الدین صاحب (۱۳) سلیمان اللہ صاحب تبا کوفروش وغیرہ، یہ اصحاب مخلص اور متعداں حدیث تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جنت الفروش عطا کرے آمین۔ ان کی مجلسیں علمی بحث و مباحثہ کو مرہبہ اور سب اصحاب مستفید ہوتے۔

والپی خان پتو

تھیں ۱۹۰۰ء کے اوائل میں بیگم راجہ جہاندرا خاں مرحوم (رجا آپ کے خاص اخخاص شرگردان راجہ محمد فرخاں دراجہ عہد الغرض خان کی ہمیشہ و تھیں) کی اسناد پر مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ بیگم مذکورہ کی ولی نواہش تھی کہ راجہ صاحب مرحوم کے ہر سارے پسران حیدر زمان خاں، صفدر زمان خاں، منوچھر خاں بھی آپ سے کچھ استفادہ کر لیں چنانچہ ہر سارے نے آپ سے کچھ عرصہ تک تعلیم پائی۔

اور اس عرصہ میں دیگر طلباء تے دشی نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔

قاضی محمد صحبہ راولپنڈی میں

زال بعد ۱۹۱۶ء میں مسید الحدیث راولپنڈی شہر کی خطابت کی جگہ

لہ جب عبد اللہ صاحب غزنوی کا کابل سے بوجاتبائع سنت اخراج ہوا تو آپ ان کے ہم سفر اور جان شارتا پشاور رہے رحمة اللہ۔ آمین

خالی ہو گئی۔ غاباً مولوی حافظ عبدالمادی صاحب اصل خطیب مسجد مذکور کی وفات کی وجہ سے ایسا چوا۔ اس لیے قاضی عبدالاحد صاحب آپ کے برادر کلال نے آپ کو وہاں کی خطابت کے لیے راولپنڈی بلایا۔ وہاں بھی طالبانِ حدیث نبوی نے آپ سے فائدہ اٹھایا انہی دنوں حکیم عبد الرحمن (رحمۃ بن مولانا) ہدایت اللہ صاحب مرحوم امام مسجد جامع اہم حدیث راولپنڈی صدر نے آپ سے صحیحین پڑھیں نیز طب کی آخری درجہ کی کتب بھی پڑھیں۔ اور مولوی عبد الرحمن کشیری تو آپ کے پرانے شاگرد تھے جو مدت العمر اسی مسجد مذکور سے فلک رہے۔ رحمۃ اللہ

مسجد کو میں آپ کی کرمت کا ایک واقعہ

ایک دفعہ اسی مسجد میں آپ نمازِ ظہر کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ نے پچھلی رجو پشاوری نئی تھی، اتار کر صرف پرکھ دتی اور خود بیل پر بیٹھ کر دضور نہ گئے۔ اتنے بیل کوئی تسلیل آنکھ لایا ویکھ کر کہ آپ کی پیٹیہ نئی کی طرف ہے وہ پچھلی اٹھا کر چلتا بنا۔ جب آپ دھو سے فارغ ہوتے تو دیکھا کہ پچھلی غائب ہے۔ آپ نے کہا، جس شخص نے یہ کام کیا ہے بہت برا کیا ہے۔ کیونکہ میں نماز کے لیے دضور کر رہا تھا۔ اور وہ میری پچھلی سے گیا۔ دو دن بعد ایک شخص اسی وقت اس مسجد میں آیا اور وہی پچھلی سامنے کر کے پوچھا: جناب! کیا یہ پچھلی آپ کی ہے؟ آپ نے کہا ہے تو میری۔ اس نے کہا کہ جو شخص یہ پچھلی لے گیا تھا وہ جاتے ہی ایسے درو میں بنتا ہوا کہ اسے دو روز کے ہر قسم کے ملائج معاکر سے کچھ افاقت نہ ہوا۔ اور اس کی حالت حد درجہ نازک ہو گئی اور سمجھنے کی امید نہ رہی تو اس نے مجھے اس مسجد کا نشان

بتا کر آپ کا حلیہ بھی بتایا اور کہا کہ یہ پچڑی جا کر انہیں والپس دے دو اور میری طرف سے درخواست کرو کہ براۓ خدا مجھے سمجھش دیں میں کسی بزرگ اللہ کے بندے کی پچڑی چڑالایا ہوں؟ اگر وہ مجھے سمجھش دیں تب میرے بچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا "مجھے پچڑی مل گئی ہے۔ میں نے اسے سمجھش دیا۔" قاضی صاحب کچھ عرصہ کے بعد پھر خانپور چلے آئے اور تادفنا وہیں مقبرہ رہے۔

مولوی نظام الدین المعرف ملامتانی حنفیان پور میں

انہیں دنوں بعض متعصّبین کی دعوت پر مولوی نظام الدین صاحب خانپور میں وارد ہوئے۔ قاضی صاحب کے برادر اصغر قاضی ابوالعلیل یونس حسین صاحب سے سلطان حیدر زمان خان مرحوم کی ڈیلوڑھی میں مولوی صاحب کی ملاقات ہو گئی معلوم ہوا کہ آپ الہمدیث سے سجھت کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ قاضی صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ کے پاس کسی مدرسہ کی نہ ہے وہ بتانیں تاکہ آپ سے گفتگو کی جائے۔ ملا صاحب نے قشی فاضل کی سند پیش کر دی۔ قاضی صاحب نے کہا کہ اس سند کو قرہبم مجھس کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ اس سے تصرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم کچھ فارسی جانتے ہو۔ دینی لحاظ سے تو یہ سند بخوبتے نیز رد۔ جب قاضی صاحب کو ملامتانی کی آمد کا علم ہوا تو با وجود ضعف خود سلطان صاحب ہو صوف کی ڈیلوڑھی میں پہلے گئے اور ملامتانی سے مل کر کہا کہ تم ہر وقت حق کی قبولیت پر آمادہ ہیں۔ ملا صاحب نے بعض مسائل اخلاقیہ کا ذکر کیا۔ آپ نے کہا کہ ہماری تحقیق ان مسائل میں یہ ہے۔ اگر آپ اس سے بہتر کوئی طریقہ بتا دیں تو اسے قبول کر لیں گے ملا صاحب

کو سوائے تسلیم کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ دوسرا روز بگلانے والوں کو کوستے ہوئے یہ کہہ کر واپس ہوئے کہ تم لوگوں نے مجھے دھوکہ دیا ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم لوگ مجھے ان بزرگوں کے مقابلہ کے لیے مدعا کر رہے ہو تو میں کبھی حامی نہ بھرتا۔

چونکہ خانپور میں علمی بحاثت کا عدم مختیں اس لیے اکثر اوقات و تنفس سے آپ حافظ محمد رمضان صاحب، مولوی عبدالکریم صاحب اور مولانا حافظ عبد القادر صاحب کی ملاقات کے لیے پشاور چلے جاتے جہاں کچھ عرصہ علمی مشغلم تیرہ جاتا اور کبھی رادیپنڈی بڑے بھائی صاحب کی مجلس کی خاطر چلے جاتے اور دل کا بوجھ آتا رہاتے۔

خان پور کے مضافات کا ایک طالب علم

ایک صاحب جن کی سکونت خانپور سے، ۸۰ میل کے فاصلے پر تھی ہر روز صحیح بخاری آپ سے پڑھنے خانپور آتے۔ جب وہ دستک دیتے تو آپ کتاب لے کر مسجد چلے جاتے اور انہیں سبق پڑھا آتے۔ طالب علم جس قدر پڑھا جائے آپ اسے روکتے رہتے۔ جب وہ طالب علم کہتا کہ اب بس کروں۔ تو آپ فرماتے۔ بخاری مرضی۔

ایک روز آپ علیل ستحے اسی طالب علم نے دستک دی۔ آپ پہچا گئے کہ یہ دستک فلاں اخوندزادہ کی ہے رکینوں کا آپ اپنے شاگردوں کو عام طور پر "اخوندزادہ" کہہ کر ہی پکارا کرتے ستحے عبد الرحمن پسر قاضی صاحب نے اس طالب علم کو یہ کہہ کر خدمت کر دیا کہ "آنچ والد صاحب کو سنجار ہے" آپ نے عبد الرحمن سے پوچھا کہ آواز آتی تھی وہ اخوندزادہ تو نہ تھا جو روزانہ

سبق پڑھنے آتا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا۔ وہی تھا لیکن میں نے اسے یہ کہہ کر کہا آپ کو سجا رہے وہ پس کر دیا ہے آپ نے اُسے ڈانٹ پڑائی اور کہا کہ فوراً جاؤ اور اسے واپس بلا لاؤ۔ وہ بے چارہ اشیٰ دور سے آتا ہے، تم نے بغیر پوچھے اسے کیوں رخصت کیا؟ وہ دوڑا گیا اور اسے واپس بلا لایا۔ اتنے میں آپ فتح الباری کی ایک جلد اٹھائے ہوتے باہر نکلے۔ طالب علم نے مصافحہ کرتے ہی کہما، اوہ ہو جناب آپ کو تو بنا معلوم ہوتا ہے۔ آج سبق کا نامغہ ہی پہتر ہو گا۔ آپ نے کہا نہیں مجھے حدیث پڑھانے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ تم کیوں اس وجہ سے سبق سے محروم رہو اور مسجد میں بلیٹھ کر اُسے پورا سبق حسب معمول پڑھایا۔ انہیں دونوں مولوی عبد المجید صاحب ساکن ڈھینڈہ رہنارہ، جو مولانا یہ عباد انجمار صاحب غزنوی کے شاگرد تھے خان پور آئے۔ مسجد میں درس حدیث جاری تھا اور میں لگئے خدا جانے یہ شیخہ فیض حب تک بیان جاری رہتے گا۔ انہوں کہ اس کے بعد خوڑا عرصہ ہی وہ شیخہ جاری رہا پھر۔

آں قدر بثکست و آں ساتی نامہ

دورانِ تعلیم سخنپبان کے ایک گاؤں میں قیام

حوالہ تعلیم کے ابتدائی دونوں میں آپ کا بیج برادر کلاں رفاقتی عبد الرحمن صاحب (پنجاب کے ایک گاؤں میں قیام ہوا۔ رافسوس کے اس کا نام نزد پوچھا جائے کہ نیکن غالباً وہ ضلع بہلم و راویں ندی کے درمیان کے خلک علاقہ میں قائم تھا، آپ کہتے تھے۔ اس گاؤں کی آبادی تھوڑی تھی اور طالب علموں کی تعداد زیادہ تھی۔ حب و ظائف آتے جو صرف باجرہ اور بجکی روٹی کے ہوتے تو

ان کے چھوٹے چھوٹے عکسے مقدار ایک نوالہ بنائے جاتے اور طلباء میں تقسیم کئے جاتے صرف تین چار نوالے ہر ایک طالب علم کے حصہ میں آتے۔ وہ کھا کر ہم پانی پی لیتے اور بہت خوش رہتے کیوں کہ سبق بہت اچھا ہوتا تھا۔ اتنا صاحب قابل اور محنتی تھے۔

فرماتے کہ اس گاؤں کے عرصہ قیام میں صرف تین دفعہ پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا۔ اس طرح کہ ایک مغز شخص کا دہان آنا ہوا۔ اس کے سامنے طلباء پیں نوالے تقسیم ہوئے۔ وہ جیران ہوا اور پوچھا بھائی طالب علمو! کیا یہ کھفیت آج ہی ہوتی ہے یا ہمیشہ ہی حال ہے؟ آپ فرماتے کہ ہم تو زندگی لیکن ایک بے صبر طالب علم بول ہی اٹھا۔ اور کہا جناب! یہاں ایسی ہی سدا بہار رہتی ہے۔ یہ سن کر وہ شہر کے ایک زیندار کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ ایک بکرا فی سبیل اللہ دے دو۔ مسجد میں آکر کہا۔ طالب علم صاحب کل صبح کو آپ میرے حمان میں چنانچہ کچھ غلام اور وہ بکرا لے کر سب طلباء کو شہر سے باہر لے گئے۔ وہاں جا کر بکرا ذبح کرایا اور سب طلباء نے کھانا پیٹ بھر کر کھایا۔ دوسرا ہفتہ بھی کچھ انتظام کر کے اسی طرح باہر لے جا کر سب کو کھانا پیٹ بھر کر کھلا دیا۔ تیسرا ہفتہ بھی وہ صاحب سب طلباء کو بلا کر ہمارا لے گئے اور ایک دوسری بستی کے باہر لے جا کر بٹھا دیا اور کہا کہ میں اس بستی میں چاتا ہوں۔ تم یہاں ملھم د۔ جب تھیں کوئی بلا نے آئے تو اس کے ساتھ چلتے آتا۔

بستی میں ایک شادی رپھی ہوتی تھی اور گوئیے گا رہے تھے۔ وہ صاحب موسیقی میں مہارت رکھتے تھے اخنوں نے ازرو نے علم موسیقی گوئیوں کی غلطیاں نکالیں۔ پھر تو سب انہیں اتنا صاحب، اتنا صاحب کہنے لگے اور ٹپٹی

خاطر مدارست ہونے لگی۔ جب کھانا تیار ہوا تو ان سے بھی کھانا تناول کرنے کو کہا گیا۔ کہا: میں اکیلا مخوترا ہی ہوں۔ میسے کے ساتھی بھی میں۔ ”پوچھا اپ کے ساتھی کہاں ہیں؟ وہ بھی ہمارے مہمان ہیں انہیں ضرور بلاں۔“ انہوں نے کہا کہ شہر کے باہر فلاں حقام پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بھی آدمی کو سچ دیں کہ انہیں بلا لائے۔ چنانچہ اس تیرے روز بھی سب نے کھانا پیٹ بھر کر کھایا۔ اس سے معلوم ہو گا کہ ان دونوں تعلیم حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

قاضی محمد صاحب وزیر آباد میں

آپ نے وزیر آباد جا کر حافظ عبد المنان صاحبؒ محدث و وزیر آبادی سے بھی حدیث پڑھی۔ ان دونوں ایک صاحب بعد الغفار نامی غزنوی وہاں آگئے۔ چند دنوں بعد عبد الغفار مذکور نے ایک عجیب و تیرہ اختیار کیا کہ جب یہاں اور طالب علم حافظ صاحب سے سبق پڑھتے وہ سکون سے بیٹھا رہتا، لیکن جوں ہی آپ کے سبق کی باری آئی تو آکر حافظ صاحب کو اپنی گود میں بٹھا لیتا اور ”منانا۔ منانا“ کہنا شروع کر دیتا اور آپ کا سبق رہ جاتا۔ دو تین روز متوالے تجربہ یہی قصہ ہوتا رہا تو آپ نے حافظ صاحب سے کہا کہ آپ مجھے اجازت دے دیں کہ میں کسی اور جگہ چل جاؤں کیونکہ جس وقت میرے سبق کی باری ہوتی ہے تو آپ اس پھر ان سے کھیلنے لگ جاتے ہیں۔ اور میرا سبق ضائع ہو جاتا ہے میں گھروں والوں نے پڑھنے کے لیے بھیجا ہے۔ وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔

حافظ صاحب، محمد! کیا یہ میرے کھیلنے کی عمر ہے؟ یہ وحشی لوگ

میں۔ مجھے اس سے ڈرجوس ہوتا ہے اس لیے میں تمیں بونا۔"

قاضی صاحب : "اگر یہ بات ہے میں خود اس کا انتظام کر لوں گا۔"

حافظ صاحب : کیا تم اسے روک سکو گے ؟

قاضی صاحب : آپ دیکھیں گے کہ میں اسے کیسے روکتا ہوں۔ اُسے روکنا میسر نہ ہے۔

دوسرے روز حسپ معمول جب آپ کا سبق شروع ہونے کو تھا تو عبد الغفار اپنی بجک سے اٹھ کر آنے لگا۔ آپ نے اُسے کہا خبردار افرادیک ن آنا ورنہ آج تک ریخ نہیں۔

عبد الغفار : تم پنجابی ہیم پڑھان !

قاضی صاحب : میں پڑھان و پڑھان نہیں جانتا۔ اگر آج تم حافظ صاحب

کے قریب آئے تو میری گست بناوں گا۔

عبد الغفار : کیا پدھی کیا پدھی کا شور با مجھے کون منع کر سکتا ہے ؟ یہ کہ کر آگے بڑھا۔ آپ نے اسے پھر کر زین پڑھا دیا۔ اور اس پر چڑھ دیئی۔ اور لات مکم سے ایسی گست بناتی کہ وہ بلبل اتحار حافظ صاحب ابرائے خدا مجھے اس سے چھڑا نہیں "حافظ صاحب نے کہا "محمد اب لس کرد"۔ آپ نے کہا۔ ذرا مجھے اس کی پڑھانیت نکال لیئے دیں۔ اس نے میرا تندول کا سبق ضائع کیا ہے۔ میں اس کی اور گست بناوں گا۔ حافظ صاحب نے طولتے ہوئے آپ کی مہموڑی کو ہاتھ لگایا اور کہا "اب اسے چھپڑ دو۔ قب اُسے پھپڑا۔ عبد الغفار صاحب اس واقعہ کے بعد ہاں کس منہ سے ٹھہرتے۔ انہوں نے وزیر آباد کو خیر آباد کہہ دیا۔

بعد میں کچھ عرصہ بعد فٹھی صاحب اور عبد الغفارؒ کو مسجد غفرانیہ امیر

میں یک بجا ہوئے۔ آپ نے مولانا عبد الجبار صاحب سے کہا کہیں نے ایک دن عبد الغفار کو وزیر آباد میں مارا تھا۔ اسے کہیں کہ مجھے معاف کرنے مولانا نے عبد الغفار سے کہا کہ قاضی صاحب معافانی کا کہہ رہے ہیں۔ معاف کر دو۔ اس نے کہا: تو بہ! تو بہ! اس نے مجھے اس روز ایسا مارا جیسے کوئی گدھے کو بھی نہیں مارتا۔ میں ہرگز معاف نہیں کرتا۔

اس کے بعد طویل عرصہ کے بعد عبد الغفار مذکور کا پشاور جانا ہوا جہاں اس وقت قاضی صاحب جا چکے تھے۔ جا کر قاضی صاحب کا ہی محاذ ہوا وہ نیلامی کے کوٹ پہنچنے لگا تھا۔ اس قیام کے دران درا قم الحروف کے سامنے آپ نے کہا عبد الغفار! اب بہت مت ہو گئی ہے۔ اب تو مجھے معاف کر دو۔ اس نے کہا: میں نے معاف کر دیا۔ تب آپ کی تسلی ہوئی کہ آخرت کے موافقہ کا ڈر نہ رہا۔

آپ فرماتے تھے کہ ہم کسی بجگہ دب کر نہیں رہے۔ جب کسی طالعِ علم نے ذرا بتمیزی کی تو ہم نے اسے ایسا سیدھا کیا کہ پھر کسی اور کو بھی شرارت کی جرأت بھی نہ ہوتی۔

قاضی صاحب مالیر کو ٹلمہ میں

آپ نے مالیر کو ٹلمہ جا کر مولانا تید عبد الجبار غزنوی سے بھی حدیث ٹھہری۔ رات میں وہاں جاتے ہوئے آپ نے محسوس کیا کہ آپ کے پیچے پیچے کوئی شخص آ رہا ہے اور اس کے پرانے چوتوں کی ٹپ ٹپ کی آواز آ رہی ہے۔ تھوڑی دری تو آپ نے پرواہ نہ کی۔ لیکن پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں وہ پیچے سے گزارنا کر دے، پیچے پڑ کر اُس سے دبایہ سے کہا "تم کون ہو اور

اور کدھر جا رہے ہو؟ اس نے سڑک کی ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”سید و“ (یعنی اس طرف) آپ نے کہا پھر آگے ہو جاؤ۔ غرض اُسے آگے رکھ لیا۔ تھوڑی دور جا کر دھنپھن سڑک سے ہٹ کر ایک جانب کو چل پڑا۔ نین چار قدم چلا ہو گا کہ پھر غائب ہو گیا۔

دورانِ قیام مایکر کو ٹھہر دہاں کے ایک معزز شخص نے آپ سے کہا کہ میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں اور دو کنوں کی اراضی بھی آپ کے نام کر دوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ یہاں ہی مقیم ہو جائیں۔ آپ نے کہا ہمیں والدین نے علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا ہے شادی کرنے یا جائیداد حاصل کرنے کے لیے نہیں بھیجا۔ اس معاملہ میں آپ ہمارے خاندان کی طرف رجوع کریں۔

حوصلہ اور حرارت

آپ کبھی کسی سے نہیں ڈرے۔ مناظرات کے لیے جہاں ضرورت پڑتی ہے دھرک چلے جاتے۔ مولانا حافظ محمد رمضان مرعوم پشاوری کے ایک سابق شاگرد (شیر علی خاں) نے مخالف ہو کر چیخ ویاکہ ان کا ایک مجتهد (شیعہ) پشاور میں آیا ہوا ہے۔ جماعت اہمیت مناظر کے لیے تیار ہو جائے۔ آپ کو خبر میں تو فرادر سے پشاور شہر میں حافظ صاحب مرعوم کی مسجد میں جا کر بیٹھ گئے۔ اور کہا کہ اپنے مجتہد کو بلا لاؤ۔ چونکہ آپ کی قابلیت کا شرعاً ہو گیا تھا۔ آپ کو دیکھ کر فرقہ مخالف کھیانا سا ہو گیا۔ اور باوجود کافی انتظار کے مقابلہ کے لیے کوئی نہ آیا۔ چونکہ داعی مناظر ایک پولیس افسر پیش نکالا۔ معلم کے ایک معزز بزرگ شیخ محمد صاحب مرعوم نے قاضی صاحب

سے کہا کہ اب تک کوئی نہیں آیا۔ لیکن مجھے فناو کے خطرہ کی بھنگ آ رہی ہے۔ اس لیے آپ تشریف لے جائیں تو بہتر ہے۔ آپ نے کہا کہ انہوں نے پریخ دیا تو ہم میدان میں آگئے۔ اگر آپ کو ڈر محسوس ہوتا ہے تو مکان میں داخل ہو کر دروازہ مضبوطی سے بند کر دیں۔ میں تو میدان پھوٹ کر کبھی نہ جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہیں بیٹھے رہے۔ لیکن دن گزر گیا اور بھی کو جرأۃ مقابلہ نہ ہوئی۔

ایک دفعہ موضع بجڑی رجو شگ جانی" ریلوے شیشن کے متصل والقع ہے، کے چند معتبرین راولپنڈی قاضی عبدالاحد صاحب کی خدمت میں گئے اور کہا کہ ہمارے گاؤں میں ایک مولوی آیا ہوا ہے جو عجیب عجیب باتیں کہا ہے اور ہم پر الزام دھرتا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اُسے متال کریں۔ آپ نے کہا میں بہت ہصرف ہوں۔ میں رکھ دیتا ہوں برادر مختاری محمد کے پاس جاؤ اور انہیں بکار لاؤ۔ وہ اثار اللہ ضرور قعر کی تعییں کریں گے۔ وہ لوگ آپ کے پاس آئے۔ اور بغیر کھسی کو اطلاع دیتے آپ ان کے ساتھ بجڑی چلے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد بعض مخلصین کو معلوم ہوا کہ قاضی حسنا تو ایک دوسرے گاؤں میں بجٹ کے لیے چلے گئے میں چند آدمی لاٹھیوں سے ملن ہو کر آپ کے پیچھے چلے گئے اور آپ کے وہاں پہنچنے کے چند منٹ بعد وہ بھی آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے حیران ہو کر وہ پوچھا کہ تم کیوں آگئے ہو؟ انہوں نے کہا جناب! مناظرات میں بعض اوقات فناو بھی ہو جاتا ہے۔ آپ اکیلے ہی ایک غیر جگہ میں بغیر اطلاع چلے آتے ہیں۔ جب ہمیں معلوم ہوا تو ہم تیزی سے پدیں غرض آئے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہوں اگر ضرورت پڑے تو پوری طرح دفاع کریں۔ آپ نے کہا کہ اگر

خود کوئی فساد پر آمادہ نہ ہو تو فساد نہیں ہو سکتا۔ وہ مولوی صاحب پیش ہوئے تو جن مسائل کے متعلق پسلے سن چکے تھے۔ آپ نے مولوی صاحب کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی اور کہا کہ ہم تو حقائق کے طالب ہیں۔ اور ہماری تحقیق ان مسائل میں یہ ہے۔ اگر آپ کے پاس اس سے بہتر کوئی چیز ہو تو پیش کریں۔ اس کے مانند میں ہمیں کوئی تاثُّل نہ ہو گا۔ مولوی صاحب پر اس تقریر سے ایسا رعب پڑا کہ وہ ایک حرف بھی شبول سکے اور ہر ایک مسئلہ کے جواب میں یہی کہتے رہے کہ آپ حق فرماتے ہیں۔ الیٰ دیہ یہ دیکھ کر خوش ہوئے اور آپ اپنے محبین کے ساتھ بخیر و عافیت والپس ہوئے۔

آپ کی عبد اللہ صاحب غزوی سے ایک درخواست

آپ فرماتے کہ عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ توجہ فرمایا کرتے جس سے دل کا ذکر جاری ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے والد مرعم بھی پہلی مرتبہ عبد اللہ صاحب کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہوئے۔ تھے۔ اور آپ کی توجہ سے آپ کے دل کا ذکر جاری ہو گیا تھا۔ اور عبد اللہ صاحب نے فرمایا تھا کہ میں نے ایسا صاف دل آج تک کسی کا نہیں دیکھا۔ اس لیے ایک دن میں نے عبد اللہ صاحب سے درخواست کی کہ آپ جو توجہ کیا کرتے ہیں اور قلب کا ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ ذرا مجھ پر بھی یہ عنیت کر دیں تاکہ میرا بھی "ذکر قلب" جاری ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ میں پہلے یہ کام کیا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ امر خلافِ سنت ہے اس لیے میں نے اسے ترک کر دیا۔ تھا دے لیے سب سے بڑھ کر یہ مفید ہے کہ نماز معنی کا خیال رکھ کر پڑھا کرو۔ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ آپ کی نماز بھی اسی کیفیت کی حامل ہوا۔

کرتی تھی۔

استعفای اور توکل علی اللہ

آپ حدود مجتغی المزاج اور قانع تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے اپنی حما کا ذکر نہیں کیا۔ فرمایا کرتے کہ اگر میں راجہ چہاں وادیاں چین آف گلہڑ کو آدمی راست کے وقت جگا کر کھوں کر تم نے اسی وقت پشاور جانا ہے اور فلاں کام کرنا ہے تو وہ فوراً اس کی تعییل کرے اور فخرِ محکوم کرے کہ میں نے اُسے ایک خدمت پر فر کی ہے۔ لیکن میں نے مدعاً العمر کبھی کسی سے کام کا نہیں کھا۔

پشاور کے لوگ آپ کی قیامت کے قائل تھے۔ حافظ محمد رمضان صاحب کی وفات کے بعد ایک دفعہ جماعت اہل حدیث پشاور شہر نے ہیرٹھ کے ایک عالم کی خدمات حاصل کیں جنہیں وہ ایک سور و پیر ماہوار اداکار تھے لیکن ایک مرتبہ کوتی ضرورت ظاہر کر کے تین صدر و پیر یہک مُشت علاوہ تنخواہ کے مطالیبہ کر دیا جو مشکل چندہ کر کے پورا کیا گیا۔ اس کے بعد ان کا مطالیبہ ہوا کہ مجھے ہر سال یہ رقم یک مُشت ادا کیا کرو اور دوسرے سال نہ بھی پھر مطالیبہ پیش کر دیا۔ وہ حیران ہوئے۔ وہاں کے ایک سرکردہ اہل حدیث شیخ محمد عظیم صاحب نے مجھے سے یہ ذکر کر کے کہا کہ مولوی صاحب کے اس مطالیبے کے بعد ہمیں قاضی محمد صاحب اور حافظ محمد رمضان صاحب کی قدر معلوم ہوتی اور ہم سوچنے لگئے کہ وہ حضرات خدا جانے غوث یا قطب یا کیا تھے کہ ہم نے ان کی زبان سے کبھی بھی نہ ساکھیں فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ وہ کیے قانع اور مجتغی المزاج تھے۔ ہمیں کبھی انکھوں نے

محوس ہی نہیں کرایا کہ ان کی بھی کوئی ضروریات ہیں۔ اب ویسی ہستیا
نایاب ہیں۔

ایک دفعہ آپ کو فواد "بچی" کا مرض لاحق ہوا۔ سخت تکلیف محتی
رات کا وقت تھا۔ فرمائے گئے کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر کماحت، ادا نہیں کر سکتا
اس نے مجھے دنیا میں باواث ہوں کی طرح رکھا۔ گھروالے اگر کسی نہ
کا اظہار کرتے تو تھوڑی دیر کے لیے فکر لاحق ہوتا۔ پھر وہ بات دل ہے
اترجاتی۔ میری اولاد میری سختی ہی یاد کرے گی۔ دوران تعلیم میں ان پر سخت کم
رہا ہوں۔ طب میں لکھا ہے "الفواد علامۃ الفراق" (بچی فراق کی
علامت ہے)۔ یہ میسے آخڑی لمحات معلوم ہوتے ہیں۔

گھروالوں نے کہا کہ آپ طب جاتی مدت پڑھتے ہیں میں آپ
کو اس مرض کی کوئی دوام معلوم نہیں۔ فرمایا اب نورات ہے۔ اگر صبح
تک بچ گیا تو عرق گاؤز بان اور سرت پو دینہ منگو کراستعمال کروں گا۔ اگر
خدانے فضل کیا تو مفید ثابت ہو گا۔ اسی وقت راجگھان رآپ کے شاگردن
کے گھر اطلاع دی گئی۔ انہوں نے نوکر بیچ کر پیاری کو جگا کر یہ چیزیں
منگوئیں اور بیچ دیں ان کے استعمال سے اللہ نے کرم کر دیا۔

جب خاکار محکمہ تعلیم میں ملازم ہوا تو آپ نے نا ہوا تھا کہ ہمارے
گاؤں کے ایک صاحب جو محکمہ تعلیم میں ملازم تھے وہ زائد وقت میں
پرائیویٹ تعلیم طلباء کو دیتے ہیں جس سے ان کو کافی آمدی ہوتی تھی۔ اس
لیے آپ نے مجھے خلط لکھا لکھیں ملازمت کی تھیں تھواہ ملتی ہے وہ کام
دیانت داری سے کرنا اور زائد وقت میں کسی کو پرائیویٹ طور تعلیم دینے
کا قصد ہرگز نہ کرنا۔ کیوں کہ تھواہ دینے والے پر کام لیتے ہیں۔ اس سے

زائد اپنی جان کو تکلیف میں نہ ڈالنا۔ ان نفسیت علیک حقاً اور خیر الغنی فتنی النفس "احادیث بھی لکھ کر مزید تاکید کی۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ اس کی طاقت سے زیادہ اسے تکلیف میں نہ ڈالو۔ اور بہترین غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔ اور لکھا کہ مزید الراجح میں نہ ٹپنا۔

آپ کے والد صاحب صوفی مشتھنے۔ کابل کے ایک صاحب ان کے پاس آئے اور جاتے ہوئے ایک وظیفہ بتا گئے۔ اور کہا کہ یہ ٹپھ لیا کرو۔ تھیں غیرے دور و پیر روز مل جایا کریں گے۔ ان دنوں دور و پے بڑی چیز بھتی کیونکہ اشیاء بے حارز ازال تھیں۔ آپ نے اس کابلی سے کہا کہ میرے بیٹوں کے لیے بھی اس وظیفہ کی اجازت دے دو۔ اس نے کہا نہیں صرف آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ بیٹوں کے لیے اجازت نہیں دے سکتا۔

راستے میں والپی پر اس شخص کے دل میں خیال آیا تو اس نے لکھا کر اچھا آپ کے بیٹوں کے لیے بھی میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ کے والد صاحب نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ قاضی عبد اللہ توہو شیار میں وہ کسی طرح گزارہ کر لیں گے۔ لیکن میرا یہ بیٹا بہت ہمیشہ تھی مزارج ہے اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کو خاطر نہیں نہیں لاتا۔ مجھے اس کی معاش کا نکر دامن گیر ہے۔ بہتر ہو گا کہ اسے یہ وظیفہ سکھا دیا جاتے۔ آپ نے انہیں علیحدگی میں بلکہ کہا کہ میں تھیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں۔ تھوڑی سی تکلیف ہو گی۔ اُسے ٹپھ لو۔ تھیں دور و پیر روز غیرے کے مل جایا کریں گے جس سے تمہارا گذارہ سنبھال سکے گا۔ آپ نے جواباً کہا میں

ایسا وظیفہ نہیں سمجھتا اور نہ ہی وظیفوں کے ذریعے روزی حاصل کرنا پاہتا ہوں۔ میرا رزاق اللہ تعالیٰ ہے۔ تب والد صاحب جیران ہوئے اور دل میں کہا کہ اس کا مقام تو مجھ سے بلند معلوم ہوتا ہے۔

آپ کا فرمیں اس کے وقت ایک شیر کو دیکھنا

ایک دفعہ آپ کے والد صاحب راولپنڈی تشریف لے گئے تھے۔ شخص نے آپ کو خبر دی کہ والد صاحب راولپنڈی میں بیمار ہیں۔ آپ نے ارادہ کیا کہ والد صاحب کو جا کر دیکھا آئیں۔ راولپنڈی خانپور سے ۲۳۔۲۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ رات کو راولپنڈی پہنچ لے اور روانہ ہو کر سچ دہان پہنچ جاؤں گا۔ محتواڑی دیر نیند کر کے اٹھے اور روانہ ہو گئے۔ خان پور کے متصل نالہ پہرو واقع ہے۔ جس کو عبور کر کے جانب جنوب جانا تھا۔ جب آپ نالہ کے کنارے پر پہنچے تو اس وقت دسم دارستارہ طلوع ہوا۔ جوان دنوں نمودار ہوا کرتا تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ میں بہت پہلے نکل آیا ہوں۔ کیونکہ رات کا بڑا حصہ باقی تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آنابھی مناسب نہ سمجھا۔ تو سکلا علی اللہ ہر و پر وضو کر کے چل پڑے اور کلامِ الہی یا دیگر ادعیہ کی تلاوت کرتے ہوئے جا رہے تھے رات چاندنی تھی۔ کچھ فاصلہ پر نظر پڑی تو کیا دیکھتے ہیں کہ عین رات کے وسط میں ایک شیر سویا ہوا پڑا ہے۔ آپ نے پاؤں سے جو تے آتا رہی اور ادعیہ ماثورہ پڑھتے ہوئے اس جگہ سے ہٹ کر چکر کاٹتے ہوئے پھر اسی راستے پر پہنچ گئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا۔ لیکن فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر جا چکا ہوں گا کہ وہ شیر جا گا اور اس زور نہ ٹھگا۔ ایسا وظیفہ جائز نہیں۔ بعد اخراج ہے کہ کوئی جن کیں سے چھوڑ کر کے بیکاریا ہو گا۔ (ج. ۷۴)

سے گر جا کر میرے پاس کی پھارڈی پر سے پتھر لڑھک کر نیچے آگئے۔ اس کی گرج سے جو تموج ہوا میں پیدا ہوا تھا یہ اس کا اثر تھا۔ آپ صبح کے وقت راولپنڈی میں والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا تم کیسے یہاں آگئے ہے کہا آپ کی علامت کا نہ تھا۔ عبادت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کیا یہاں مسلمان نہیں بنتے اگر میں مر جاتا تو وہ دفن کرو یتے۔ تم کیوں گھر خالی چھوڑ کر آگئے ہو۔ پھر کہا اسے کھانا کھلا دو۔ اسی وقت واپس چلا جائے۔ ناچار آپ کو واپس ہونا پڑا۔ اور اسی راستہ سے واپس آئے جس پر راولپنڈی گئے تھے۔

فیصلہ مقدمات

آپ کا وجود خان پور اور دگر کے علاقوں کے مسلمانوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا اکثر مسلمان آپ کی وجہ سے سرکاری عدالتوں کے بے جا اخراجات سے محفوظ تھے۔ اس لیے کہ سب کا یہ اعتقاد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروغیت بوجب شریعت صحیح فیصلہ کریں گے۔ اس لیے وہ اپنے مشاہد و تنازعات آپ کے سامنے پیش کرتے اور بعد فیصلہ وہ شخص بھی جس کے خلاف فیصلہ دیا جاتا۔ باہر جا کر معزف ہوتا کہ فیصلہ بالکل صحیح ہوا ہے۔

بعد نماز جمعہ اکثر میں چار مقدمات ضرور آجاتے جن میں آپ کو فیصلہ کرنا پڑتا۔ آپ کی وفات کے بعد جب لوگوں کو سرکاری عدالتوں کے اخراجات برداشت کرنے پڑے۔ تب آپ کی قدر معلوم ہوتی۔

میں نے اس علاقے کے ایک بڑے عالم کو دیکھا کہ وہ فتویٰ کی بھی فیس لیا کرتے تھے۔ میرے اشقار پر انہوں نے فرمایا کہ زبانی مسئلہ

بنا نے پر تو کچھ نہیں یلتے لیکن اگر کوئی فتویٰ لکھ کر دینے کا مطالبہ کرائے تو اس کی فیس تو ہم ضرور یلتے ہیں کیونکہ اس میں تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن آپ کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ جب فریقین کا مقدمہ کسی عدالت میں پیش ہوتا اور فریقین شریعت پر فیصلہ کرنے پر راضی ہو جاتے تو عدالت ان کی استعداد پر قاضی صاحب کو ثالث شرعی مقرر کر دیتی اور چونکہ قانوناً شاش کے لیے عدالت فیس مقرر کرتی ہے جو فریقین کو بھی مساوی ادا کرنا ہوتی ہے آپ کو بھی عدالت مقرر فیس لادا کرنے کا حکم فریقین کو دیتی۔ لیکن جب فریقین وہ فیس آپ کو پیش کرتے تو آپ یعنی سے انکاری ہو جاتے۔ وہ کہتے کہ عدالت نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یہ فیس آپ کو ادا کریں۔ تو آپ فرماتے کہ یہ کام تو صرف شرعی مندہ بنا نے کا ہے جو ہمارا فرض ہے اور ہم نے علم دین اسی لیے حاصل کیا ہے۔ میں اسے ہرگز قبول نہ کروں گا اور اس رقم کو ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔ اور اس رقم کو ہاتھ تک نہ لگاتے۔

درس و تدریس

آپ نے مدت المیر قرآن و حدیث کی تعلیم کو اپنا فرض منصبی سمجھے رکھا اور کسی طالب علم کو تعلیم دینے سے انکار نہیں کیا اور طالب علم جب تک خود سبق ختم کرنے کی خواہش نہ کرتا آپ خود بھی نہ کہتے کہ بس کرو۔ جب وہ خود کہتا کہ آج اتنا ہی سبق کافی ہے تو آپ فرماتے اچھا! تھاری مرضی۔

بے شمار طالب نے آپے فیض پایا۔ لیکن آپ نے کوئی نہ سست تلمذہ کی مرتب نہ کی اکثر طالب علم متول آپ کے زیر تعلیم رہتے اور ہمیں ان کے نام تک رسی جی کرتے۔ کیونکہ آپ اکثر انہیں انوندزادہ ہی کہتے جو ایک سڑ

عزت کا لقب ہے۔ اس لیے ہم بھی اور سب لوگ بھی انہن را وہ صاحب ہی سمجھتے۔ صرف باہمی اقتیاز کی خاطر جائے سکونت یا علاقہ کا نام ایسا دیکھا جاتا۔

ہذا آپ نے تضییف و تالیف کی طرف بہت کم توجہ دی۔ لیکن جب بعد تحریر و تبلیغ و اپنے وطن آئے تو ان دونوں بعض متصدیبین مقلدین کی ایک تحریر بطور استفتاء و جواب استفتاء آپ کو دکھائی گئی۔ جس پر مواضعات متعدد، گڑھیاں پہلوئی، جامہ، بدھو، کولیاں، بہلیہ کے مشهور علماء کے تنخواہ بنستے تھے۔ اور اس میں جنم فی القرمی، دعا، اجتماعی بعد الصلوہ، ارواح مردگان کے گھر میں میں آئے، سماعِ موثی، استند اغیر اللہ، علم غیب، اقسامِ توحید، توسل، قبر پرستی، وظیفہ پیارے رسول اللہ "ربانی نیت، آمین بالہر رسیت نبی و بزرگان دین و اسلام" تھے۔

شخصی کی فرضیت اور امام ابوحنیفہؓ کی باقی ائمہ پر فضیلت جیسے مسائل پر خامفہرست کی گئی تھی۔ اس لیے آپ نے اس کے جواب میں ایک کتاب تحریر کی جس کا نام اس زمانہ کے دستور کے مطابق،

حصاعقة الرحمن علی حزب الشیطان

الملقب به

کشف التلبیس عن اخوانِ ابلیس

رکھا۔ اور بنیان فارسی تحریر کی گئی۔ کیونکہ وہ استفتاء و جواب فارسی میں تھا۔ یہ کتاب بڑے فلکیپ سائز کے، ۱۳۰ صفحات پر تحریر شدہ ہے اور ہر صفحہ میں ۹۰ سطریں ہیں اور اس پر شیخ المکمل حضرت سید نذریں حسین دہلوی، سید شریف حسین ابو عبید اللہ احمد، محمد بن نظرالرحمٰن المنشکلوٹی البرودانی، محمد فضل الکرمی البرودانی، ابو عبد اللہ محمد عبد الرحمن مولانا محمد صدیق پشاوری، سید عبد الواحد غفرنونی، و قاضی عبدالاحد خان پوری کی تقریظات اور وہی اور وہی مقامات کے علماء کی اشیائیں

مرسید نذر حسین صاحب) بیس موہبیر ہی ثابت ہیں۔ یہ کتاب افسوس ہے کہ
طبع نہ ہو سکی (فلکی موجود ہے)

ایک مجلس میں طلاقِ شلاشہ

اکثر حصہ ایک مجلس میں طلاقِ شلاشہ دے دیتے تو وہ بغرضِ رجوعِ ربدول
حلال (مرد جم) آپ کے پاس آتے تو وہ رجوع کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔ آخر
عمر میں آپ نے ان لوگوں کو فتویٰ دینا ترک کر دیا بدیں خیال کہ یہ لوگ اور کوئی شرعی
مسئلہ تو پوچھنے نہیں آتے اور ہمیں گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن جب مطلب
ہوتا ہے تو ہمارے پاس دوڑتے آتے ہیں۔ اس لیے آئندہ انہیں یہ فتویٰ دے
دیا جائے گا۔

اس کے بعد اگر کوئی شخصی اس غرض کے لیے آتا تو آپ فراتے کہ تھا کہ
ذہب میں طلاقِ باس واقع ہو چکی ہے۔ اس لیے تم خورت کی خاطر اپنا ذہب
ترک نہ کرو۔ ذہب بڑی قیمتی چیز ہے۔ اُسے نہ چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کوئی اور خورت
دے دے گا۔

اسی زمانہ میں ایک بڑے راجہ صاحب کے ایک نوکر نے طلاقِ شلاشہ
دے دی۔ پھر پیش ہوا راجہ صاحب نے اُسے قاضی صاحب کے پاس بھیجا اور
سامنہ ہی ایک سفارشی رقمہ لکھ کر اپنے کاردار کو بھی سامنہ روانہ کر دیا۔ اس نے آکر کہا
کہ جناب: اُسے راجہ صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ رقمہ
بھی دیا ہے۔ آپ نے وہ رقمہ بغیر ٹھہرے چینک دیا اور کہا کہ میرا جو فیصلہ عوام کے
لیے ہے۔ وہی راجگان کے لیے بھی ہے اور وہ دونوں بنی حصولِ غرض

واللہ کی ہو شے

آخری مرض و رفات

آپ عرصہ دراز سے مرض و مہر سے بیمار چلے آرہے تھے جکبیوں کے
نفحہم نوٹ کر کے لاتے اور کہتے کہ فلاں حکیم صاحب اس نسخہ کی بڑی تعریف
کرتے ہیں۔ اپنے یہی اُسے تیار کرالیں۔ کہتے نفحہ پڑھ کر سناو۔ جب سایا
جانا تو فرماتے نہیں! نفحہ میسکریلے مناسب نہیں۔ صرف سجنون فلاسفہ کبھی
کبھی استعمال کر لیتے۔

آپ کے بڑے بھائی قاضی عبدالاحد جب اپنے آخری ایام میں بیمار
ہوئے تو علاالت کی خبر تو آگئی تھی لیکن موٹق نہ تھی اور آپ بوجہ مکر و ری سفر کی
بھی سکت نہ رکھتے تھے۔ ایک دن بغیر کسی اطلاع کے یہاں کیک راولپنڈی کا
قصد کر کے روانہ ہو گئے۔ جب بھائی صاحب کے مکان پر پہنچے تو ان کا انتقال
ہو چکا تھا۔ مولوی محمد اسمیل صاحب ڈیھری (ریسکندر پور) والے بھی جو آپ کے
ملخص دوست اور محب تھے، بغیر اطلاع آپ کے ساتھ ہی وہاں پہنچے
ہر دو نمازِ خنازہ میں شرکیں ہو گئے۔

بھائی صاحب کے انتقال کے بعد آپ بڑے سخوم رہتے۔ کیوں کہ
یہاں دو قاب تھے۔ اور تمام علاقے میں ان کی یہ محبت، باہمی ضرب المثل تھی
یعنی بالآخر آپ کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

آپ کو اسہال کی شکایت بھی شروع ہو گئی جس نے آخری دن تک
آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مگر اور طبی اوویہ نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ آپ اس بھ
سے صاحبِ فراش ہو گئے تھے اور اپنے پڑھی نماز ادا کرتے تھے۔ بالآخر
ایک دن نظر کی نماز ادا کی۔ بعد ازاں کہا: یوسف حسین را پکے برادر اصغر سے

پوچھو کہ نمازِ عصر کا وقت ہو گیا ہے یا نہیں تاکہ میں نمازِ عصر ادا کر لوں۔ گھر والوں نے اُن سے کہا کہ قاضی صاحب آپ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے یا نہ ہے آپ نے کہا : ان کا کون سا وقت ہے ان کو نماز پڑھنے دیں۔ جواب ملنے پر آپ نے باضابطہ نمازِ عصر ادا کی اور تشهد میں بلند آواز سے ادیعہ پڑھیں اور آخر میں اللہمَ اغْفِرْ لِي وَلِوَالدَّى فِتَحَ الْجَهَنَّمَ کے الفاظ بھی سننے نے۔ والدہ مرحومہ راقم المخدوف نے کہا کہ آخری نمازوں میں آپ اپنی خالتوں کو نہیں مجھوںے۔ نماز ادا کرنے کے بعد ہر دم لیٹے ہوئے صرف دو تین مرتبہ سر پر سے ٹوپی آتار کر پاس ہی رکھ دی۔ دوبارہ جب رکھی گئی تو پھر آتار کر علیحدہ رکھ دی۔ حاضرین نے کہا ہمیں کہاں نامعااف فرمادیجئے نیز غیر حاضرین کے لیے بھی استدعاۓ معافی کی۔ آپ نے کہا : میں سبے راضی ہوں اور سبکے لیے دعا فرمائی۔ تھوڑی دیر بعد اپنے رب سے جملے اور اپنی زندگی کی آخری نماز بھی ٹڑے اطمینان سے پڑھ کر فوت ہوئے۔ اور مسلمانوں "فوت ہوئے جائز روئے حدیث شہادت کی موت ہے۔ انا لله و انا علیہ سراجون"۔

آپ کی وفات بروز شنبہ ۲۳ نومبر ۱۹۴۹ء کے قریب بت ریخ بر جمادی الآخرہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۹ نومبر ۱۹۴۹ء وقوع پذیر ہوئی۔ گویا آپ اپنے ٹڑے بھائی صاحب کے بعد صرف گیارہ دن زندہ رہے اور اپنے آبائی پرستان میں اپنے والدین کے قریب وفن ہوئے۔

گاؤں میں دستور تھا کہ نمازِ جنازہ کی اطلاع بذریعہ لقارہ دی جاتی۔ لیکن آپ کے برادر اصغر قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین صاحب نے یہ کہ کل آپ اپنے نہیں کرتے تھے۔ لقارہ کی اجازت نہ دی بلکہ روک دیا۔

اس وجہ سے بعض آدمی نمازِ جنازہ میں شمولیت سے محروم رہے اور بڑے متناسف ہوئے۔ لیکن اکثریت بغیر انتظارِ آوازِ تقارہ شرکیبِ نمازِ جنازہ ہوئی پونکھا اس موضع میں اب اُن جگہِ سلسلہِ اتنا دی و شاگردی چلا آ رہا ہے۔ اس لیے قبر کھودنے والے عبی آپ کے شاگرد ہی تھے اور ایک مستری ان میں سے آپ کا بہت ہی مخلص شاگرد تھا جس کا نام حکیمِ سخیش تھا۔ جب تک تیار ہو چکی تو قبلہ کی جانب اس میں ایک چوکور سوراخ نمودار ہو گیا۔ ہر حنیداً سے بند کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ بند نہ ہو سکا۔ ایک شخص نے ہاتھ جو اس میں ڈالا تو سرد ہوا سے جواندہ کی طرف سے آ رہی تھی۔ اس کا ہاتھ مٹھھھر گیا۔ اس پر اس مخلص شاگرد (حکیمِ سخیش) نے ساتھیوں سے کہا کہ اسے رہنے دو۔ یہ کوئی سترانہی ہے جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ رب نے سکوت اختیار کیا۔ تدبیین ہو گئی۔ دوسرا روز یہ قسمہ الہی سخیش نے مجلس میں بیان کیا۔

مستری حکیم سخیش مذکور کی وفات

کچھ عرصہ بعد راقم الحروف کا چھوٹا جھاتی محمد اسماعیل ایک دن بڑے ادا بیگ نمازِ جمعہ گیا اور کافی دیر کے بعد مکروہ اپس آیا۔ والدہ مرحومہ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اتنی دیر کیوں لگا فی۔ اس نے کہا کہ آج مستری حکیم سخیش کا انتقال ہو گیا ہے میں اس کی نمازِ جنازہ کی ادا بیگ کے لیے بعد نماز چلا گیا تھا۔ اس لیے دیر ہوئی ہے۔ والدہ مرحومہ نے کہا کہ آج رات میں نے تھمارے والد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ ایک عالیشان مکان بنوار ہے پیں اور کام بڑی پھرتی سے ہو رہا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ مکان آپ کس کے لیے بنوار ہے ہیں تو کہا کہ یہ مکان حکیم سخیش کے لیے بن رہا ہے۔ د

اللَّهُ أَعْلَمْ مَعْلُومٌ هُوَ تَاهٌ بِهِ كَمْ (إِنْ شَاءَ اللَّهُ) آپ کے اس مناص کا انعام
بیخیر ہوا۔ اللَّهُ بِرًا غَفُورٌ حَمِيمٌ ہے۔

آپ کی تاریخ وفات "دُجُوهٗ يَوْمَئِنْتَأْعَةٌ" نے سمجھتی ہے۔ آپ
کے برادر اصغر قاضی ابو سلمیل یوسف حسین رحوم^{۱۳۲۸ھ} نے قلم میں آپ کی تاریخ
وفات اس طرح پچھی :

ساری لبستی میں غم ہوا پیدا	کس امین ہدیٰ کا کوئی چہوڑا
چل بساغم گھارِ محتاجاں	مرجع طالبانِ دین خُدا
دُوفشان وقت گفتگوئی بزیر	شدید زن وقت قمعِ اہل ہوئی
بازوئی حق برائے بعدِ الأخذ	یکدل دیکن بابِ بہرِ مُہندی
وہ خلف بضعہ غلام حسن	وہ محمد ہے صدق کا ہمتا
مرح خواں اس کا ہر سو نکس	دُوتک اس کافیض علم رسا
ہے وفات اس کی علم کامرا	الْقَادِبِ بیان سے فوت ہوا
اوں کی اولاد میں خداوند ا	جائشین کوئی دیندار بنا
اشکبار آنکھوں سے یہ دوصرع	لکھے صابر نے وصل میں ہمتا
خُلد منزل ہوا گرامی قدر	خُلد منزل ہے عالم یکتا!

وَآخِرَ دُعَوانَا أَنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ سُبْرَ الْعُلَمَاءِ^{۱۳۲۸ھ}

قاضی ابو اسمعیل یوسف حسین

بن قاضی محمد حسن قاضی القضاۃ خان پوی ہزار

(ولادت: بوقت طلوع آفتاب بروز جمادی الث نیمة ۲۸۴ھ)

(وفات: ۶ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ مطابق یکم جون ۱۹۳۷ء)

مولد خان پور تحصیل ہر ہی پونٹ ہزارہ (صوبہ سرحد جوہری پور سے جائیں جنوب پندرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور خاندان لگنڈہ کا مرکز ہے۔ نامہ ہزو کے کنارہ پر درج ہے اور ایک پُر فضام مقام ہے۔

آپ قاضی محمد حسن صاحب رعرف قاضی غلام حسن، قاضی القضاۃ کے تیسرا بیٹا تھا۔ آپ کے والد کے ایک دوست علام حسین نامی نے آپ کی تابیخ ولاد کو شعروں میں اس طرح ادا کیا ہے

شد قول بروز آدینہ بست و شتم جمادی الآخرین

پنج وہشتاد و یکہزار و دو صد سالما بذریحہ سرہنگی

گل تلگفتہ خیین زبان حسن یوسف نام کرد یا بشیری

(سورہ یوسف کی آیت یا بشیری هَذَا حَلَامٌ مُّهِنْدِسٌ کی حسین

تکمیل ہے)

ابتدائی تعلیم اپنے والد ما جہ اور برادران قاضی عبدالاصد و قاضی محمد صاحبان سے حاصل کی۔ آپ کے ایک قلمی نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پورہ برس کی عمر میں علوم آکیہ سے گھر میں ہی فراغت حاصل کر پکے تھے۔ ذاتت خدا و لوحی میلاد طالب علمی میں علمائے عصر سے دامجیں حاصل کی۔ ان کے

بچپن کے زمانہ میں حافظ محمد رمضان صاحب مرحوم پشاوری ایک دفعہ خانپور لشیریف لائے۔ انہوں نے آپ کا امتحان لیا اور فرمایا کہ یہ بچہ ایک وقت اشار اللہ یتھا نے زمانہ ہو گا۔ چنانچہ بعد ازاں جب آپ کی کتاب "اتمام الخشوع بوضع الیمن علی الشمال بعد الرکوع (عربی)" حافظ صاحب کے پاس پہنچی اور راقم الحروف نے حافظ صاحب کو ٹھکرنا شروع کیا تو فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ یوسف حسین مجتبی ہے۔ اور امتحان منکورہ بالا کا ذکر بھی کیا۔ اور فرمایا کہ اس کے آثار بچپن میں ہی ظاہر ہو چکے تھے۔

عالم طفولیت میں ہی ماڈہ تحقیق آپ میں نمایاں تھا۔ مولوی حاجی ام الدین صاحب تلمیذ قاضی محمد حسنؒ کا بیان ہے کہ سید پیر الوالی خانپور میں (جہاں قاضی محمد حسن مرحوم درس دیا کرتے تھے) مسجد کے کل عرض میں شمال سے جنوب تک سکنیا ہوں کی ایک قطار مسلسل پڑی ہوتی اور آپ بھی ایک کتاب کے پاس بیٹھنے ہوئے نظر آئیں۔ کچھ بھی دوسری لکھنے پاس اور بھی تیسری کے پاس۔ اگر کسی حدیث کا والہ کسی کتاب میں پاتے تو جب تک اصل کتاب میں ڈھونڈ کر دیکھ لیتے تھے تو ہوتی۔

اتمام الخشوع (عربی) میں آپ کے ترجیح میں مرقوم ہے کہ آپ ۲۰ شعبان ۱۳۰۴ھ میں بروزِ سموار وطن سے سرحد پار جہاں جمیعت مجاہدین ریسید احمد صاحب اور شاہ اتمیل شہید کے مقعین (مقیم تھی) چلے گئے اور وہاں مولوی عبدالحکیم میتوی صادق پوری سے سنن نسائی اور کچھ کچھ حصہ دیگر کتب کا پڑھا۔ چونکہ گھر سے بلا اطلاع گئے تھے۔ اس لیے ہر دو برادر ان آپ کی قلاش میں نکلے۔ قاضی عبدالحکیم صاحب تو کشیمر میں سر شریگر تھا۔ لیکن کوئی پہہ نہ چلا اور ان کے بھائی قاضی محمد صاحب غیر علاقہ کی طرف مجاہدین کے مرکز کی طرف گئے تاکہ اگر وہاں ہوں تو واپس لے آئیں۔ کیونکہ مخالفین حکام تک یہ بجزیں

پہنچاتے رہے تھے کہ ان کے پاس مجاہدین طالب علم فلیم پانے میں اور ان کا گھر اعلیٰ
مجاہدین رفیعین سلطنت انگلشیہ سے ہے لیکن راجگان جو سب اس خاندان کے
شاغر دستھے ان باتوں کی تردید حکام کے پاس کرو یا کرتے تھے تھا مخدوم صاحب ہاں پہنچے
تو دیکھا کہ آپ تو وہاں ہی مقیم ہیں اور انہیں سمجھایا کہ تمہارا داپس ڈھن جانا پتھر ہے تاک تمہاری
وجہ سے باقی خاندان حکومت کا مورد تحاب نہ ہو لیکن آپ نے ساتھ آنے سے انکار کر دیا۔
لیکن بعد میں خود آنے کا وعدہ کیا اور کچھ عرصہ بعد خود آہی گئے۔

اس سفر کا ایک واقعہ آپ نے بیان فرمایا تھا کہ میں جب مرحد کے قریب اگر وہ میں
ایک قصیر میں پہنچا تو وہاں چند روز ایک مسجد میں قیام کیا ریہ غالباً موسم شمدہ ہے تھا، ایک
ٹری ڈاڑھی والا طالب علم ایک فقر کی کتاب پڑھ رہا تھا اس کو میں نے ٹوک دیا کہم نے
عبارت غلط پڑھی ہے وہ حیران ہوا کہ ایک بے لیش اڑکا اُسے ٹوک رہا ہے۔ دو
تین مرتبہ جب اس کی غلطی پر اسے تنذیب کیا گیا تو اس نے درخواست کی کہ مجھے اس
کتاب کے ایک درج کام طالع کراؤ۔ چنانچہ میں نے اُسے ایک درج پڑھا دیا۔ اُس
نے پوچھا کہ یہ کتاب تم نے پڑھی ہے میں نے کہا نہیں۔ وہ حیران ہوا۔ اس نے پھر
ایک کتاب سخنی نکالی۔ جب پڑھنے لگا تو میں نے پھر ٹوک دیا اور اس کی درخواست
پر اس کتاب کا بھی ایک سبق پڑھا دیا۔ اس نے پھر پوچھا کہ کیا تم نے یہ کتاب پڑھی
ہے میں نے کہا نہیں۔ طالب علم حیران تھا کہ یہ لڑکا ہر ایک کتاب پڑھ سکتا ہے لیکن
کہتا ہے کہ اس نے ان میں سے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ آپ فرماتے کہ میں کبھی عربی میں،
کبھی فارسی میں اور کبھی اردو میں لکھنگو کرتا تاکہ ان لوگوں کو یہ علوم نہ ہو سکے کہ میں کس ملک کا
رہنے والا ہوں۔ قصیر میں یہ چرچا ہو گیا کہ یہاں ایک صحیب لڑکا آیا ہے جو علوم نہیں کس ملک کا
باشدہ ہے۔ عربی، فارسی، اردو تو یہوں زبانیں جانتا ہے اور پیغیر پڑھ سکے ہو۔ نے ہونے کے ہر ایک کتاب
پڑھ سکتا ہے جو انہیں ایک خان کے چھوٹیں لے گئے۔ چارٹی پر غرفت سے بیٹھا۔ ایک مولوں

صاحبہ نے کہی کتب میرے سامنے لا کر رکھیں ہیں۔ نہ ہر ایکیں ہیں سے پڑھ کر مطلب بنادیا اور پوچھنے پر بتایا کہ یہ کتب میں نے پڑھی نہیں ہیں اس کے بعد یہی بڑی تواضع اور خاطردارت ہوئی۔

رفعِ شبیا میں رفع بابہ گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے رکیونک فرضی کی پہلی کتاب ”خلاصہ سید داہن“ میں اُسے محشرات میں سے قرار دیا گیا ہے ملائی فارمیٰ حنفی نے اس کے وہ میں ایک رسائل تزیین الاعدۃ لتحقیق الاشارة ”اس کے سنت ہونے کے متعلق بھی تصنیف کیا ہوا ہے) یہاں یہک کہ بعض جگہوں میں اس کی پاداں میں نمازوں کی انگلیاں بھی توڑی جاتی رہی ہیں اور اب تک بعض علاقوں میں اس خجال کے لوگ موجود ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی قبصہ میں ایک دن جماعت میں ایک شخص میرے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ جب میں نے رفع بابہ کیا تو نماز میں ہی اس شخص نے ہاتھ رکھ کر میری انگلی کو دبادیا۔ جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو میں نے پھر انگلی کھڑی کر دی۔ اس نے پھر ہاتھ رکھ دیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ ہوا۔ جب ام منے سلام پھر اتوہ شخص اس اصر کی شکایت کرنے ہی کو تھا کہ میں نے امام صاحب سے باواز بلند کہا کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ نماز میں میسے کے ساتھ کھیلتا رہا ہے۔ امام صاحب نے اُسے ڈانٹا اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔ اس نے ہر چند کچھ کہنا چاہا۔ لیکن امام صاحب یہی سکھتے رہے کہ تم کھیلتے رہے ہو، نماز پھر ٹھوٹھوٹھو اور اُسے مغفرت پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ جب وہ دوبارہ نماز پڑھ چکا تو امام صاحب سے کہا کہ میری آتا تو نہیں۔ یہ لڑکا تشدید میں رفع بابہ کے حرم کامن تکب ہوا ہے۔ اس لیے میں نے اس کی انگلی کو نیچے دبانے کی گلشش کی۔ ولوقتی صاحب نے کہا اس لئے کچھ نہ کوی علوم نہیں یہ کس نک کا باشندہ ہے اور کس نہ ہب کا ہے۔ البتہ

یقینی بات ہے کہ یہ مجتہد ہے۔ اس سلیے اسے آزادی ہے جس طرح چاہے نماز پڑھے کوئی شخص اس سے تعزیز نہ کرے۔ فراتے تھے کہ میں نے تمام عمر میں عل بالستہ کمیں بھی نہیں چھپوڑا۔

علاقہ غیرے سے آپ اداخت ۱۳۰۲ھ یا ابتدائے ۱۳۰۴ھ میں واپس آئے اور پھر اپنے وطن میں دوسال بھر سے ۱۳۰۵ھ میں بہاء ذوالقدر یا ذوالجہجہ جبکہ آپ مسجد پیر انوالی خانہ پور میں سوٹے ہوئے تھے خواب میں دلیل القدر علماء کو دیکھا۔ ایک کام اتما طی اور دوسرے کا دیما طی تھا۔ خواب میں ان سے کچھ فیض بھی حاصل کیا۔ بیداری پر کتاب ”اتحاف النبلاء“ مصنف علامہ نواب صدیق انگریخان قنوجی کو کھول کر دیکھا تو اس میں ان ہر دلیل القدر علماء کا مذکورہ پایا۔ آپ نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ میں انشا اللہ و بڑے دلیل القدر علماء سے فیض حاصل کروں گا۔ ایک تو میاں صاحب سید نذر حسین ہوں گے اور دوسرے والثدا علم کون ہوں گے۔ اس پر آپ نے کوچ کا عزم کیا اور گھر سے دہلی تک پیدل گئے۔ اور محرم ۱۳۰۷ھ میں شہر دہلی میں وارد ہوئے۔ اور وہاں میاں صاحب سے علم حدیث و تفسیر حاصل کیا اور ۱۳۰۸ھ میں آپ سے اجازہ حاصل کیا۔ آپ کے ایک لوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی عبد الغفور غزنوی (مرحوم) آپ کے سبق تھے اور آپ کے ساتھ ہی میاں صاحب سے اجازہ حدیث حاصل کیا۔ اسی سال میں آپ نے مولوی محمد صاحب شاہ جہان پوری کے اپنی یادداشت میں قاضی صاحب نے لکھا کہ خانہ پر دہلی سے ۵ میل کا فاصلہ ہے (معراج) ۳۰۰ مصنف الارشاد ای سعیل الوشاد رموز اور شیدا حجر گنگوہی کا بہت بے نظیر اور مدل جواب علی جواب ہے۔ حصہ اول طبع ہوا، جو متعدد بار طبع ہوا، اور

متداول ہے۔ (معراج)

سے بھی سندِ حدیث حاصل کی اور پھر ^{۱۳۰۸} میں علامہ فقیہ سین بن محمد بن النصاری حدیبی یمانی سے اجازہ حاصل کیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے اور انہی سے ^{۱۳۰۹} میں اجازۃ الحدیث المذکور بالا ولیۃ حاصل کیا۔ لہٰذا جمل شانہ کے فضل و کرم سے آپ کا خواب پچاہو، علاوه ازیں آپ نے ^{۱۳۱۰} میں علامہ ابو یحییٰ بن سبان مغربی مہاجر مکہ مشعر سے اور علامہ بدرا الدین شامی سے بھی اجازہ حاصل کیا۔ اول ذکر سے دہلی میں اور موخر اللہ کر سے قیام بغداد کے وقت جس کی تفصیل آگے آتے گی، ریسب اجازے خاکسارِ اقام اکھرد ف کے پاس موجود ہیں۔)

سفرہ ملی کے دوران کا ایک فاقہ

آپ فرماتے کہ خانپور سے ملی جاتے ہوتے ایک بڑا شاہِ الہی ظور پذیر ہوا، جب میں دہلی سے مخنوٹ سے ہی فاصلے پر تھا کہ بوقتِ سحر میرے پیٹ میں سخت درد اٹھا جس کی وجہ سے میں ہٹنے جلنے کے قابل نہ رہا۔ اس وقت مجھے آیتِ کریمہ ^{۱۴} استعینوا بالصبر والصلوٰۃ یاد آئی۔ میں نے اس شدتِ مرض میں زمین پر لیٹے لیٹے تیم کیا اور درکعت نماز اشارہ سے ادا کی۔ فراغت پر تدرے افاقتِ محبوب ہوا۔ میں نے مزید درکعت نماز پڑھی۔ تیسرا یا چوتھا مرتبہ نافل کی ادائیگی سے درد بالکل جاتا رہا (اتمام الخشوع عربی ص)

مولوی محمد حسین بیالوی مرحوم کا اور دہلی

جن دنوں آپ میاں صاحبِ مرحوم کے زیرِ تعلیم سنخے مولانا مولوی محمد حسین بیالوی مدرسہ میاں صاحب میں دہلی تشریف لائے نہماں میں مقتدیوں کے ایک شاہزادی قاضی یوسف حسین نے اپنی ایک یادداشت میں لکھا ہے کہ یہ جگہ "قطب بینار" تھی جو دہلی کی مشہور سیرگاہ ہے۔ جو ۱۳۰۲ میں دہلی سے ڈور ہے۔

درستے سے پاؤں ملانے کا کہا کر آیا، تو مولوی صاحب نے کہا کہ انسان بھل ملکت ہے۔ اس لیے مقتدیوں کے پاؤں اپس میں نہیں مل سکتے۔ قاضی صاحب نے کہا: ”اچھا! آپ مولوی محمد حسین بٹالوی ہیں؟ یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟ اٹھیے تو سی!“ اور چند اور حاضرین کو ساتھ لے کر عملاء کے پاؤں ملا دیئے۔ اور کہا: ”یجھے جناب! یہ ناممکن نہیں! اور بمحض آپ جیسے عالم سے یہ بات سن کر سخت تعجب ہوا ہے۔“ بٹالوی صاحب رد بولے۔ جب بٹالوی صاحب پڑھ لگئے تو قاضی صاحب نے میاں صاحبؒ سے کہا کہ بٹالوی صاحب کے ساتھ جو قضیہ ہوا اس میں میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی ہے اور جو کچھ ہوا نامناسب تونہ تھا؛ میاں صاحب نے فرمایا نہیں تو تم نے اُسے رہولنا (بٹالوی کو) خوب لیا۔“

شیخ حسین بن محمن انصاری نے شمس الدین میں آپ کو مفصل اجازہ لکھ کر دیئے کے بعد چند مسائل بھی آپ کی درخواست کے مطابق اپنے فلم سے لکھ کر دیئے اور اس تحریر کے شروع میں لکھا ”فقد سئالنى المولوى الباجل سلالة الرسائل البواسطى عييل يوسف حسين سلمه سب العالمين عن خمس مسائل و طلب منى الجواب علىها فاجبته الى مطلوبه تحقيقا رظنه وموغوبه وان كنت سئى اهلا لذلك دلما من يخوض فى تلك المسالك ولكن سجاد الاندراء في صالح دعواهم وعظمهم توجهاتهم - المسئلة الأولى
البخ“ ان مسائل کی صرف فہرست ذیل میں لکھی جاتی ہے ورنہ کل جوابات میں اور اسی میں آئے ہیں۔

فہرست مسائل

(۱) المسئلة الاولى في الزكوة رحل ثقب الزكوة في غير الاختان للعمير بحثة من المحبوب (مع تخفيفه) دودرق۔

(۱) المسئلۃ الثانیة فیہا رد هل تجب فی الحلی الزکوٰۃ (الح) بر جلب
چد ورق میں ہے۔

(۲) المسئلۃ الثالثة فی تحلی الرجال رحل یجوانز للرجل التحلی بالفقة
سوی المخاتر؟) بواب ۳ صفحہ سے زائد میں ہے۔

(۳) المسئلۃ الرابعة فی الرّهن اذا رهن رجل ارضًا عند رجل
بدين لہ علیہ واذاد، الواهن للمرتّبی بالانتفاع والأكل بمقتضی
الاجازۃ والإذن؟) اس سوال کا جواب ۹ صفحہ میں آیا ہے۔

(۴) المسئلۃ الخامسة فی تحقیق الضاد (آہی مشابہہ بصورۃ الدال
المفخمة او تقریبا مشابہۃ الظاهر المعجمۃ ما الصیحۃ) اس کا جواب
چھ صفحہ میں آیا ہے۔

خوبی: ابو نبی پیر عبد العلی بن سعد اللہ الانصاری الگنوری کو بھی
یعنی موصوف نے باستعمال اساذہ القاضی ابی امیل اجازہ لکھ کر دیا رجرا قلم
کے پاس رہے کیونکہ تاضی صاحب کی کتب میں سے ایک میں آگیا ہے)
وہ کا سفر نہ کو رفاقتی صاحب نے پایا دہ طے کیا۔ راستے میں کسی بھنٹہ ہوئے
چنوں اور کچھی پیروں یا جنگل کے پتوں پر گزارہ کرنا پڑا، لیکن بہت نہاری۔
علوہ وہ اس کچھ استفادہ مولانا مولوی ڈپٹی نذیر احمد روم سے بھی کیا۔

اپ ڈپٹی صاحب کی بہت تعریف کیا کرتے فرماتے کہ "طلباً آپ سے مشکل
سے مشکل شروع یافت کرتے تو آپ اس میں ایک مشکل و مغلق مقام رکھنڈی، کی
نشانہ ہی کر دیتے جس سے تمام شعر کا مطلب حل ہو جاتا۔ ان دونوں طالب علم انہیں
پائیں میں ایک جگہ سے دوسروی جگہ لے جاتے۔ رخاکار کہتا ہے کہ ڈپٹی صاحب
کے نزد اور حاشیہ والی حماں سے علم ادب میں آپ کا کمال ظاہر ہوتا ہے مشکل

سورہ یوسف میں گت نسیعؑ کا ترجمہ آپ نے "ہم بکڈی کھیلتے تھے" جو کسی اور ترجمہ میں نہیں ملے گا۔ اور کتنا صحیح ترجمہ ہے۔ تغیریات ہند اور رضا بط فوجداری کا ترجمہ اردو میں ڈبٹی صاحب نے ہی کیا تھا۔ جو آپ کی قابلیت کا شاہکار ہے۔

ایک شیعہ مجتہد سے مناظرہ

دوران تعلیم مدرسہ میاں صاحب مرحوم میں ایک دفعہ ایک شیعہ مجتہد سے آپ کا مناظرہ ہو گیا۔ مجتہد صاحب نے ایک حدیث پڑھ دی۔ قاضی صاحب نے حوالہ طلب کیا تو اس نے منہ احمد کا نام لیا۔ منہ احمد وہاں موجود نہ تھی اسی وقت قاضی صاحب مدرسہ میاں صاحب سے جا کر منہ احمد اٹھالا تھا اور مجتہد صاحب سے کہا یعنی یہ منہ احمد ہے اس میں سے وہ حدیث دکھا دیجئے۔ کچھ درق گردانی کی لیکن حدیث نہ ملی تھی۔ اس پر تالی نسخ لگھی۔ اور مجلس برخاست ہو گئی۔ فرماتے کہ اس کے بعد شیعہ اصحاب مسجد میاں صاحب میں آگرانگلیوں سے میری طرف اشارہ کر کے ساقیوں کو بتاتے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے قبلہ کعبہ کو شرمندہ کر دیا۔ ان کی غرض آپ کو کچھ ضرر پہنچانا تھی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوا۔ لے کے۔ اللہ آپ کا حافظ رہا۔

ذریعہ معاش

آپ چونکہ خوش نولیں تھے، عربی، فارسی بلکہ انگریزی بھی خوب لکھتے۔ اس لیے دہلی میں آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھا۔ جو کچھ کھاتے دستوں کو کھلا دیتے۔ کرزن پریس دہلی میں عرصہ دراز تک کتابت اردو کا مشغل رہا۔ قرآن شریف اور کتب حدیث کی کتابت اور تصحیح کرتے رہے۔ جمیع سماجی کامیاب نہ

مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی بھی آپ کے قلم سے لکھا ہوا طبع ہوا۔ خان پوریں ابھا کے گھر میں ایک معتری قرآن شرائف دیکھا تو کہا کہ یہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اعلام الموقبین (عربی) مطبوعہ الفاری پریس دہلی عربی خوش خط کتاب بھی آپ ہی کے قلم اعجاز قلم کا نمونہ تحریر ہے۔ جیسا کہ امام خال نوشر وی مرعم کے نوٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔

قاضی صناید کا درود گنور (یو. پی)

کچھ عرصہ کے بعد گنور (یو. پی) میں تشریف لے گئے رہوجہ ایک نوٹ از امام خال نوشر وی مرعم، ”قاضی شمشاد علی گنوری کی روایت ہے کہ ادائیل موسم گرام میں نماز ظہر کے بعد ایک اجنبی شخص مسجد میں داخل ہوا۔ باس بالکل سادہ، سر پر چادر پہنچے ہوئے ہاتھ میں بول کی شکر۔ ارشاد علی صاحب نے جو کی روٹی اور میتھی کا ساگ حاضر کیا۔ اس طرح تین روز یہ سدلہ جاری رہا۔ مولوی عبد التواب صاحب غزنوی امام نماز تھے۔ نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ آٹھاتے نوازد مسافر نے دریافت کیا کہ نماز رفریسر کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا ثبوت کہاں ہے؟ مولوی عبد التواب صاحب نے فرمایا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کتاب ملکانی گنی مگر حدیث نہ ملی۔ مولوی عبد التواب صاحب نے دوسرے وقت پر موقوف فرمایا مگر نووارنے کہا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث نہیں ہے۔ یہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی ہے۔ میں اس نسخہ کا کتاب ہوں۔ جب اس نسخہ کے آخر میں نام دیکھا تو ہر ایک نے اخترام کیا۔ اور مولوی عبد التواب صاحب اٹھ کر گئے۔ یہ صاحب یوسف حسین خان پوری ہزاروی تھے۔“

”خاکسار کہتا ہے کہ صحیح بخاری جب لائی گئی تو قاضی صاحب نے کہا: آں

کتاب سے آپ کو یہ مشکل نہ ملے گا یہ تو ساری میسے کر راتھ کی لکھی ہوئی ہے۔
مولانا غزنوی اٹھ کر گھے مل گئے اور یہ بات وہیں ختم ہو گئی۔

اسی مشکل پر آپ کی مولوی حمید اللہ صاحب سزاد فی میرٹی سے جھی گنگو ہوئی
جکر مدد حنفی تشریف لاتے۔ آپ فرماتے کہ میں لوقت مناظرہ مولوی حمید اللہ
صاحب کے سامنے اس طرح ادیسے بیٹھا جس طرح شاگرد اساتذہ کے سامنے بیٹھتا ہے لیکن یہ وہی قدر
دلیل کی ہو سکتی ہے بالآخر مولوی حمید اللہ صاحب نے ارباب گنور سے کہا کہ ان سے
بحث نہ کرو۔ ان سے کچھ سیکھو۔

آپ نے گنور میں تنہیناً ۲۰ سال قیام کیا اور ایک جم غیر نے آپ سے
استفادہ کیا۔ جب آپ ولن والوف والپس تشریف لاتے تو گنور کے ایک
صاحب عجیب بن ابی جعیب النصاری آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے
خانپور آگئے۔ اور کافی عرصہ تک وہاں رہتے۔

مسجد سوان کا مقدمہ

سوان میں سجد اہل حدیث واقعہ قاضی مسلم پر احنت کا قبضہ ہو گیا تھا۔
آپ نے ایک جمع کی نماز میں بہت سے اہل حدیث مسجد میں جمع کر کے ائمیں
با الجہر کراوی جنپی امام صاحب اس آئین کی گونج سے ایسے گھراستے کہ فرائت
کرنا بھول گئے۔ اس کے بعد مقدمہ شروع ہو گیا۔ منافقین نے آپ کو حکام
کی نظر میں ایک تُند سرحدی کے زنگ میں پیش کیا۔ اس لئے بوساطہ پولیس
خانپور آپ کے حالات اور چال چلن کی دریافت کی گئی۔ جب استفسرات
تحاٹھ خانپور میں پہنچے اور پولیس نے راجگان خان پور سے آپ کے متعلق دریافت
کیا تو سب نے بالاتفاق بیان دیا کہ قاضی صاحب ایک بڑے بزرگ خاندان

سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے والد بزرگوار اور برادران خاندان گھٹم و دھجرہا میں خانپور کے مسلم پیشوں رہے ہیں۔ اور آپ کا خاندان علم و فضل، زہد و اتقان میں ضرب المثل ہے قاضی صاحب ایک بہت ہی معزز خاندان کے ایک فرد ہیں۔ جب یہ رپورٹ سوان میں سچی توحیم کی راستے یکم تبدیل ہو گئی۔ کمرہ عدالت میں آپ کو بڑی حضرت سے بُھایا جاتا۔ اور اگر کوئی سوالات کیے جاتے تو بھی آپ کی حضرت کو ملاحظہ کھا جاتا۔ مقدمہ کافی صدر بالآخر محدث کے عنی میں ہوا اور وہ مسجد جامع الہمدیث جماعت کی مسجد قرار پائی اور جماعت الہمدیث کا قبضہ بلا شرکت غیر کے مسجد پر ہو گیا۔ اس ضروری کام کے لیے آپ کو سوان میں ایک سال رہنا پڑا۔ مقدمہ میں کامیابی کے بعد آپ پھر گنور والپیں تشریف لے گئے۔

آپ کا سفر حجاز و عراق

آپ عراق بھی تشریف لے گئے۔ ذرا تے کہ جہاز میں کچھ شیعہ ہم سفر رکھتے۔ آپ کی نقدتی اور چند کتابیں جہاز میں چرانی لگئیں۔ جب بنداد پہنچ تو پاس ایک جتنہ تک نہ تھا۔ لیکن عمر بھر سفر ہو یا حضرت دست سوال کبھی دراز نہیں کیا۔ فرماتے کہ بعض اوقات تمین تین دن تک متواتر کھانے کو کچھ نہ ہوا۔ لیکن سوال کبھی کسی سے نہیں کیا۔ بلغمہ دیں اس غظیم اشان مسجد میں دارو ہوئے جس کے متصل قبر شیخ عبد القادر جیلانی واقع ہے اور مسافر گام طور پر اسی مسجد میں جا کر ٹھیرتے ہیں۔ بھوکے تھے لیکن کسی سے بھوک کی شکایت کننا عادت میں نہ تھا مسجد میں ایک برآمدہ میں بیٹھ گئے۔ اور کتابوں کا بستہ کھوں کر قلم و دفاترے کے وقت گزارنے کے لیے ایک کانند پر کچھ لکھنے لگ کے۔ تھوڑی دیر کے بعد

ایک شخص کا دہان سے گز ہوا۔ آپ کو کچھ کہتا دیکھ کر کہا کہ میرے پاس ایک وظیفہ لکھا ہوا ہے۔ اس کے کاغذاب ضعیف ہو گئے ہیں۔ اگر مجھے نیا کر کے لکھ دو تو میں تحسین دو آنے رکھ عربی، دوں گا۔ آپ نے دل میں سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے میرے کھانے کا انتظام فرمایا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میں کسی انسان سے سوال نہیں کرتا۔ اسے کہا بہت اچھا! لایتے میں نقل کر دوں گا۔ پھر اپنے جب اُسے اچھی طرح لکھ کر دیا گی تو خوشی دیکھ کر بے حد سفر ہوا۔ خط کو بار بار دیکھتا اور حیران ہوا کہ اس قدر عمدہ تحریر ہونا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ رقم مقررہ سے وکھنی ادا کی اور کہا اگر آپ کھانا کھائیں تو آپ کے لیے مکھ سے سے آؤں۔ کہا: لے آئیے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹراٹاوس پلاڈ کاے آیا۔ فرمایا اتنا کھانا کس کے لیے؟ میرزاں نے کہا: آپ کے لیے! آپ نے کہا: میرے لیے تو ایک طشتہ کافی تھی۔ قم اس قدر لے آئے۔ مجھے تم نے کیا سمجھا ہے۔ اس نے کہا: باں نہیں۔ آپ جس قدر طبیعت جو کھالیں۔ باقی مکھ داے کھالیں گے۔ تھے بہت کم خواراں۔ تھوڑے سے چادل مخانے اور اُسے کہا کہ اٹھاے جائیے۔ اس نے تعجب کیا کہ مھاں نے بہت کم کھانا کھایا۔ فرمایا میں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اشتہا۔ اسی قدر تھی۔ اسی مسجد میں بعد نماز فریضہ نمازی معاشر کی طرف دوڑ پڑتے۔ مگر قافی صاحب اس طرح نہ کرتے۔ ایک شخص آپ کو خاص طور پر تاکتار کہ یہ شخص نماز کے بعد برق کا رخ نہیں کرتا۔ ایک دن ان کے پاس آیا تھا اور سوال کیا کہ آپ۔ این ہر بھی کوئی آدمی سمجھتے ہیں۔ کہا: میری اس سے ملاقات نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس نے بار بار مطابہ کیا کہ نہیں جناب! کچھ تو کھنا ہی پڑے گا۔ اور پھر اصرار کیا۔ طبیعت میں خاندانی جلال تو متاثر تھے۔

وہ سمجھی طرح مثلا تو آپ نے کہا: مجھے اس قدر علم ہے کہ بعض علمانے اس کی تکفیر
سمجھی کی ہے۔ لیکن میں ذاتی طور پر چوبھ عدم ملاقات اُس سے نہیں جانتا۔ اس خصہ
نے کہا بس یہی تو میں تم سے کہلوانا چاہتا تھا، وڈا گیا اور مخنوٹی دیر کے بعد
ترک حاکم ران ونوں بغداد ترکوں کے زیر نگین تھا، کا ایک چڑپا سی ہمراہ لا یا۔ جس
نے آپ کو کہا کہ حاکم شہر آپ کو طلب کرتے ہیں۔ جب وہاں پہنچنے تو حاکم نے
اس شخص سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ ہم انظام کروں گے۔ اس شخص کے چلنے جاتے
کے بعد حاکم نے آپ کو بڑی عزت سے بٹھایا اور کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا،
درست فرمایا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن ایسی باتیں جمال کے سامنے کہ
مناسب نہیں۔

آپ نے کہا کہ میں نے ہر چند اس شخص سے ایسی بات نہ کہنے کی کوشش
کی۔ لیکن وہ بدستور مضر بنا کر میں ضرور کچھ کہوں۔ اس یہے مجبوراً مجھے یہ بات کہنی
پڑی۔ حاکم نے کہا: آپ فکر نہ کریں آپ امن کی جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ رامام خان
نو شہری مرحوم کے نوٹ سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے پیشہ اس حاکم کا رکھا آپ
سے حدیث پڑھتا تھا۔ یعنی آپ کاشگرد تھا۔ اس وجہ سے حاکم بڑی عزت سے
پیش آیا۔ لیکن راقم الحروف کے خیال میں یہ صحیح نہیں کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم
ہے یہ واقع اپنادی و رواد کے وقت کا ہے۔ درس فذر لیں تو اس واقع کے بعد
شردع ہوئی تھی۔ جیسا کہ اس کے بعد ظاہر ہو گا۔)

آپ حاکم کے پاس بیٹھنے ہوئے تھے کہ اتنے میں سلفی العقیدہ لوگوں کا
ایک وفد حاکم کے پاس جا پہنچا را۔ حدیث کو وہاں سلفی العقیدہ کہا جاتا ہے، اور کہا
کہ یہیں معلوم ہوا کہے کہ ایک نوارہ ہمارا ہم خیال اس شہر میں پہنچا ہے اور اسے
آپ نے بواکر تکلیف دی ہے، ہم اس بات کے خلاف صدائے احتجاج بلند

کرنے آئے ہیں۔ ہمارا مطالیہ ہے کہ اس نووارد کو ہمارے ساتھ جانے دیا جائے۔ حاکم نے کہا: آپ کے وہ نوادرد یہ میٹھے ہیں ان سے دریافت کر لیجئے کہ ان کو یہ تکلیف دی گئی ہے قاضی صاحب نے ان لوگوں سے کہا کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں دی گئی۔ بلکہ مجھے بڑی عزت سے رکھا گیا ہے اور میری ہر طرح سے دل جوئی کی گئی ہے میں حاکم صاحب کا بے حد منون ہوں۔ وفد نے مطالیکیا کہ انہیں ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے۔ حاکم نے کہا: ان سے دریافت کریں اگر جانا چاہیں تو بے شک جائیں اور اگر میری سکر پاس مختصری تو ان کی خدمت کرنے کو حاضر ہوں۔

قاضی صاحب نے حاکم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اجازت چاہی لے لی۔ یہ لوگ محض اللہ مجھے یہنے آئے ہیں تو ان کے ہمراہ نہ جانا خلافِ مرمت ہے۔ حاکم نے خوشی سے اجازت دے دی اور آپ وفد کے ساتھ تشریف لے گئے جملہ مخدصین کے مشورہ سے آپ کا نام مدرس کے طبقہ کی فہرست میں لکھا گیا۔ ایک دن مدرس صاحب حدیث پڑھا رہے تھے۔ ایک لفظ کا معنی جواہنوں نے بیان کیا تو قاضی صاحب نے اُسے غلط بتاتے ہوئے صحیح معنی کی نشاندہی کی۔ مدرس صاحب کو تسلیم کرنا پڑا۔ یہ خبر شہر میں مشورہ ہو گئی کہ ایک نووارو نے شیخ اکابریث کی غلطی نکالی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ مدرس حدیث (عنی شیخ اکابریث) مقرر ہو گئے۔ اور ۴۰۰ سال تک حدیث کا درس دیتے رہے۔ عربی میں اس قدر فصیح اللسان تھے کہ اگر کبھی ان لوگوں کے سامنے آپ اس بات کا اخبار کرتے کہ میں ہند رہنماؤستان کا باشندہ ہوں تو وہ کہتے کہ ہم یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ پیدائشی عرب ہیں۔ بغداد کے علماء میں آپ بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

بہت سے علماء کے ساتھ آپ کے دوستات تعلقات قائم ہوئے۔ اسی اثنامیں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی کتاب "کتاب العقد والنقل" کی طباعت کا خال وہاں ہونے لگا۔ تو قاضی صاحب نے علمائے بغدادیے کماکہ ان کے برا درکلام قاضی عبدالاحد صاحب مقيم راولپنڈی کے پاس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ چنانچہ امھوں نے قاضی عبدالاحد صاحب (مرحوم) کے ساتھ خطوط تھابت کر کے وہ قلمی نسخہ منگوایا اور اس نسخہ کے ساتھ یعنی مقابلہ کے وہ مکاتب لبس کرانی جو شیخ موصوف کی مشهور تصنیف "منہاج السنّۃ" کے حاشیہ پر زیور طبع سے آراستہ ہوتی بعد طباعت اصل نسخہ بعد ایک نسخہ مطبوعہ ربلور شکر (دہلی) قاضی صاحب موصوف کو علمائے بغدادیے کھجوایا۔

قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بغداد میں فروعت کے اختلاف پہنچی کوئی چھکڑا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اگر کوئی شخص بفرض محل قبلہ کے علاوہ کسی دوسری طرف متہ کر کے نماز پڑھے تو ناظرین یہ کہہ کر سکوت اختیار کر لیں کہ شاید یہ بھی کوئی مذہب ہو اور کوئی تعزز نہ کریں۔

آمین بالجہر کا ایک لطیفہ

آپ فرماتے کہ بغداد میں تمام مذاہب اہل سنت کے لوگ ایک ہی جگہ نمازادا کرتے۔ نماز باجماعت میں ایک ہی صاف میں شافعی و حنفی اور عنبلی و مالکی یہجا نظر آتے۔ کوئی رفع یہیں کرنا کوئی نہ کرنا۔ کوئی ہاتھ اور باندھتا کوئی نیچے او کوئی ارسال کرتا۔ لیعنی کھلے ہاتھوں بغیر ہاتھ باندھنے کے نمازادا کرتا۔ لیکن کوئی نہ اپنے بھائی سے تعزز نہ کرتا۔ کہتے کہ ایک مرتبہ میں جماعت میں شرکی تھا۔ وہاں بچسات آدمی شافعی یاک جا تھے اور ان کے متصل چند آدمی حنفی

تھے۔ میں کے ساتھ ایک اعرابی صحف میں شرکیب تھا۔ جس کے دوسرے جانب ان شا فیوں کی قطار تھی۔ وہ لوگ آئین باجھ رکھتے۔ لیکن ان کی آواز لوگوں کو اس طرح سنائی دیتی کرو۔ ”ایں“ ذرا مبارک کے کہتے ہیں۔ پہلی رکعت میں تو وہ اعرابی چپ رہا لیکن دوسرا رکعت میں جب اس کے ساتھیوں نے آئین اس طرح کہی کہ ”ایں“ کی آواز آتی تو اس اعرابی نے بھی ان کے ساتھ مل کر ”ایں“ کی لمبی آواز نکالی۔ جب نماز پڑھ چکے تو میں نے مسجد کے دروازہ پر علماء کو دہلی ٹھیک ریا اور کہا کہ ذرا یہ سال ٹھیکیتے میں آپ کو ایک عجیب بات بتاتا ہوں۔ جب وہ اعرابی باہر نکلا تو میں نے اُسے بلایا اور ان علماء کے سامنے اس سے استفسار کیا کہ جب امام نے سورہ فاتحہ ختم کی تو تم نے کیا کہا تھا۔ اس نے کہا: میں نے کہا تھا۔ ”ایں“ لمبا کرنے ہوتے ہیں نے کہا: یہ تم نے کیوں کہا؟ اس نے کہا: میرے ساتھ ہو لوگ تھے وہ اس طرح کہہ رہے تھے۔ اس لیے میں نے بھی کہہ دیا اس پر وہ علماء خوب ہنسے۔ اس اعرابی کو یہ سمجھہ ہی نہ آیا تھا کہ یہ لوگ ”آئین“ پکار کر کہہ رہے ہیں۔ بلکہ صرف اتنا خیال آیا کہ یہ لوگ کوئی اچھی بات ہی کر رہے ہیں جس سے میں پہلی رکعت میں محروم رہا ہندوستان میں ان فروعات پر جگہزے اور فادات انگریزی حکومت اور اس کے حاشیہ برداروں کی مہربانی کا نتیجہ تھے۔

بغداد میں نماز تراویح

آپ فرماتے ہیں کہ ان دنوں بغداد میں بماہ رمضان صرف تین مسجدوں میں قرآن شریف نماز تراویح میں ختم کیا جاتا۔ باقی مساجد میں عام طور پر امامان منا

سورہ اخلاص چار کعتوں میں ختم کرتے یعنی پہلی رکعت میں صرف قُلْ هَوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَسُرِّی میں اللَّهُ أَنَّهُمْ مُّدْبِرُونَ لَكُمْ يُوْكَدُ اور پھر تھی میں دَلَّكُمْ يَكُنُوا أَحَدٌ۔

آپ ایک مسجد میں قرآن سنبھلے جایا کرتے تھے جو آپ کی جائے قیام سے تین میل کے فاصلے پر تھی۔ کبھی دیر ہو جاتی تو پہنچنے پر آپ دیکھتے کہ رب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور آپ کے پہنچنے پر نماز شروع ہوتی۔ آپ فرماتے کہ وہاں ہمارے بہترین دوست علمائے احباب ثابت ہوئے جو توحید میں ایسے ہی پکے تھے جیسے ہندوستان کے الہمیث۔ البتہ وہاں کے شافعیہ قبر پست اور مشرک پائے گئے جیسے ہندوستان میں خپٹی کھلانے والے لوگوں کی اکثریت ہے۔ جو امام ابوحنیفہ کے عقیدہ توحید کے مخالف اور ان کا نام پذیراً کرنے والے ہیں۔ اس لیے ان سے اختلاف ہتا اور مناظرے بھی ہوتے۔

سفر سماںی لینڈ اور رجوع بیت اللہ

آپ دورانِ قیام بعده اربعوں بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ لیکن کبھی ” حاجی“ یا ”مولانا“ کا حاج“ جیسے لقب کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ آپ کے ملنے والوں میں سے اکثر کو اس کا علم تک دن تھا۔ آپ کے قلمی نوٹ ایک جگہ سے دستیاب ہوئے ہیں جن میں گخوار سے روائیں۔ رسیدگی بعده اور پھر بہت رجوع بعده اسے روائیں اور مکرمہ مکرمہ جانے سے پہلے برابر یعنی سماںی لینڈ جانے کا ذکر ہے۔ جہاں آپ نے محمدی سوڑا فی رشید مرحوم، سے ملاقات کی اور اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ آپ محمدی موصوف کی بہت تعریف کیا کرتے تھے کہ وہ بہت

نیک آدمی اور پاک اسلامان تھا۔ ہم اس کی مجلس سے محفوظ ہوتے۔ وہ سچا مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ یہ وہی جہادی سوڈا فی تھے جن سے لارڈ پکھر نے (جو ایک عرصہ تک ہندوستان کے کمانڈران چیف بھی رہے) جنگ کی تھی اور جب وہ شہید ہوئے تو اس نے انہی میت کی بہت بے حرمتی کی یعنی اس کو جلوادیا تھا یہی لارڈ پکھر جنگ عظیم میں جرمن آبدوزوں کے حملہ سے سمندر میں غرق ہوا اور اس کی نعش بھی نہ ملی۔ ڈاکٹر اقبال مرروم نے عالم بزرخ میں ایک بزرگ کا مکالمہ ہمراہ لارڈ پکھر اس طرح لکھا ہے۔

گفت اے کچڑا گرداری خبر انتقام خاک در دینے نگر
آسمان خاک تراوگرے نداد مرقدے بجز دیم شوے نداد
یعنی اس بزرگ نے عالم بزرخ میں کچڑا کو مقابلہ کر کے کہا، اے کچڑا!
ایک درویش رہبہری سوڈا فی کی مٹی (نشش) کی بے حرمتی کا بدله دیکھو کہ اسماں
نے تمہاری مٹی (نشش) کو زمین میں ایک قبر تک نہ دی اور تمیں آخری سونے
کی جگہ سوائے سور دریا رنگیں سمندر کے اور کوئی جگہ نہ دی۔

اس سفر کے متعلق آپ کے نوٹ مفصل ہیں۔ لیکن ان کا نقل کرنا باعث
تطویل مضمون ہو گا۔ خصیر ہے کہ آپ اواخر ۱۹۰۳ء میں بغداد سے بھکر پسلے
یر برہ گئے۔ وہاں سے حریمیں گئے اور رجس سے فتحتہ ا کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں
دریں تک مقیم رہے۔ کیونکہ وہاں کتب خانہ عثمانی سے منہاج الشست کی نقل ۱۳۰۰
و سبز ۱۹۰۵ء کو شروع کی جو ۲۳ مارچ ۱۹۰۷ء مطابق ۵ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ میں
تکمیل کو پہنچی اس کے بعد والپس بغداد اگر کافی عرصہ رہے۔ اور انہی دنوں علمائے
بغداد کا اپنے برادر اکبر قاضی عبد الواحد سے تعارف کرایا۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا
چکا ہے۔ اور وہاں سے اپنے دنوں بھائیوں قاضی عبد الواحد صاحب اور

قاضی محمد صاحب کو لکھا کہ آپ لوگ بھی ہجت کر کے بغداد آ جائیں۔ یہاں علماء کی قدر بہت ہے۔ اس کفرستان کو چھوڑیں۔

ایک باکمال ترک عالم حدیث

قیام بغداد کے زمانہ میں آپ نے ایک باکمال ترک عالم سے بھی اجازہ حدیث حاصل کیا۔ وہ عالم تک شام میں رہائش پذیر تھے اور انہیں صحاح شہزادہ از بر تھا۔ ایک مرتبہ بعض اتر اک تے انہمہ حدیث کے حفظ حدیث پر شک کا اظہار کیا اور کہا کہ اس قدر احادیث محدثین کو یکے یاد ہو سکتی تھیں۔ یہ بات ماننے کے قابل نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مجلس منعقد کرو اور مجھے جس قدر احادیث یاد ہیں مجھ سے سنو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جب تک میں وہ ساری حدیثیں جو بھی حفظ ہیں نہ سناؤں تم اس مجلس کو جاری رکھو گے اور تمہیں سے کوئی بھی نزدیکی گا۔ چنانچہ سب نے یہ شرط بدیں خیال مان لی کہ بہت ہوا نہ سو دو سو حدیثیں سننا پڑیں گی۔ اور معابدہ پختہ ہو گیا۔

مجلس منعقد ہوئی۔ سامعین میں سے جو خواندہ تھے ان کے سامنے صحیح بخاری کے نسخہ رکھ دیتے گئے۔ اور آپ نے یاد سے صحیح بخاری سنانا شروع کیا۔ جو آپ نے شروع سے لے کر آخر تک سنادی۔ درمیان میں بھی وہ لوگ کہتے رہے کہ بس ہم مان گئے۔ ہم اپنا اعتراض دالیں یلتے ہیں۔ لیکن اس بزرگ نے کہا کہ تم عمدہ کر چکے ہو۔ اس لیے تمہیں اب وہ سب حدیثیں سننا پڑیں گی۔ جو بھی یاد ہیں۔ صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کا سنانا شروع کیا اور تما اختتام سب سنادی۔ سامعین نے بزور اعتراض اکیا اور مجلس کو ختم کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے کہا اپنے عہد پر قائم رہو۔ اب لا ذابودا ذود،

پھر ترمذی بھرا بن ماجہ، سمن نسائی۔ الغرض تمام صحاح ستہ زبانی سادیا بن ذکر خز کرتے تھے کہ ہماری قوم میں ایک ایسا بزرگ پیدا ہوا جو کل صحاح ستہ کا حافظ آپ نے جب ان بزرگ کی تعریف سنی تو ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔

آپ نے ناکہ وہ صاحب آج کل بعضاً میں فلاں مقام پر آئے ہوئے ہیں آپ وہاں پہنچے لیکن آپ کے وہاں پہنچنے سے پیشتر وہ اس جگہ سے کوچ کر گئے تھے۔ آپ نے ایک صاحب کو جو اسی جگہ جانے والے تھے۔ جہاں وہ شیخ گئے تھے ایک خط لکھ کر دیا کہ شیخ موصوف کو پہنچا دینا۔ خط میں لکھا گئیں اس غرض کے لیے آپ کی آمد کا سن کر آیا تھا کہ میں آپ سے اجازہ حدیث حاصل کروں گا۔ لیکن جب یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں سے تشریف رے چاہکے ہیں۔ اس لیے یہ عرضہ دستی بحیث رہا ہوں شیخ نے خط دیکھ کر فاصلہ سے پوچھا کہ خط اس شخص نے خود لکھا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے سامنے انھوں نے یہ خط تحریر کیا اور میرے کے والے کیا۔ بس اس پر انھوں نے اجازہ تحریر کر کے آپ کو بھجوادیا۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ ان کا اسم گرامی بدال الدین تھا کیونکہ کاغذات میں ان کا تحریر کردہ اجازہ ان کے دستخط اور مہر سے مزین موجود ہے۔ فرماتے کہ عالم موصوف حدیث کا درس پاشا طبہ دیتے اور کجھی لبپی مجلس میں کبھی غیر کاذک اس طرح کرنے کی اجازت نہ دیتے جس میں غیبت کا شائر ہو پھر جھی اگر کوئی شخص ایسا ذکر پھیرتا تو فراؤ اسے روک دیتے اور کہتے اس بات کو جانے دو۔

بغداد سے ولپی

تئینی سال یا آٹھ سال بعد اد میں مقیم رہنے کے بعد آپ نے دالس لہ شیخ بدال الدین بن ایشیویسف بن عبد الرحمن المراكشی المانقی المشقی یہ بزرگ شاہ کے چیڈا بالہتر عالم اور صحاح شرکی حدیث کے حافظ تھے۔ مذہب میں ملا مدرسہ شیرازیہ شاہ سرین بھی ان کی نیارست مشرف تھا۔ (رجوع مطہ عطا اللہ تیفیق)

اگر کچھ سمجھنے میں قیام فرمایا۔ جہاں سے غاباً ۱۶-۱۵ء میں اپنے طین مالوف کو مراجعت فرمائی اور درس و تدریس اور عظوظ و تذکیر میں مصروف رہے۔ قاضی محمد صاحب نے امامت نماز اور خطبہ بھی آپ کے پرداز کر دیا۔ جامع مسجد پیر ابوالی میں رجسٹر میں آپ کے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور برادران سے پائی تھی۔ پڑھایا کرتے تھے اور خطبات جمع میں قرآن شرافی از اول تا آخر تک اپنے مع تفسیر بے نظیر بیان فرمایا۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے اپنے برادر اکبر قاضی عبد الواحد صاحب رمorum کے حکم سے جامع مسجد المحدث را ولپنڈی شہر میں بھی فرانش خطبۃ و تدریس ادا کئے۔ بالآخر علامت کی وجہ سے پھر خان پور لشrefیتے آئے۔

دھوپ گھٹی

آپ کو علم نجوم میں بھی کافی دسترس تھی۔ زمانہ قیام گنور میں آپ نے جامع مسجد المحدث کے صحن میں ایک دھوپ گھٹی بنائی۔ جس کی تعمیل میں اپرے کچھ ماہ صرف ہوتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وہ گھٹی اتنی صحیح تھی کہ لوگ اس پر وقت دیکھ کر بیل پر جایا کرتے تھے۔

آپ کا ارادہ تھا کہ مسجد محلہ قاضیان خان پور پور میں بھی ولیٰ ہی دھوپ گھٹی بناؤں۔ لیکن افسوس اس ارادہ کو پورا نہ کر سکے۔

رُبُّع الْجَيْبِ وَرُبُّعُ الْمَقْنَطِ

آپ نے رباع الجیب خود چھپوا کر بکڑی پر چیاں کر کے رکھا ہوا تھا۔ جس پر ہر روز بوقت طلوع آفتاب وقت دیکھ کر درست کرایا کرتے تھے۔

آپ اپنی حمیب گھٹری پر اسلامی وقت رکھتے۔ جس پر عین بارہ بجے شام ہوا کرتی۔ کیوں کہ اسلامی طریق حساب میں شب ماقبل دوسرا روز کے ساتھ شمار ہوتی ہے۔ بخلاف انگریزی حساب کے کہ دن رات کے بارہ بجے ختم ہوتا ہے۔ از روئے اسلامی حساب دن شام کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ دن شروع ہو جاتا ہے۔ ہر دن کے ماقبل کی رات اُس دن کا حصر ہوتی ہے۔

ربع الجیب پر تو سایہ دیکھ کر ایک خاص طریق پر حساب رکانا پڑتا ہے۔ جو ذرا پچیدہ عمل ہے۔ لیکن رب المقتدر پر یکتھے ہی وقت فرمایا معلوم ہو جاتا ہے جو ہر ایک عرض بلکہ نیارہوتا ہے۔ بخلاف رب الجیب کے جو ہر عرض بل پر کام دیتا ہے۔ آپ نے خان پور کے لیے بھی رب المقتدر بنارکھا تھا۔ اور ایسے طریقے کے لیے ایک رب المقتدر بنارکھا کار درا قم الکروف، کو عطا فرمایا تھا۔

میں گورنمنٹ ہائی سکول ایسٹ آباد میں ایک دن اس پر وقت دیکھ رہا تھا۔ پاس سے مولوی حسام الدین صاحب (مرموم)، پہلی ماہ سڑھو گزرے تو تغیر گئے۔ دریافت کیا یہ کیا چیزیں ہے؟ میں نے کہا دھوپ گھٹری ہے وقت دیکھ رہا ہوں۔ پوچھا: اب کیا وقت ہے؟ میں نے دیکھ کر کہا بارہ بج کر ۲۵ منٹ انھوں نے گھٹری جیب سے نکالی۔ دیکھا تو وقت بارہ بج کر پھر میں منٹ ہی تھا جیران ہوئے اور کہا کہ عجیب چیز ہے۔

پابندی اوقات

آپ کا دن رات کے لیے ایک خاص انفباٹ اوقات تھا۔ کیا مجال کر اس میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ اوقات نماز کے علاوہ آپ کی سیر، بیت ڈھانے، ملاقات کرنے، ورد و نظیف کرنے گھر میں بیٹھنے کے اوقات مقرر تھے۔ سمجھی

گھری دیکھنے پر کچھ فرق نظر آتا تو گھر اکر فرماتے : ارسے ادومنٹ نہ کل گئے۔
میں نے تو اتنے بجے فلاں کام کے لیے جانا مھما۔

اذان حملوانے اور فرض نمازوں کے اوقات مقرر تھے۔ کیا مجال کر سہر موافق آجائے۔ ایک وفعت قاضی عبدالاحد صاحب راپ کے برادر بزرگ خانپور تشریف لائے۔ کسی خانگی معاملہ میں کچھ بات آپ ان سے منوانا چاہتے تھے۔ اور کہا کہ یہ بات میں آپ سے ضرور منواوں گا۔ وہ آپ کی طبیعت سے واقف تھے۔ فرمایا : اچھی بات ! شرط یہ ہے کہ تم بھی میری ایک بات مانو، تب ہیں متحاری بات مان لوں گا۔ کہا فرمایشے ! ماننے کی ہو گئی تو ضرور مان لوں گا۔ کہا اچھا ! کل صبح جب تک میں نسبت میں سپنچوں جماعت نہ کھڑی ہو۔ فرمایا یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا۔ وقت کا انتظار ہو سکتا ہے آدمی کا انتظار نماز میں نہیں ہو سکتا۔ قاضی عبدالاحد صاحب نے کہا جیسے تم میری بات نہیں مانتے تو میں متحاری بات کیسے مان لوں۔ کہا : آپ کا اختیار ہے لیکن نماز کے متعلق یہ امر قابل تسلیم نہیں۔ بڑے قاضی صاحب نے یہ بات مزاہ کی بھی لیکن آپ نے سنجیدگی سے انکار کیا۔ رحمہما اللہ۔

جن دنوں آپ راولپنڈی میں خطیب تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ٹوے بھائی قاضی عبدالاحد صبح کو جب پہنچے تو نماز کا کافی حصہ ہو چکا تھا۔ آپ نے کہا یوسف حسین ! دیکھو میں کتنی دوسرے آتا ہوں اگر ذرا انتظار کر لیتے تو کیا عرج تھا ؟ آپ نے کہا وقت ہو جائے تو پھر کسی کا انتظار نہیں ہو سکتا۔ آپ ذرا سورے آنے کی گوشش کیا کریں۔ یہ پادر ہے کہ قاضی عبدالاحد صاحب آپ کے استاد بھی تھے۔

علم مقادیر وغیرہ

آپ کو تحقیق کا خاص مادہ دعیت کیا گیا تھا۔ آپ جس چیز کو لیتے اس کی کہنا تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ اوزان ربانی خصوص شرعی اوزان کے متعلق آپ کو ایک خاص قسم کا شف تھا۔ چنانچہ آپ کی تصنیف "زبدۃ المقادر" اس امر کی شہادت ہے۔

مولوی عبد العزیز میں فاضل ادیب روحانی یونیورسٹی علیگڑھ میں چیزیں تجربہ بھی رہ چکے ہیں) جس زمانہ میں ایڈورڈز کالج پشاور میں پروفیسر عربی تھے، مولوی میر عالم در حرموم کا کوئی ان سے عربی ادب کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ میں صاحب کسی بڑے سے بڑے عالم کی علمیت کے قائل تھے: ہولانا ابو ابرکلام آزاد کے متعلق بھی فرمایا: ماں غلطی نہیں کرنا۔ اس پر مولوی میر عالم صاحب نے قاضی صحت کا نام لیا اور کہا آپ کی اُن کے متعلق کیا رائے ہے؟ بھائی ان کو تو میں مانتا ہوں۔ ان کو میں نے دہلی میں کامل مدرسہ پڑھاتے دیکھا ہے ان کی قابلیت کا شاہکار زبدۃ المقادر اور حب آپ کے عبد العزیز میں کے متعلق پوچھا تو فرمایا اچھا ذہین طالب علم تھا جب دہلی میں زیر تعلیم تھا۔ قیاس یہی ہے کہ عبد العزیز صاحب آپ کے شاگرد تھے۔

رائز الحروف نے مرحوم کوہہ میں تیار ڈالتے اور بڑی اختیارات سے بنتے اور پھر میں ڈالتے اور ان کو شمار کرتے دیکھا ہے۔ آپ نے تین اور مٹی کے مذہبیوں سے ہونے تھے۔ اور اسی مذہب سے صدقہ فطرہ ادا کرتے۔ ہمارے گھر میں اب تک وہ مستعمل ہے۔ آپ نے یہ تدریس محمد اسماعیل ٹونکی سے حاصل کیا جو مذہبیوں سے تیرھواں مذہب تھا۔ چنانچہ آپ اپنی تصنیف "دعوۃ الحق" (عربی)

میں لکھتے ہیں۔

”اعطانا هذا المَّسْتَدِ الْمُسْتَدِي بِأَبِيهِشْرِ مُحَمَّدِ الْمُسْعِلِ التَّوْنِيِّيِّ
وَهُوَ ثالثُ عَشْرِ مَنْ مَدِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا زَعَمُوا۔“
آپ نے ”دُعَوةِ الْحَقِّ“ کے صہیروں کی شکل پورے طور پر بنادی جسے دیکھ کر
ہر ایک شخص میرنبوی بنو سکتا ہے۔ آپ نے میرنبوی کا وزن رتبیوں میں (۵، ۵، ۲۵)
یا رتبہ (۳۰۰۳)، یا رتبہ (۲۰۵۰) لکھا ہے اور آخری وزن کو اقرب الی الصحة قرار دیا
ہے۔

نوٹ : چونکہ ”دُعَوةِ الْحَقِّ“ پر آپ کا نام نہیں لکھا گیا۔ اس لیے یہاں یہ
ظاہر کرنا بے جا نہ ہو گا کہ تین کتاب مذکورے ظاہر ہے کہ ”دُعَوةِ الْحَقِّ“ آپ
ہی کی تصنیف ہے۔ چنانچہ صہیروں پر آپ لکھتے ہیں : تنبیہ - قد و قع
الخطاء في المقاصير الهندية التي اثبتت في آخر "زربدة المقاصير"
في أوزان السرير والمقاتل وما قبلهما وما بعدهما - والحاصل
ا ثبت لهم ناد الله اعلم - چونکہ ”زربدة المقاصير“ یقیناً آپ کی تصنیف ہے
جس کی نسبت یہاں لکھتے ہیں کہ میں نے آخر زربدة المقاصير میں جو لکھا ہے
تو ظاہر ہوا کہ یہ ہر دو کتب ایک ہی مصنف (فاضل ابوالمسعیل یوسف حسین) کی
کی ہیں۔

آپ کو علومِ رمل و جغرافیہ بھی بیرونی حاصل تھا مگر بر بنائے تفسیر و تحقیق
شکر بر بنائے اعتماد دیتیں۔ اسی طرح علم بہیئت میں وسعت نظر تھی غیر معمولی
میں بھی مرکبِ کمال تھا۔

وہی میں آپ ایک دفعہ اجات کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے ایک
صاحب تھے ایک آدمی کا نام لکھ کر آپ کو دیا اور کہا کہ ان صاحب کا حلیہ ذرا
بیان فرمائیں۔ آپ تھے ہیں کہ میں نے اس شخص کا حلیہ سرے پاؤں تک مفصل بیا-

کیا اور آخر میں کہا : اور اس کی دلائلی : جیسے کوئے کی پنجی میں ہڈی "اس پر تمام مجلس کھلکھلا کر تھیں پڑی۔ فرماتے : میں نے جو پنجھے مذکور دیکھا تو وہ صاحب ہیں تشریف فرماتھے۔ اجابت دیرنگ پہنچتے رہے۔

خانپور میں ایک غریزی نے آگر آپ سے کہا : چھا صاحب ! خدا نے ایک لڑکا دیا ہے جو فلاں وقت پیدا ہوا ہے۔ آپ زاٹچ بنا یا کرتے ہیں۔ ذرا اس کا زاٹچ بھی بنادیں کہا، اپھی بات سکی وقت بن جائے گا۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو گھر میں کہا کہ اس کا لڑکا بیکنے والا معلوم نہیں ہوتا۔ میں کیوں بلے قائدہ تکلیف کروں۔ یہ جواب محض اس کی تسلی کے لیے دیا تھا۔ دوسرے روز وہ بچہ مر گیا۔

آپ اور حن

جن بھی آپ کے تابع تھے کیونکہ آپ عامل بھی سمجھے بھی کو جتنی پڑھ ہو جاتی تو آپ کی طرف رجوع کرتے۔

(۱) ایک دفعہ موضع سرا دھنا کا ایک عمر شخص رجقا ضی خود صاحب کے ملنے والوں میں سے تھا، آپ کے پاس آیا اور کہا کہ میری لڑکی کو جتنی پکڑ ہے۔ وہ اس صیبت میں بدلا ہے۔ اس شخص سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ وہاں تک تشریف لے چلیں۔ اور کچھ کریں۔ گھوڑا سواری کے لیے بھی لا لیا۔ جس وقت روانہ ہونے لگے تو اس سے کہا کہ میرا جانابے قائدہ ہے۔ وہ جن تو اسے چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اس نے پھر اصرار کیا کہ آپ ضرور تکلیف کریں۔ اپنے برادر مرحوم کے تعلق کی وجہ سے اس کی دلداری ضروری سمجھی۔ لیکن جب اس گاؤں میں پنجھے تبعیل کے لوگوں نے کہا کہ آپ جس وقت خانپور سے روانہ ہوئے ہوں گے

اسی وقت وہ جن مرضیہ کو چھپوڑ کر جا چکا تھا۔

(۱) اسی طرح راجہ جہانزادہ خاں سر حوم کی دفتر نیک اختت کے گھر میں (جو آپ کی رضائی ہمیشہ تھیں) ان کی ایک لازمر کو جتنی بیکٹر ہو گئی۔ ایک لازمر آپ کو بلانے آئی۔ اس مکان میں پھر میں کی سیر ہی پر چڑھ کر جانا پڑتا تھا۔ جب اس سیر ہی پر چڑھنے لگے تو اس طازم سے کہا کہ وہ جن تو چلا گی۔ جب اندر پہنچے تو گھر والوں نے کہا کہ جب آپ سیر ہی پر چڑھ رہے ہوں گے جن مرضیہ کو چھپوڑ کر چلا گی۔ آپ نے کہا مجھے اس طرح خبر دیا کہ وہ جن کو نہ رکھ لے کہ تم مجھے بولا رہے ہو۔ تب میں کچھ کروں۔ دوسری مرتبہ جب وہ لازمر ہپر بیکلہ ہوئی تو گھر والوں نے چلکے سے چوتھے کمرہ میں جا کر ایک لازمر کو سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ تھی قاضی صاحب کو بل لاؤ۔ اور اس طرف سے لانا تاکہ سامنے سے انیں جن دیکھ دیکھنے کے چنانچہ جب آپ ایک دم اس کمرہ میں پہنچے جس میں مرضیہ تھی تو جن گھبرا کر بولنا اور ہو! ان کو کیوں بلا لائے؟ آپ نے کہا: مجھے جانتے ہو؟ اسے چھپوڑ دو۔ اگر تم پھر آتے تو تھاری خیر نہیں۔ جن بولا بہت اچھا جناب! میں جاتا ہوں، پھر کبھی نہ آؤں گا۔ آپ نے گھر والوں کو کہا کہ اس مرضیہ کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ دو۔ خیر! جن تو چلا گی۔ لیکن آپ نے کہا کہ یہ عجیب قوم ہے جاتے جاتے اگر اس مرضیہ کا سرزور سے چار پانی کے سیر دا پردے مارتا اور اس کا گام ہی تمام کر دیتا تو یہ کیا کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ دو پھر اس لازمر کو یہ شکایت کبھی نہ ہوئی۔

(۲) موضع سنجف پور جو خانپور سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے (آپ کے والد سر حوم کے ایک مخلص مرید کی نوجہ اس مصیبت میں گھنٹا رہ گئی کہ جن اُسے اٹھا کے جاتے اور پہاڑوں کی خطرناک اونچی اونچی پوئیوں پر کھڑا دل

کے پاس بھادیتے جہاں وہ سخت خوفزدہ ہوتی یا اسی طرح کمی اور پچھے درخت کی چوٹی پر لے جا کر بھادیتے سخت پریشانی کا سامنا تھا۔ آپ سے اس کی کیفیت کا ذکر کیا گیا تو آپ نے اسے ایک وردتاپا اور کہا کہ اس کے پڑھنے کے بعد جن تمحیں کسی اونچی جگہ پر لے جائیں گے۔ اور وہاں کسی بھل رملًا سیدب یا انار کے دو دانے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ ان میں سے کونا دنات تھیں پسند ہے وہ لے لو۔ تم بالکل نہ گھرا نہیں اور کہنا کہ میں چھوٹا دانہ لوں گی۔ وہ کہیں گے کہ یہ بڑا اچھا ہے یا نہ لے لو۔ تم بغیر کسی شوف کے کہنا کہ نہیں میں چھوٹا دانہ ہی لوں گی۔ اس پر وہ تمحیں دہاں سے گردیں گے لیکن تمحیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ پھر خیر ہو جاتے گی۔ چنانچہ جن اُسے ایک شہوت کے درخت کی چوٹی پر لے گئے۔ رجوان کے مکان کے صحن میں تھا، اور دبھل پیش کر کے بڑا دانہ لینے کی بدایت لیکن اس نے چھوٹا دانہ ہی لینے پر اصرار کیا تو اُسے دہاں سے جھٹکتے ہوئے اور کھتے ہوئے کہ پھر یہ لو! اگر ادا یا۔ وہ بغیر کسی تکلیف کے صحن میں پہنچ گئی۔ اور اُسے ہمیشہ کے لیے اس مصیبت سے نجات مل گئی۔ راقم الحرف نے وہ درخت ان کے صحن میں خود دیکھا تھا۔ جس کتاب میں وہ ورد منقول تھا بغداد جاتے ہوئے جہاز میں بمح دیگر اشیاء چوری ہو گئی جس کا ذکر اور پر آچکا ہے)

(۲) آپ کا ایک مخلص شاگرد: رخانپور میں قیام کے آخری دنوں میں آپ کے شاگردوں میں سے ایک صاحب بہت ہی مخلص اور خدمتی تھے۔ وہ اکثر آپ کے پاس مکان میں رہتے۔ جس میں قاضی صاحب اکیلے رہتے تھے۔ اور خدمت میں کوئی کسر امتحانہ رکھتے تھے۔ آپ ان سے بہت خوش ہوئے قبل ازاں وفات آپ نے اُن سے کہا کہ میں اب چند روز کا مہمان حعلوم ہوتا ہوں۔

اس لیے ایک جن تھارے پر دکتا ہوں جو بوقت ضرورت تھمارے کام
کرنے گا۔ اور اگر تھیں کوئی مشکل کام درپیش ہو تو تم اس سے استفادہ کر سکو گے
چنانچہ ایک جن ان کے حوالہ کر دیا گیا اور ان کا نام بھی انہیں بتا دیا۔ وہ
جن مولوی صاحب کے گاؤں۔ کے قریب ہی ایک غیر آباد جگہ میں سکونت
پذیر تھا۔ اس جن نے مولوی صاحب کو ایک جگہ کی نشاندہی کی اور کہا کہ جب
کوئی کام درپیش ہو تو یہاں آ کر مجھے نام سے پکانا تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔

قاضی صاحب کی دفاتر کے بعد مولوی صاحب موسم گرمی میں اپنے
مکان کے کمرے بندر کے صحن میں بعہ اہل دعیال ایک رات سونے پڑیں
اٹھ کر جب کمرے کھولے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مکان میں پشت کی طرف سے
نقب لگی ہوئی ہے اور تمام اثاثہ غائب ہے۔ چور بالکل صفائی کر گئے ہیں رخت
جیران و پریشان ہوئے۔ مولوی صاحب کو بیاد آیا کہ اسٹاد صاحب ایک جن جو
میں کر رواز کر گئے تھے۔ اسے جا کر دیکھوں۔ شاید کام بن جائے۔ چنانچہ انہوں
نے لمحی سے اس واقعہ کا ذکر نہ کیا اور نہ ہی تھنا کا رخ کیا سیدھے اس فیزادہ
کی طرف دوڑ پڑے اور اس جن کا نام لے کر آوازیں دینا شروع کر دیں بھتوڑی
دیر کے بعد وہ جن حاضر ہوا۔ اور پوچھا کہ کیسے آما ہوا؟ مولوی صاحب نے کہا
رات کو ہم باہر چون میں سوئے ہوئے تھے۔ مکان میں پیچھے سے نقب لگی
ہے اور چور گھر کا کل اثاثہ لے گئے ہیں۔ اس نے کہا فکر نہ کریں۔ آپ والپیں
گھر چلے جائیں۔ مولوی صاحب والپیں آگئے اور دیکھا کہ ایک گھنٹہ کے اندر
آن کے سامان کی گھٹریاں بند ہی بندھائی مکان کے کمرہ میں موجود ہیں۔ کھول
کر دیجاتا تو کوئی چیز مال مسدود نہ پاتی۔

کچھ عرصہ بعد جب اس جن سے مولوی صاحب ملے تو اس نے کہا کہ

میں بیمار ہوں، بسکنے کی امید نہیں۔ یہ میرا بیٹا ہے اور اس کا یہ نام ہے۔ اگر میں سر جاؤں تو آپ بوقت شفوتِ اسی جگہ اُگر اس کا نام لے کر بچاریں تو وہ آپ کا کام کر دیا کرے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بیٹا بھی مولوی صاحب کے کام آیا۔ لیکن اس کے بعد مولوی صاحب نے اسی مقام پر جا کر اُسے پکارا۔ بڑی آوازیں دیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ شاید وہ بھی فوت ہو گیا ہو۔ (پھر یہ سلسہ منقطع ہو گیا) یہ واقعات مجھے غلام سیکھی مرحوم خانپوری نے سنائے تھے۔

قاضی صاحب کا ملکہ اجہما

حافظ محمد رمضان صاحب مرحوم راستا مکرم راقم المخدوف) ایک مرتبہ سرائے صالح تشریف لائے۔ آپ کے والد مرحوم رفاقتی محمد حسن صاحب) حافظ صاحب کو خانپور لائے اور وہاں ان کا وعظ بھی کرایا۔ بڑے شیریں بیان واعظ تھے اور حضرت عبد اللہ صاحب غزنوی کے فرزند عبد اللہ بن عبد اللہ پشاوری کے شاگرد تھے۔ ان دونوں قاضی صاحب سخن پڑھ رہے تھے۔ آپ کے والد صاحب کی استدعا پر حافظ صاحب نے آپ کا امتحان لیا اور فرمایا یہ بچہ انشاء اللہ ایک وقت بیکاٹے زمانہ ہو گا۔ چنانچہ جب آپ کا رسالہ اتمام الحشو بوضع الیعنی علی الشمال بعد الرکوع "عمربی" طبع ہونے کے بعد حافظ صاحب کے پاس پشاور میں بہنچا اور راقم المخدوف نے رجوان دونوں آپ کے زیر تعلیم تھا، آپ کے حکم سے پڑھ کر نایا تو فرمایا، اس میں شک نہیں کہ یوسف حبیب مجتهد ہے اور اس موقع پر امتحان مذکورہ بالا کا بھی ذکر فرمایا۔

ایک مرتبہ آپ کا پشاور جانا ہوا۔ وہاں مسلم سراسیا میں ایک مسلم میں

آپ کی گفتگو راستا ذی) حافظ عبد القادر صاحب سے ہو گئی۔ جو کافی دیر تک جاری رہی۔ والدہ خاکسار قاضی محمد صاحب بھی موجود تھے لیکن انہوں نے ان کی بحث میں دخل نہ دیا۔ بحث اس مسئلہ پر تھی کہ گھڑتی سونا چاندی کی رکھنا جائز ہے یا نہ۔ حافظ عبد القادر صاحب ناجائز قرار دیتے تھے اور قاضی صاحب اس کے جواز پر مصروف تھے۔ فرمایا: چاندی کی تو بات ہی نہ کریں۔ علیکم بالفضلة خالص جوابها۔ سونے کی گھڑتی رکھنا بھی جائز ہے۔ کیوں کہ یہ زیور محتوا ہے ای یہ تو وقت دیکھنے کا آنکہ ہے۔ حقیقتی وعات مضبوط ہو گی اتنا ہی گھڑتی صحیح فتنہ ہے۔ اور سونا سبے مضبوط وعات ہے۔

وہاں سے اٹھ کر ہر سہ حضرات حافظ محمد رمضان مرعوم کی ملاقات کی خاطر آپ کی مسجد میں پہنچے۔ والدہ مرعوم نے حافظ صاحب سے کہا کہ عبد القادر اور یوسف حسین ایک مسئلہ پر جھگڑا رہے ہیں۔ آپ ان کے درمیان فصل فرمادیں حافظ صاحب نے فرمایا: میں پوچھتا ہی نہیں کہ مسئلہ کیا ہے۔ بغیر پوچھے میر افضل یہ ہے کہ جو کچھ یوسف حسین کہتا ہے وہ صحیح ہے۔ اور جو کچھ عبد القادر کہتا ہے وہ غلط ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ یوسف حسین مجتہد ہے ریا یاد رہے کہ حافظ عبد القادر صاحب حافظ محمد رمضان صاحب کے شاگرد تھے۔

آپ کی اسی تصنیف "اتعاہ الخشوع" کے متعلق بعض اجابتے مولانا محمد بشیر سوسوائی مرعوم سے کہا کہ اس کتاب کا جواب لکھنا ضروری ہے تو آپ نے فرمایا: اس کا جواب لکھنا کوئی حلا محتوا ہی نہ ہے۔ گویا آپ نے اس کے تدلیل ہونے کا ایک طرح اعتراف کیا۔

آپ کے مکمل اجتہاد کی مزید تائید آپ کے "ممتازات" ہے ہو گی۔ جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

آپ کی آزادی طبع

آپ کی طبیعت میں آزاد رہنے کا مکمل جعلی تھا۔ اس لیے کسی خاص کام کی پابندی جس میں کسی کے ماتحت رہنا پڑے آپ کو منظور نہ تھی۔ جعلی میں آپ کو کارچ کی پروفیسری پیش کی گئی۔ لیکن آپ نے اس پیشکش کو یہ کہ کر ٹھکرایا کہ میں اپنی آزادی میں خل نہیں ڈالنا چاہتا۔

دورانِ قیام خانپور ایک خاص فاصلہ جعلی سے مدرسہ رحمانیہ میں فرانسیں تدریس انجام دیتے کی دعوت لے کر آیا۔ لیکن آپ نے معدالت کر دی۔

راجہ منوچہر خان (روحوم، متوفی ۱۳۴۰ھ ولد احمد جہانزادہ حرامی)
 خانپور میں قیام کے آخری ایام میں علاوه دیگر اصحاب کے راجہ منوچہر خان نے آپ سے ترجیمہ قرآن پڑھا جو اس سے کے بعد توحید اور اتباع سنت میں رضا پختہ ہو گیا بلکہ مبلغ بھی جن گیا۔ انہا بڑا ذہین کیوں کہ ایک بڑے خاندان کا ذہن تھا ایک سرتاسر صاحزا وہ بعد القیوم صاحب۔ وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد کی مجلسیں میں کوئی خاص مسئلہ چھپڑا تو راجہ منوچہر نے ایسی تقریر کی کہ صاحب زادہ صاحب جو خود بھی ایک بڑے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، بہت جبران ہوئے اور کہا: منوچہر ایسا ہے جو تم نے کہاں سے سکھیں؟ راجہ منوچہر خان نے کہا: یہ باتیں میں نے اپنے اتنا صاحب سے خان پور میں سکھی ہیں۔ جن کی نظر ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ صاحزا وہ صاحب قائل ہو گئے۔

آپ کے آخری ایام علاالت میں اس شاگردِ شید نے آپ کی خدمت اس احسن طریق سے کی جیسے ایک بہت ہی فرمان بردار اور تابع دار بیٹا اپنے واللہ کی حکیم سے گا۔ اور آپ کی دفاتر کے بعد بہبود حکم رہا یہ رہا یہد الا ضحی کے

موقع پر ہر سال آپ کی طرف سے قربانی دیتارہ - جن اہم اللہ در حم علیہ امین

آپ کی شاعری

بچپن میں آپ کے والد مرحوم نے ایک مرتبہ ایک شعر لکھا۔ آپ ان کی پیٹھ پیچھے کھڑے تھے۔ والد صاحب بھے کہا کہ اس مصروف میں یہ لفظ اس جگہ اور دوسرا اس جگہ ہو تو بہتر ہو گا۔ یعنی تقدیم و تاخیر کا کہا۔ انھوں نے غور کیا تو اُسے بہتر اور صحیح پایا۔ اور فرمایا کہ یہ میرا بیٹا شاعر ہو گا۔

چنانچہ آپ عربی، فارسی، اردو و تینوں زبانوں میں شرکتے ہوئے قیام بغداد میں عربی نظمیں لکھیں۔ اہل بغداد نے یہ رائے دی کہ آج تک اس دیوار میں آپ کے مقابلے کا شاعر عربی زبان میں نہیں۔ عربی علم و ادب میں آپ کو تجویز حاصل تھا۔

دہلی میں آپ مشاعروں میں حصہ لیتے رہے۔ ملامہ اکبر الداہبادی کے ساتھ مشاعروں میں شرکیک تھے۔ ان دنوں آپ کی نظمیں ادبی رسائل و اخذدا میں شائع ہوتی رہیں۔

برادرم عبد الرحمن نے آپ کو گنور میں لکھا کہ آپ اپنے اشعار کے کچھ نوئے ارسال فرمائیں۔ اس کے جواب میں آپ نے اپنے خط مورخہ ۱۹۱۵ء مارچ شمسی میں لکھا۔ اما بعد۔ پس واضح ہو کہ میری کے اشعار بے شمار تھے۔ ایک جلد شروع کی توجیل گئی۔ اس کو جعلے ہوئے مدت ہٹوٹی اور بہت سے اشعد کتابوں کے آخریں پچھے اور بہت سے مشاعروں کے رسالوں میں پچھے۔ کچھ "شخنشہ ہند" کے پرچوں میں پچھے تھے۔ یہ تھوڑے سے ایک شخص کے پاس پچھے ہونے لئے ہیں۔ ان میں سے نقل کر دا کر بھیج جاتے ہیں رشوف

میں بھروسہ لور لفوبہت ہوتا ہے۔ میں نے مدت سے اس مشغلوں کو کم کر دیا ہے۔ کیونکہ گناہ بے لذت ہے۔ نتیجہ کچھ نہیں ہے۔ الی آخر پڑ آپکے اشعار کے کچھ نوئے ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

(۱) حافظ حمید اللہ صاحب میرٹھی کے مترجم و مختصر قرآن مجید کی تاریخِ عبادت کے چند اشعار یہ ہیں

ہم تراجم باحاشی دیدہ شد بے انتہا
ہم دماں بسیار تفسیر قرآن بنگاشتد
رطب و یابس رانبو دازیکد گرچیز تیز
حق و باطل بود باہم سپور زاغ و طوطیا
بندہ راسخ ادا نہیں راهِ اقیسا
صیف خوان حصطفہ الشمع طلنی اولیاء
ناصح تحقیقیاں دوز از راه تقلیدیاں
شیخ راہ سنتیاں نورِ سبت ان ہدا
آں حمید اللہ فرط زمرة اہل حدیث
وقف الموارِ سلف در راہِ سنت جبہ سا
آں چنان بروش تفسیرے کوشاف بکیر
پیش آں کشکوں در دستند و مقصد بینوا

(۲) "المحکوم الملطیف" دربارہ اجازہ عامہ از جامب میاں صاحب تیہ
نذر جسین دہلوی کی تاریخِ البیع میں ایک لمبی نظم سے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔
خرابہ دل تعلیمیاں نشد معمور کہ نیت ہدی بنی رابر اس خرابہ عبور
ز نمیش اقیہ ترند زمرة ہائے نصوص کرہیکپس نگرایم بجبا نہ زیور

مثال زمرة آرایہ پیش تخلی نور طودہ طور ! ا
چنانکہ پیش تخلی نور طودہ طور ! ا

خلاف حکم پیغمبر حب اطاقوال
کے کند کہ ندار ولیمین بعث و نشور
زمانہ بگذشت اندریں خیال غسل

لیکا یک آمدہ ابر مطیر دین پر ہدایت
نہود ز آئینہ ہائے نصوص زنگ قیاس
چنانچہ احمد بن امی در دین پر شہر مفرور
جدا نمود بمعیار حق کمال و فتوح

ز غرب تا مشرق و راست صیحت بلند
دل منور او کردہ ستر ک رامقور

ہر کچھ در حق اہل عبادت در قرآن
ہمانست در حق ایں شیخ عالمین مطر

اہم اہل قرآن و حدیث و فقہ و کلام
بہ کو و صرف و معانی ز مخشری را شیخ
خلیل نزد سجاد لغات او عصفور
پو عقبہ بوں در اوت بوعالی سینا
بر سرہ علماء اش حپڑا کنم مذکور
اگر بدے نو دی زندہ در نمازہ او
ز جھپٹ شیخ بدے نہم سینہ اش نامور
(ر ای آخرہ)

(۳) نواب صاحب بھوپال کی کتاب "فصل الخطاب" کی تاریخ طبع میں لکھا

آفتابِ مجید نور خپتن
حضرت نواب صدیق الحسن

حاوی فضل خلافت ذوالعلا

کیا عجب تحریر کی فصل الخطاب

فضل آیات و سوریں وہ لکھا

اہل سنت کے لئے حرمتین
دفع آفتی میں باز حسن حسین

(۴) گنگوہ کے متعلق ایک مزاجیہ رباعی :

استاد مطبع شاگردانش
شاگرد فضیحہ جو شے استادانش

گنگوہ دریں کمال بے مثل آمد
صارم مجرابو شے آبادانش

(۵) اپنے دنوں بڑے بھائیوں کے متعلق لکھا:

ابن تیمیہ و ابن قیم دوران برادران من انزو حیاتِ شال باقی

من حقیر کر یوسف حسین نامندش تو گفت کہ ہمیں بس زکرہ اس باقی

(۶) اپنے بڑے بھائی قاضی عبدالاحد صاحب کی درج میں پسخت توثیق لکھا۔

للمولوی عبدالاحد العلیم الحـ کیم صاحب

ش شاہ ثاہاں صاحب بذل جزیل ی یاغفور المذنبین نامت جمیل
خ خیس خاہم مریا در راز تو ی یُیکن بروے عیاں نعم الوکیل
ع عالم تعلمه و حیر حسیل! ب بارع تکلیم توف ضل نبیل
د دارِ نبیاد دین احمدی د از زبان ڈرفشاں شد خلیل خلیل
ل لاجرم پیانیش رخشندہ میں د اب شہر خانپور کش در جہیں
ح حاضران محبن د کش سخوم! د در تخلی بیع سیارہ رویں
ص صابر از خرم بركات او د اویں نوبت ببارک خوش چین
ح حاکم از لی که روز رستیزرا! ب برسن ملکین کند فضل تین
راس نظم کے مصروع کے اوائل حروف بالترتیب پڑھنے سے شجی
عبدالاحد صاحب "نکلے گا۔"

(۷) اور اپنے دسرے بڑے بھائی قاضی محمد صاحب کی نسبت اسی سمعت
میں عربی میں کہا:

لشيخ الزاہدِ فی الْاَحَدِ القاضی محمد صاحب

ق قد احباب الناس کلهم علیٰ وَأَنَّ الْهَدْیَ هَدْیُ النَّبِیِّ المُجْبَرِ
ض ضابطُ الْخَبَارِ مَنْ خَفَعَتْ لَهُ ی یادِ اعناقِ الورثی مَنْ آبَیَ
۱ أَسَسَ البَیانَ مِنْ سُنْنَ النَّبِیِّ ل لم یاک جهداً ساختاً فی المصطفیٰ

ق قارئ اذان مسمى الخالقين من ضارب اهناق افهام العبد
 ا امرتقوون الحديث اسردته تتكذبون على صهيون الهملا
 د امرت عتم اندفعت فقه ل لسان ولا تمي خواهه
 ب بالسلام عليه واحذر سركا تم سرتنا الخلاق عالم ما نو
 ق قل فياصابر لست بكاذب ط طعم الهدى ذق راضيا

(قاضى القضاة البرقط)

(۸) ایک نظم بصنعت توشیح در درج ابوالولیں احمد حسن شوکت صاحب لکھی جس میں پہلے مصروع کے ابتدائی اور آخری اور دوسرا مصروع کے ابتدائی حروف بالترتیب پڑھے جائیں تو شیخنا ابوالدریں احمد حسن صاحب مجدد وقت شوکت مصلح السنۃ مشوقیہ مددۃ اللہ "نکتا ہے۔ یہ نظم رسالہ پروانہ" وہی کی جلد ۳ لے باہت جنوری ۱۸۹۸ھ میں شائع ہوتی۔
 (۹) مولیانا سید عبد الجبار غزالی مرحوم کے مرثیہ کے چودہ اشعار میں سے پانچ ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

عَيْنَكَ جَارِنَ الْبَشُورِ وَرِيقَ فِي ظُلْكَ	من الغامر وقد جارتكم طيبات
لَعْنَ الْأَمَامِ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ مَهْنَهْ	واستقبلته من الرحمن جنات
وَكِيفَ لَا وَمَامِ الْمُرْسَلِينَ لَهُ	جَذَّلَهُ مِنْ هَشَّاتٍ وَبَشَّاتٍ

و قد غلت ارض امorte سرکقبة لاحق نیہا وللآخر ان قاربات

یاویح یوسف حین المستريح مهنى داشت لمرتضی منک البریات
 (۱۰) زبدۃ المقادیر کے آخر میں آپ کی چار طویل عربی نظمیں درج ہیں جن میں

سے پہلی فی الذب عن الفاضل المدقق المودع محمد بشیر السہسوانی ”
۲۲، اشعار پیشتل ہے جن میں سے چند درمیح مولانا موسوی یہ ہیں۔

دُلِّ عهودِ المکوماتِ مع الفَیْرِ	اخوا همَّةِ الْعِلیَا اصیلِ مَحْکَمٍ
وَبَیْنِ اصْاحِیبِ الْمَدَائِیَةِ ذُوبِرِ	شَدِیدِ عَلَیِ الْفَضْلَةِ غَائِلًا
وَلَیْسَ عَلَیِ سَرْزَعِ الْمَنْذَلَةِ ذَا خَبِیرِ	صَبُورٌ عَلَیِ الْبَاسَارِ وَالضَّرِّ التَّوَرِ

ایا جبْلُ الْعَبْرِ هَدِیَ الْبَرِّ وَالْجَرِ	محمد بشیر السہسوانی ذوالعلا
وَفِی ذَرِ عَدْسَرِ وَفَوَّهِ اخْوَدِ	وَفِی بَلْدِ الدَّهْلِیِّ هَوَ الْعَلَمُ وَتَقِیٌ

بَوْتِ اَمَّامِ الْعَصْرِ مُغْتَبِدِ الدَّهْرِ	بِمَطْلَعِهِ لَامِ الْكَمالِ النَّذِی فَتَی
فَنْذِیرِ حَسِینِ الدَّھْلَویِ اِلی الْبَغْرِ	مُجَدِّدِ دِینِ الْحَقِّ مُجِیْعِ مَوَاقِتِهِ
لَخَیْرٌ صَحَابِ الشِّیَخِ فِی نَادِیِ	وَهَذَا بشیر السہسوانی شیخنا
اَخَا الرَّأْیِ کَلَّا اَنْهَا مِنِ الْعَجْرِ	اَمِنِ دُونِ عِلْمِ النَّقْلِ يَغْلِبُ خَمِیْمَهِ

فِی الْسَّہسوانیِّ اَبْشِیرِ لَقِیْلٍ	الْقَلِیْلِ مِنِ التَّقْریِیْظِ مَمْقِیْلٍ عَلَیِ عَذْرِیْ
---------------------------------------	--

فَوَاللَّهِ اَنَّ الْجَرْحِیِّ الْعَلَمُ عَنْدَنَا	وَمَا عَلَمْنَا الاَکْفَرُ مِنَ الْجَرْحِ
اَسِیْ کِتابِ کے اخیر میں ایک جامِنِ نظم کے چند اشعار جن میں اپنے طن	(۱) کافر اور دلوں مجاہیوں والدار و بزرگان کی تعریف ہے۔ چند اشعار اس نظم کے یہ ہیں۔

اَبْعَدْتُیْ عَنْ مَوْطَنِیْ وَقَبِیْلِیْ	اَنْ هَذَا الْاعْظَمُ النَّاسِبَاتِ
---	-------------------------------------

هي فain المحيص عن سوالي
عن عمود الحمى وعن امهاتي
لـتـ الطـاهـرـاتـ والـاخـواتـ
خـانـقـورـ العـلـيـةـ الـعـبـاـتـ
بـحـجـاـ صـاحـبـيـ جـنـاـ المـحـنـاتـ
وـكـلـاـ الخـافـظـيـنـ رـأـسـ الشـاقـاتـ
طـالـبـ الحـقـ مـسـلـحـ المـحـكـمـاتـ
كـالـسـلـحـ المـشـيرـ " " بـ
كـلـاـ منـ حـصـلـ المـثـرـاتـ
قـامـ بـخـلـلـةـ نـاـشـرـ المـكـرـمـاتـ
ماـهـاـ يـشـيـانـ بـالـبـيـنـاتـ
أـلـىـ بـلـىـ بـأـفـصـحـ الـكـلـمـاتـ

هوـتـ الرـيمـ فـيـ كـانـ سـجـينـ
بـعـدـتـيـ عـنـ كـلـ مـاـهـواـةـ
وـعـنـ الـاخـوةـ الـكـرامـ وـعـنـ خـاـ
وـعـنـ الـجـنـةـ الـزـهـيـةـ اـعـنـيـ
فـسـيـدـ اـلـمـنـيـرـ تـجـلىـ !
وـهـوـ عـبـدـ الـاـحـدـ أـخـوـهـ مـحـمـدـ
وـأـخـيـ كـلـ وـلـدـ مـنـ حـمـاـ يـاـ
وـمـحـمـدـ حـسـنـ اـبـوـنـاـ لـمـرـىـ
فـرـيـقـ السـوـاـرـ وـالـاـهـنـ اـمـاـ
ثـمـ هـذـاـ الـيـاهـرـ مـاـ تـوـيـ فـ
مـارـىـ هـذـىـ يـاـكـتـلـهـاـ فـ
بـرـهـنـاـ كـلـ مـعـضـلـ التـقـلـ بـالـعـقـلـ

الـحـسـيـبـ الشـيـبـ ذـاـبـاـقـاـبـتـ
شـيـعـ الـاسـلـامـ سـابـقـ الـخـيـرـ
وـالـغـرـبـ جـاـوـذـ الـخـالـدـاتـ
وـلـاـ بـشـيرـ مـنـ بـعـذـىـ الـعـبـرـ
سـنـرـ الـحـقـ مـوـضـعـ الـبـيـنـاتـ
يـنـصـمـ الـخـلـقـ يـنـشـرـ الـكـرـمـاتـ
اـسـتـخـلـفـ الـقـوـمـ مـلـيـعـ الـبـرـكـاتـ
بـاـيـيـ الطـيـبـ الـمـكـنـ يـسـوـاـقـ

ثـمـ فـيـ هـذـاـ الـمـصـيـبـ الـفـيـتـ
سـيـدـ الـقـزـهـ رـايـ نـذـيـرـ حـيـنـ
طـبـقـ الـأـرـضـ بـالـهـدـاـيـةـ شـرـقاـ
مـاـ وـجـدـنـاـ كـتـلـهـ مـنـ نـذـيرـ
فـيـ بـلـادـ الـهـنـدـ اـسـتـقـامـ وـأـجـيـاـ
شـيـخـ فـيـ جـمـيعـ خـيـرـ وـبـرـ
ثـمـ لـمـ اـتـوـيـ فـيـ الـحـبـرـ هـذـاـ
ذـاـ الـسـاـشـمـسـ الـحـقـ عـدـلـاـ كـوـيـاـ

وهو عبد الجبار خير البدار	ولنا في التقى امام جليل
غز خويون هاشميون غات	وله لغوة سكر معدول
ذاكرى حول حافظ اللذات	اليهم تلقهم ركوعا ساجودا
مصلحوا السما وعلوا الصالحة	كلهم اولياء الله حقا
ذائم الذكر واهب الجنات	وابوه عبد الله المصفى
نقى الله حائز البركات	مركز العسل منبع الحالم حقا

ذلك الحمد والثناء قد يعما
وحدثنا يا خاق المكاشاف

(۱۶) اپنی والدہ کی وفات کی خبر گھوڑ میں ریا (ہلی میں) "تاریخ وفات جناب
والدہ رضی اللہ عنہما" لکھی جو حسب فیل ہے۔

تیراے چرخ جو دبار کو چالاں ہو گا	شورشیں حشرے کیا کم میرا فناں ہو گا
ویکھ لینا ہفت نالہ سوزال ہو گا	میں غریب الوطن اس پریمروت تیری
یہ نہ سمجھا کہ مجھے یاں امم جاں ہو گا	عالم قدس کی رونق کی تجھے خواہش بختی
عالم آباد سبھی شہر خوشائش ہو گا	حضرت والدہ ماجدہ کیا فوت ہوئیں
محبھی پتا روز قیامت تیرا احاس ہو گا	اے قضا مجھ کو بھی لیجاوے جوانکے گھر تک
ہو گا کیا جو یہی گنبد گردال ہو گا	خان پورا ب ہوا جاتا ہے ہنہ سے خالی
منجھے نکلے تو کوئی اس کامہ پر ساں ہو گا	بڑے بھائی تو بنے ساکن را ولپیدی
جس پر ہوتیری عنایت وہی شاں ہو گا	دونوں خالہ رہیں یا رب تیرے انعام خجھے ش
ان کا جینا مرے ہر درد کا درسائ ہو گا	دونوں بھائی بھی تیرے فضل سے سفر رہیں
<u>"چلیں اب خلد کو با ویست ایمان"</u> ہو گا	حضرت والدہ کا ستن وفات اسے صابر

(۱۲) مشاعروں میں بخطیں آپ نے پڑھیں ان میں سے ایک شائع شدہ پرواہ
درہلی بابت مئی ۱۸۹۹ء کے چند اشاریہ ہیں۔

گرنہ زخم دل ترا اچھا ہوا ، اچھا ہوا
ایک نرم دل ہی سچا آشنا پیدا ہوا
داغ جوشیتِ محاری سے تھا کچھ اُبھر ہوا
کہتے ہیں بس جانہ ہم بعد ، وہ مولا ہوا
تھا اگر بخاری تو پھر کیوں دار پر ہکا ہوا
پنهنے جائے سے نکل کر مور د فتوی ہوا

جو ہمیری شریعت میں کے یوں گویا ہوا
در طبع بخوبی میں کہ رہا ہے مجھ سے قیس
جذبہ عشق حقیقی نے دبادل سے مٹا
یہ ہمارا اظرف ہے جو دیکھ کر نور صفات
کیا بھرے منصور ساندار بخلاف عرفان کام
ہو کہ انوارِ عبادت سے بخلاف کیوں بخوبی ہوا

کوئی میراں کا پس بخاری کوئی گلو اپیر کا
جان و دل سے شوخ سد کا کوئی چیلا ہوا
جان کر نو دپیر جب مخلوق کا بند ہوا

الغرض قرآن و سنت دونوں میں کلی ہڈی
حضرت احمد پر قرباں ان کی سنت پر فدا
جو گریاں ہو حدیثِ مصطفیٰ سے جان لو
محب ہے صابر ہمیشہ نشرِ تحقیقین میں

جس نے یہ سرہنہ پایا عاقبت اندھا ہوا
جو ہوانا جی وہی کامل ہوا ، اصلی ہوا
دعویٰ عشق رسالت میں وہی جھونٹا ہوا
صحیح اور اک ملامت سے وہ بے پرواہ ہوا

قاضی ابوالسائل یوسف حسین صاحب کے مختارات

رام خاں نو شروعی مرحوم کے نوٹوں سے ماخوذ

- (۱) عیدین کے خطبہ میں فضل کے قائل نہ تھے۔ (ایک ہی خطبہ پڑھتے تھے۔)
- (۲) سفر میں قیدِ ایام کے قائل نہ تھے۔

- (۱) نماز جازہ میں قراءۃ عموماً جہر سے پڑھتے تھے۔
- (۲) مسجد سے فارغ نماز چوتیوں سمیت پڑھتے رحمواً
- (۳) کچھوے اور قنفدر (سیہر)، دونوں کی حلت کے قائل تھے۔ اسی طرح جاہنوں (خارپشت) کی حلت کے بھی قائل تھے۔
- (۴) بُغْيَة رِزَانِيَّه سُورَت، زَلْدِيٰ کی توبہ پر بھی اس کے مال کی حرمت پڑھتے اس مسئلہ پر حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری سے تحریری مناظرہ ہوا۔ راس مسئلہ پر آپ نے ایک رسالہ بھی شائع کیا جس کا نام "ایڈا الحوب با حل مابقی من الحکم بعد التَّوْبَ" ہے ہے:-
- (۵) عورۃ الفخذ کے قائل نہ تھے بلکہ اسے بدعت کہتے۔
- (۶) دخون کرتے وقت تبدیلی مقام پر پتھرید و ضو کے قائل تھے۔
- (۷) التَّرَامُ قَوْتُ فِي الْوَزْرِ کے قائل نہ تھے۔
- (۸) تکبیرات عیدین "اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَشِيرًا وَسُجْنَانَ اللَّهِ بِكُرْبَةِ دَاهِيَلَا" پڑھتے۔
- (۹) بھیں کی قربانی کے قائل نہ تھے۔ کیونکہ عرب میں پائی نہیں جاتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کی قربانی نہیں ہوتی۔
- (۱۰) اراضی مرہونہ سے استفادہ کے جواز کے قائل تھے۔ بشرطیکہ مرتہن خود اپنے اتھر سے کاشت کرے۔
- (۱۱) بعد رکوع شامہ بانہتے۔ اس پر ایک مستقل رسالہ راردو و عربی میں) بنام اغامر الحشوוע بوضیح الیمین علی ادھمال بعد المکوع "بھی لکھا۔
- (۱۲) بعد رکوع سبع اللہ ملن حمد کہ سر بشاد لک الحمد (واد کے ساتھ) بالہم پڑھنے کی تلقین کرتے اور قولوا سر بشاد لک الحمد سے استدلال کرتے

جس طرح امام بخاریؓ نے "قولوا آمین" سے آمین بالہر کا استدلال کیا ہے۔ (خانجہ
ان کے شاگردوں کا اب تک اس پر عمل ہے)

(۱۵) اقتداء امام میں مثلاً نماز غیر کی دوسری رکعت میں ہے۔ تو امام کی تسلیم کے بعد اپنی ایک رکعت پوری کر کے بعد سجدہ ثانی التحیات پڑھے بغیر سلام کہہ کر ختم کر دے۔ آپ کا مستدل جملہ حديث "ما عذر کتم فصلوا و ما فاتکم فاتعوا" تھا اور اس میں آپ غالباً جملہ سلف وخلف سے منفرد تھے۔

(۱۶) بعد صلوا ہاتھا تھا کہ اجتماعی دعا مانگنا بعدت سمجھتے رعلام شاطبیؓ انہی کی فتنت
بے پیٹے اس مسئلے سے شروع ہوئی جس کے قائل قاضی صاحب تھے۔ اول امام
موصوف کی کتاب "الاعتصام" کی تصنیف کا باعث بُنیٰ (علام موصوف ابوالایم
بن موسیٰ متوفی ۴۳۷ھ)

(۱۷) سفر میں کسی حد کے قائل نہ تھے۔ جب بھی اپنی بُتی سے باہر تشریف لئے جاتے
قصر کر لیتے۔ اپنی تصنیف "دعاۃ الحجی" میں اس مسئلہ پر آیت ذیل سے استدلال کیا ہے
و جعلنا بینہم و بین القری (التحق با رحکتا فیها قری ظاهرۃ و قدس فیها السیر
سیر فیها یا لی و یاداً امنیں فقا لواردینا باعد میں اسفرارنا (رسپا۔ ۱۶۹)
راقم الحروف کہتا ہے کہ آپ ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے صاف سفر
بِرَأْهُ قصودِ میل قرار دیتے۔ یونہ کہ آیت میں قری ظاهرۃ ہے یعنی الیسی بُتیا
جو ایک دوسری سے نظر آسکیں۔ اور تحریر سے ثابت ہے کہ الیسی دوستیاں جو ایک
دوسری سے نظر آئیں زیادہ سے زیادہ دس میل کا فاصلہ ان کے درمیان پایا گیا ہے
اور کلام الیسی میں اسے "سفر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سر بننا باعده جیں، استدلال
عیال ہے۔ باقی بُتی سے اس کی حدود سے باہر نکل جانے پر قسم کا: سے "لَا يَنْزَلُ
عمرۃ کے قول" اخواص ارض میلہ قصرت الصلوة نے سے کرتے)۔

آپ کی عدالت اور فات

ہر آں کر زاد بنا چار بایکش نوشید
ز جامِ دہرنے مئے گل مئن علیکھا فانِ ط

بالآخر وہ وقت آئے پہنچا جس سے چھپکار انہیں گل نہیں ڈائیقٹُ المودت
آپ مرض معدہ میں بدلہ ہو گئے۔ پہلے تو لگھر میں ہی رہے اور علاج معاہدہ کرتے
رہے پھر خیال آیا کہ راولپنڈی میں فلاں حکیم صاحب اپھے آدمی ہیں۔ ان سے
جا کر علاج کروائیں۔ حکیم صاحب نے معاشرے کے بعد آپ کے لیے اکیرہ معدہ تجویز
کی اور کافر نہ پر لکھ بھی دیا۔ لیکن بغواستے چ

چُجن قضا آید طبیب الہ شود

اسے کاش کر کشته مولاد تحریر کرو دیا۔ اس کے کھانے سے آپ کی طبیعت
بچڑھ گئی۔ ایک بڑگانی ڈاکٹر کو مبلایا گیا جس نے معاشرے کے بعد کہا کہ ان کو کوئی سخت
بچڑھ کھلانی گئی ہے جس کی وجہ سے معدہ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب اس کا
کوئی علاج نہیں۔ ڈاکٹر کے سامنے آپ اٹھ کر پیش کر کے لیے گئے تو ڈاکٹر
نے جیرانی کا انہمار کیا کہ ایسا مریض کس طرح خود اٹھ کر جا سکتا ہے۔ حالت
بچڑھ گئی۔ آپ کاشاگر دراجہ منوچھر خاں (رموم) ایک بس میں سوار کر کے انہیں
خانپورے آیا۔ وہاں آگر آپ صرف دو دن اور زندہ رہے اور بالآخر ۶ صفر
۱۹۳۵ء مطابق ۱۴۷۴ھ آپ اپنے پروردگار سے جاتے۔ افادۃ
و اذنا ایسہ سراجون -

آپ کی وفات سے خانپور اس خاندان کے آخری جامع العلوم والفنون
شخصیت اور ایک عالم با عمل ناشر تحریر و سنت سے محروم ہو گیا۔

انگریزی حساب سے آپ کی عمر ۶۷ برس اور چند ماہ اور اسلامی حساب سے
۶۶ سال اور چند ماہ ہوتی۔ گویا بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور سب سے
نحوی عمر پائی اللہ ہم اغفرلہ وادخلہ جنتۃ الفردوس برحمۃک یا الرحم
الواحیین۔ امین۔

تصنیفات و تاییفات قاضی ابوالعلیل یوسف حسین خان پتوی

- (۱) تقویم دارالعلوم دہلی مطبوعہ ۱۹۰۶ء جس میں سال بھر کے اوقات، نماز، پنجگانہ اسلامی گھنٹی کے مطابق درج ہیں۔ اس گھنٹی میں شام ۱۲ بجے ہوتی ہے
- (۲) "ترویج المودعین" ایک حنفی کے رسالہ کا جواب آنحضرت اور ایک مسنون ہونے کا ثبوت احادیث اور اقوال اجلہ فقہاء خفیہ سے۔
- (۳) اتمام الخشوع بوضع الیمن علی الشہاد بعد الرکوع (عربی)
- (۴) "زينة المقابر" راردو اوزان کے بارے میں یا شخصیں شرعی اوزان کی تحقیق (مطبوعہ)
- (۵) "اعقیدۃ الواسطیۃ" لابن تیمیہ کا اردو ترجمہ (قلمی غیر مطبوعہ)
- (۶) "دعوۃ الحق" (عربی) جس میں باب الایحات، باب الظهورۃ، باب الصلوۃ تین باب ہیں۔ اور بطور سوال و جواب لکھ کر حاشیہ پر ان کے ولائل تحریر کیے گئے ہیں جس کے متعلق عنوان علم مقابر وغیرہ کے تحت پہلے ذکر آ چکا ہے۔

(۷) "آیدُ الحَوْبُ بِاَكْلِ مَا بَقِيَ مِنَ الْكَسِبِ الْحَرَامِ بِعِدَّ التَّوبَ" زانیہ کی کتابی کے تواریخ کے بعد بھی عام ہونے کا ثبوت رہر دوڑی، ۸ مطبوعہ ۱۳۳۳ھ ہجری

مرطابق ۱۹۱۷ء)

(۱۹) بواب فتویٰ مولوی جیب اللہ مولوی فاضل راول پنڈھی کہ درجہ اخذ مسود
یعنی ربا از غیر مسلم نو شدہ است "مطبوعہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ"
(۲۰) "وساس کاستیا نام" راروی قلمی غیر مطبوعہ بحکم ذم الموسوین و
التمذیر من الوضو للشیخ موفق الدین بن قدامة المقدسی الحنبیلی کا
اردو ترجمہ ہے۔

(۲۱) القول الحق فی ان رفع الایدی للدعاد بعد المكتوبة لیس بحق " قلمی وغیر مطبوعہ

(۲۲) الپیات اوضاعات - فیما احل اللہ ورسولہ وحرمه من المطاعم
والمشابه والملبوسات ملقب بہ حلال و حرام شرعی (قلمی غیر مطبوعہ)
نوٹ : اس کے نیچے سرخ رنگ سے لفظ مولف لکھا ہے۔

"جانب ہیرزا حیث کے کرزن پریس پیچپا ۱۳۳۸ھ"

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت بمعنی نہیں ہوا۔ بعض مسودہ برائے طبع ہے
رسالہ کے آخر میں لکھا ہے کہ "یہ رسالہ کسی شخص کے رسالہ صید البحر" کے رد میں
لکھا گیا تھا۔ بعض رسالہ صید البحر کے ہفووات پر مطلع کرنا مقصود تھا کہ اس نے خدا
پر افرضاً باندھا اور اپنی طرف سے تحریم کا دروازہ کھولا اور بالکل نہ کوئی آیت پیش کی
اور نہ کوئی صحیح حدیث اور نہ کسی صحابی کا قول بلا نیک پیش کیا۔ اعاذ ناللہ من هذه
الجرأۃ علی اللہ۔ امسین"

(۲۳) "تفہیم کسری کامل اردو" ترجمہ قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین صاحب راجحہ
روائد و زیادت قوائد پہلے سات سی پارے مطبوعہ کرزن اسٹیم پریس ولی۔

(۲۴) "القوس المصطفویہ علی رؤس الچھور ویہ" ترجمہ یا تمذیب رسالہ

مولف قاضی عبدالاحد خانپوری از قاضی ابوالسیلیل یوسف حسین جہنوں نے اس کا
نام بھی تجویز کیا کیونکہ قاضی عبدالاحد صاحب بعد تالیف اس کا نام تجویز نہیں کر
سکتے تھے کہ رائی دار ایقا، ہو گئے۔ تهدیہ عبارت اور تجویز نام آپ کی طرف
سے ہوتی۔ (قلمی غیر مطبوع)

(۱۵) - کتاب عقائد احمدیث ”قلعی“ ترجمہ حقیقتہ السلف واصحاب
الحدیث“ مصنفہ شیخ الاسلام ابواسٹیعیل الصابویؒ المتوفی ۱۴۳۹ھ
قلعی غیر مطبوع

حافظ محمد خوشنور بن محمد بن اخوان خانپوری

(متوفی ۱۳۴۸ھ ۱۹ ارجامادی الاولی)

آپ کا اصلی وطن اور نکاری تھا جو تمہارے گھنگ اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ ہے جس میں قطبیاں پنڈی گھیپ کا پچھو حصہ بھی شامل ہے۔ آپ قطب شاہی "اخوان" تھے اور اباً عن جدِ حافظ قرآن اور علمائے دین کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس علاقے میں حافظ قرآن کا بہت چرچا ہے جتنی کم لوٹیں بھی اکثر حافظات قرآن ہوتی ہیں اور اب تک رمضان شریف میں وہاں کے حافظ اکثر جگہوں میں صلاۃ تراویح میں قرآن سناتے ہیں۔

آپ کے جدِ اجدود راجہ کان خانپور برائے حصول علم دین اپنے ہاں خانپور لے آتے اور گزارہ کے لیے اراضی بھی پیش کی جسے وہ خود کاشت کیا کرتے تھے۔ آپ کے دو چھا صاحبان بھی تھے جو حافظ قرآن اور صوفی مشیت تھے۔ ان میں سے ایک صاحب جان وجہت کے لحاظ سے کافی مضبوط تھے۔ ان دونوں ایک سرپھرا پہلوان ایک لمبا زنجیر کمر سے باندھا ہوا گھیستا باتا تھا اور اسی حرمت میں چکر لگایا کرتا تھا۔ اگر کسی شخص کا پاؤں اس بُنگیر پر ٹھیک باتا تو وہ جھبٹ اس کے ساتھ کشتنی کرنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ آپ کے چھا صاحب نے کورکایا وہ بھی ایک دن اس کے زنجیر پر اتفاقاً پڑ گیا۔ اس نے جھبٹ کشتنی کا چیلنج دے دیا۔ آپ نے کہا کہ اتفاقاً بغیر ارادہ کے پاؤں

پڑ گی تو کیا ہوا تمہارا یہ مطالبہ بے جا ہے۔ لیکن وہ نہ ہماں اور انہیں بھتی پر مجبور کیا۔ آپ نے بھی مجبوراً اس کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی ٹھان لی۔ اور پکڑتے ہی اُسے زمین پر چاروں شانے چت گرا دیا۔ وہ سخت شرمہ ہوا اور اسی شرم کے باعث اس علاقے سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا آپ کے والد صاحب عابد وزادہ شب زندہ دار بزرگ تھے جب زمین پر ہل چلانے جاتے تو قرآن شریف، مصلی اور کوزہ پانی کا ہمراہ سے جانتے۔ جب ذرا فرا غست ہوتی تو وہیں تلاوت قرآن میں صرف ہو جاتے اور اگر نماز کا وقت آ جاتا تو نماز بھی وہیں ادا کر لیتے۔

حافظ صاحب نے حفظ قرآن کے بعد پسلے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ مزید علم کی تفصیل کے لیے گھر چھوڑا۔ درستے اساتذہ کا تو علم نہیں ہو سکا لیکن یہ امریقی ہے کہ آپ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام میں ایک مرتبہ ایک وفد گنگوہ سے آپ کے پاس پہنچا اور استدعا کی کہ آپ مولانا گنگوہی مرحوم کی مندرجہ افراد ہونے کے لیے ہمارے ساتھ چلیں۔ کیونکہ مولانا مرحوم کے تلامذہ میں سے ان کی صندوقیں بنھالنے کے لیے اب آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ ہم اسی غرض کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ گنگوہ تشریفیے چلیں۔ آپ نے کہا اگر مجھے صحبت اجازت دیتی تو میں ضرور آپ کے ساتھ چلا جاتا۔ لیکن میں ہمدرد ہوں اور لوگ بھر علالت تعمیل کے قابل نہیں لہذا وہ ان کے ساتھ نہ جا سکے۔ اور وہ لوگ بے نیل سرام داپس ہوئے۔

اکبر اللہ آبادی مرحوم آپ کے ہم سبق رہے تھے۔ ایک مرتبہ وہ راجہ

جاناد اخان مرحوم کی ملاقات کی خاطر خان پور تشریف لاتے۔ دوران گھنگو
امنخواں نے راجہ صاحب سے دریافت کیا کہ خان پور کے حافظ محمد غوث
شاہ صاحب ہمارے ہم درس تھے۔ ان کے متعلق آپ کچھ بتا سکتے ہیں
راجہ صاحب نے کہا وہ اس جگہ موجود ہیں۔ ابھی ان کو بلوایتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے
کہا، نہیں میں خود ان کو سلئے جاؤں گا۔ ایک لازم ان کے ہمراہ کر دیا کہ نہیں
حافظ صاحب کے مکان پر لے جائے۔ مکان کے قریب جب پہنچتے تو
حافظ صاحب بلا اطلاع نشکن پاؤں باہر نکل آتے۔ اور ان سے بغل گیر ہوتے
اور بڑی دیر تک ہر دو روتے رہے اکبر صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا کہ آتی
طویل مدت کے بعد ان سے ملاقات نصیب ہوتی۔

ان دنوں علمائے الہمیث اور بزرگان دیوبند ہر دو انگریز کی حکومت
کو ایک کافراذ حکومت سمجھتے تھے۔ اور اس کی مخالفت اپنا فرض منصبی
جانتے تھے۔ لہذا گروہ مجاہدین کے حامی اور مددگار تھے جس کی وجہ سے
انگریزوں کے مورود عتب تھے۔ اس لیے حافظ صاحب بھی انگریز کی
قید و بند کا شکار بننے کچھ عرصہ توہنہ و سستان کے جیل خانوں میں رہے اور
بلقول فاضی محمد عظیم رئیس ایمپٹ آباد (جو آپ کے بھائی تھے) کافی عرصہ
ایسراeel بھی رہے رہائی کے بعد وطن تشریف لاتے۔

کچھ عرصہ کے لیے ایمپٹ آباد میں عرائض نویسی بھی کی۔ جامع مسجد مکری
ایمپٹ آباد میں ایک محرابینا حافظ قرآن مقیم تھے۔ عرصہ ہوا ان کی زبانی معلوم
ہوا کہ حافظ صاحب ایک دن میں صرف چار عرضیاں لکھتے اور اجرت فی
عرضی ایک آنہ سے زائد نہ لیتے۔ جب چار عرضیاں لکھ چکتے اور چار آنہ
کم ایلتے تو فرماتے کہ لبس پر بہت کافی ہیں اور لہتہ باندھ کر چل جاتے اور

تلودت قرآن میں مشغول ہو جاتے۔

چونکہ خوشنویں اور صاحب علم تھے اور ان دونوں خواندہ لوگوں کی کمی تھی تجویز ہوتی کہ آپ کو طلبی موجود ای (اسے اسی) کا عہدہ دیا جاتے جب آپ کو اس تجویز کا علم ہوا تو اپنے کہا کہ آپ تو یہ کافر ہیں اسلام سے نکالتے کے و پے ہیں۔ ٹاکٹری سڑیکیٹ ملازمت کے لیے ضروری تھا۔ اپنے ٹاکٹر سے کہا کہ براہ مہربانی لکھ دیں کہ میں ملازمت کے قابل نہیں۔ یہ آپ کا احسان ہو گا۔ یہونکہ پہلے تو میں فریادیوں کی درخواستیں لکھا کرتا تھا۔ اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ لیکن اب یہ لوگ مجھے خلاف شریعت فیصلہ کرنیوالوں میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہرگز جائز نہیں۔ اس لیے مجھے ملازمت کے لئے ناموزوں ہی قرار دے دیں۔

اس وجہ سے اپنے عرائضِ ذیسی کو بھی خیس رہا دکھ دیا اور ٹوں واپس آگئے۔ دوران قیام ایبٹ آباد ضلع ہزارہ کا پہلا بندوبست ۱۸۷۳ء میں ہوا۔ عملہ بندوبست میں قاضی محمد میر عالم سکندر پوری طلبی کے عہدہ پر فائز تھے اور ایک علم دوست انسان تھے۔ اس لیے حافظ صاحب موصوف کے مریدوں میں سے تھے۔ حافظ صاحب کی کوشش اور قاضی صاحب کی امداد سے جامع مسجد کے قریب ایک کافی رقبہ کا مسجد کے نام انداز ہو گیا۔ بدیں خیال کریں مسجد کی آبادی کا سبب ہو گا۔ اور اخراجات مسجد اس سے پوئے ہو جایا کریں گے۔ چنانچہ اس جگہ رہاب دوکانات اور مکانات تعمیر شد، موجود ہیں جو بتیں میں مسجد کی سوچیں میں ہیں۔ اور ان کی آمدی مسجد پر صفت ہوتی ہے۔ اجنبیں اسلیہ ایبٹ آباد ای زبان میں ہے۔

آپ عابد و زاہد شب ننہ دار اور قاری نامدار تھے۔ آپ کی فرائیت سے متاثر ہو کر راولپنڈی کے بعض معززین نے آپ پے اتنا عاکی کہ اگر ایک رکون تلاوت فرمائے تو یکارڈ میں محفوظ کرادیں تو بہتر ہو گا۔ آپ کی فرائیت آئندہ نسلیں بھی سن سکے گی۔ لیکن آپ نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

سید عجہ اللہ صاحب غزوی کے کمالات کے متعلق رہنمادت ان میں ان کی ہجتت سے قبل، جب آپ کو علم ہوا۔ تو وطن سے پیدل چل کر آپ غزنی پہنچے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ بچپن میں خاکسار راقم احروف اپنی نافی صاحبہ کے ہاں رات کو سویا کرتا تھا۔ رحاف صاحب میرے نام تھے۔ رات کے وقت جب بھی میری اسی کھلتی تو میں آپ کو مصلی پر کھڑے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے ہی دیکھتا۔ آپ کے تفہیم اوقات دن بھر کے یہ تھے:

جب صبح کی نماز کے لیے مسجد جاتے تو بعد نماز اشراق کی نماز تک درود و ظالف میں مشغول رہتے بعد نماز اشراق طالب علموں کو سبق پڑھا زان بعد گھر تشریف لاتے اور بازار سے سو داخو لاتے۔ باخوص گوشت اپنی مرضی کا پسند کر کے لاتے۔ کیوں کہ جس بیماری میں وہ بتلاتھے اس کے لیے عمدہ خود اک کی ضرورت تھی صبح کا کھانا کھانے کے بعد بخواری دیر قیلہ فرماتے۔ پھر ظہر سے قبل مسجد تشریف لے جاتے اور نماز عصر تک وہیں رہتے۔ بعد نماز عصر بخواری دیر کے لیے گھر آتے اور شام کی نماز سے پہلیتہ ہمارے گھر بھی والدہ خاکسار (اپنی دختر) کو دیکھنے ضرور آتے۔ پھر مسجد چلے جاتے اور عشاء کی نماز تک دہل ہی رہتے۔ پھر گھر آ کر رات کا کھانا کھاتے۔ بخواری

دیر کے لیے سوچاتے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور طویل نماز تجدید میں حصہ
ہو جاتے۔ اور نماز فجر کے وقت سے مختوظی دیر پہلے مسجد پلے جاتے اور
چوبیں گھنٹے اس طرح خرچ ہوتے۔

آپ کی اراضی تو اتنی زیادہ نہ تھی۔ لیکن آپ کے اتقاء کی برکت سے
سال بھر کسی غلہ کی کمی نہ ہوتی۔ بلکہ ہر ایک چیز جو تھی کہ دالیں اور روٹی (رپکاں)
بھی اپنی ہی زمین کی بافلاط موجود پائی جاتیں۔ ایک گھوڑا بھی رکھا ہوا تھا اور
بھیاس تو بارہ ماہ موبود رہتی۔

آپ کے مکان میں جتوں کا ایک ڈیرہ مقیم تھا اور بقول ان کے وہ
آپ کی قرأتِ قرآن پر فدا تھا۔ اگر کوئی شخص آپ کی خیانت کسی رنگ
میں کرتا تو وہ اس کی خوب خبری لیتے۔ دو واقعات اس سلسلہ کے تو میرے
چشم دیہیں۔

(۱) محلہ کی ایک عورت موسومہ "ابارو" آپ کے گھر میں کام کا جگہ کیا
کرتی تھی۔ پکڑے بھی دھو یا کرنی تھی۔ اس نے ایک مزਬہ کچھ صابن جو بچ گیا
تھا واپس نہ کیا اور گھرے گئی۔ رات کو آپ کے مکان کے ایک دوسرے
کمرے میں سویا کرتی تھی۔ ایک دن سورج کافی چڑھ گیا اور وہ باہر نہ آتی۔
اُسے آوازیں دی گئیں کہ بہت دیر ہو گئی ہے۔ تم نکلتی کیوں نہیں؟ اس
نے اندر سے جواب دیا کہ میں نکل سکتی ہی نہیں۔ میرا سر چارپائی کی داؤن
میں پھنسا ہوا ہے۔ دروازہ اکھاڑا گیا۔ دیکھا کہ اس کی گردون داؤن میں بھپی
ہوتی ہے۔ داؤن کھول کر اسے نکلا گیا۔ اس نے اقبالی جرم کیا اور کہا یہ
غلطی ضرور مجھ سے سرزد ہوئی تھی۔ مجھے رات بھر نخنوں سے مارتے ہے
اور کہتے رہتے کہ تم نے حافظ صاحب کا صابن کیوں چرا یا ہے اور اس

سے توہہ کرتی اور بالآخر اس کا سرداوں میں پھنسا دیا۔ میں نے راقمِ احراف
نے) اس عورت کی پلٹھیر پختوں کی ضربہ کے بہت سے سرخ نشانات
خود لیکھے تھے۔

(۲) اسی طرح آپ کے ایک طالب علم نے آپ کے قلمدان میں سے ایک
چاقو چڑھایا۔ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ صبح اسے داوی کے پنجے سے
پھرٹ لیا گیا۔

برائے شفائے امراض آپ کے دم نہایت موثر تھے۔ اور لوگوں کو آپ
کے دم سے بہت فائدہ پہنچا جتنی پکڑ والے اکثر آتے۔ آپ اتنا ہی کہتے
کہ اس سے چار سے کوئی بول تنگ کرنے ہو۔ اس سے چھوڑو اور چلے جاؤ۔ لیں
اتنا کہنا ہوتا کہ بیمار ہوش میں آ جاتا اور پکڑ کا اثر دُور ہو جاتا۔ اس کے متعلق
ایک واقعہ راقمِ احراف کا چشم دیدہ ہے جو یہ ہے۔

ایک مرتبہ راجہ گورہ محل خان تریس خانپور کا ایک ملازم آپ کے
پاس آیا اور کہا کہ راجہ صاحب کے شکاری کتوں کو ایک بادلے کتے نے
کاٹ کھایا ہے اور خطرو ہے کہ وہ سب بادلے ہو کر ضائع نہ ہو جائیں۔ آپ
نے مجھ کا تھوڑا سا آٹھا منگوایا اور اس ملازم کو کہا کہ اسے پانی ملا کر گوند صو
اور اس کا ایک گولہ بناؤ۔ چنانچہ اس نے اس آٹھے کا ایک گولہ بنایا۔
آپ نے اس گولہ پر دم کیا اور ملازم کو کہا کہ اس گولے کو دو حصوں میں تقسیم
کر دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ہر دو حصوں کے اندر وہی جانب بال پھنسنے
ہوئے تھے جو اسی زنگ کے تھے۔ جس زنگ کے بادلے کتے نے دوسرے
کتوں کو کامنا تھا۔ آپ نے کہا کہ چھٹے سے بال دونوں حصوں سے چُن کر نکال
پھینکو۔ اس نے سب بال نکال ڈالے۔ آپ نے کہا: پھر گولہ بناؤ۔ آپ

نے پھر اس گولہ پر کچھ پڑھ کر نہ پونکا اور پھر اس گولے کو دوستوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی۔ پھر دونوں حضور کے اندر ورنی طرف سے اسی رنگ کے بال نمودار ہوئے تھے جن کو نکلا یا گیا۔ ایک دوسرے بھر بھی عمل دہرا یا گیا جس کو کوتی بال نمودار نہ ہوا۔ آپ نے کہا! جاؤ! اب خیر ہو گئی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ کتنے تواریخ صاحب کی طلیعہ بھی میں تھے۔ جو آپ کے مکان سے دو تین صدقہ مقدم پر تھی۔ پھر بھی یہ عمل کرنے سے کتنے سخت یا بہو گئے۔

بروایت قاضی احمد دین الحسنؒ کے برادر اصغر حافظ عبد الرحمنؒ کے نواسے، وفات سے تین چار یوم قبل حافظ صاحب نے اپنے بھائی شجاع قاضی عبدالحکیم کو خانہ پور بھیجا اور کہا کہ میں کے مکان کی چھت میں فلاں جگہ پر ایک پوٹلی رکھی ہوتی ہے جا کر لے آؤ۔ اس نے تعییل کی۔ پوٹلی آگئی۔ اس میں تھیں تین صدر و پے تھے۔ آپ کے برادر نے دیکھ کر کہا کہ میں روپے کھس لیے سنبھال کر رکھے تھے۔ فرمایا کہ میں ان روپوں کی زکوٰۃ دگنی ادا کرتا رہا ہوں اور یہ میں نے رج کے لیے سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ غالباً وہ رقم خیر است کر دی۔

قاضی احمد دین مذکور رکھتے ہیں کہ والدہ مکمر نے جو ہمراہ اپنی چھاڑا ہمیشہ و ختر حافظ صاحب ایام علامت میں ان کی خدمت کرتی تھیں ذکر کیا کہ حافظ صاحب کی زندگی کے آخری دن آپ نے نمازِ عصر کے لیے دضو کا پانی مانگا۔ دضو کے لیے نمازِ عصر شروع کر دی جو ران نماز میں ہی آپ کی حالت کچھ دگر گوں نظر آئی۔ اخنوں نے اپنے والد حافظ عبد الرحمنؒ کو جو قریب ہی نمازِ عصر پڑھ کر تھے کہ ان کی حالت

کچھ بدلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اخنوں نے آتے ہی حافظ صاحب کو
منا طب کرتے ہوئے کہا مَنْ سَرِّ بُكَ آپ نے دو یا تین مرتبہ سَبَقَ اللَّه
کہا اور روح پرواز کر گئی فَانَّ اللَّهَ فِي النَّاسِ إِلَيْهِ سَرِّ الْجَمْعِونَ -

آپ را ولپنڈی میں ہی دفن ہوئے۔ ایک ہفتہ کے بعد آپ کی قبر
کے ایک پڑوسی نے بیان کیا کہ جس روز سے یہ صاحب بیہاں دفن ہوئے
ہیں۔ میں ہر رات آپ کی قبر پر دشمنی کا ایک مینار قبر سے لے کر آسمان
تک متواتر دیکھتا رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بڑی بزرگ ہستی نہیں۔
اس کے اس ذکر کرنے کے بعد پھر دشمنی نظر نہ آتی۔ اب تو اس جگہ ایسا دی
پھیل رہی ہے اور ان کی قبر کے صحیح نشان کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ سَبَقَ اللَّه
وَجَعَلَ جَنَّةَ الْفَرِدَادِ مَأْوَاهَ - امین یا امرِ حُمَّامِ الْوَحْمَنَ !

مختصر حالات

قاضی محمد عبد اللہ بن قاضی محمد بن علام حسن

مؤلف تذکرہ علماء خانپور، ایم لے ایل بی علیگ ہوم

توثیقہ تذکرہ علماء خانپور محدث علام حسن عزیزی خان شفاهہ راولپنڈی

محترم قاضی محمد عبد اللہ بن محمد خانپوری رحمۃ اللہ علیہ خانپور ضلع ہزارہ کے مشہور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے دادا مولانا قاضی محمد حسن عرف نلام حسن صاحب ہری پور کے قریبی قصبه تلوکر کے ابک ذی علم گھرانے میں پیدا ہوتے اور خود بھی اپنے علم و تقویٰ کے انتشار سے اپنے اقران و امثال میں ممتاز تھے۔

خان پور کے قاضی القضاۃ مولانا عبد الصمد مرحوم گلکھڑوں کی اس ریاست میں افاؤ قضاوے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اور حکام و عوام میں یکجاں عزت و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے اولاد ترینیہ کوئی نہیں بھتی۔ غالباً تین بچیاں ہی بھتیں اور اس بارہ میں خصوصیت سے اپنے جانشین کے مسئلہ پر اکثر پریشان رہتے تھے۔ آپ کی نظر نوجوان نلام حسن پر ٹپی، علم و فقاہت اور دینداری کا یہ پیکر آپ کو پسند آیا۔ آپ نے انہیں اپنا داد بنا نے اور خانپور میں اقامت اختیار کر کے منصب قضاۓ سنبھالنے کا خیال ظاہر کیا اور چند معززیں کے توسط سے یہ معاملہ طے ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے داماد قاضی غلام حسن کو اپنے بعد خانپور کا قاضی نامزد کیا ہو راس مضمون کا ایک اعلاء میرہ فارسی میں مکمل درجگان خان پور اور معززیں علاقہ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ جاری کر دیا۔

قاضی محمد حسن عرف نلام حسن رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے فرائض حصر و خوبی سے

محکم دلائل و برایین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اجماعتی اور خانپور اور اس کے مظاہرات میں اسلامی نظام قضاہ کے ذریعہ
قرآن و سنت کی بالادستی قائم کی۔

مرحوم کے تین صاحبوزادے قاضی عبداللہ فرزند اکبر، قاضی محمد افضل عرف
خلف اور قاضی یوسف حسین فرزند اصغر رحم اللہ تعالیٰ آگے چل کر اس
خاندان قضاہ کا نام روشن کرنے کا موجب بنتے۔ یہ تینوں اپنے اپنے وقت میں
قرآن حکیم کے ممتاز مفسر، علوم حدیث کے فاعل، متبحر اور معرفت اسلامی کے
ماہر و عارف تھے۔

ان میں سے منبغہ صاحبوزادے قاضی محمد رحمۃ اللہ علیہ کے الہامدارے حسن
تذکرہ قاضی محمد عبداللہ ۱۸۸۷ء ستمبر ۱۳۰۵ھ کو پیدا ہوتے۔ آپ سچپن ہی سے
ہونہا بردا کے پکنے پکنے پات، اماش، اللہ ذہین اور طارہ تھے۔ کچھ بڑے ہوتے
تو ابتدائی کتابیں گھر پر ٹھیں۔ سکول میں داخل ہوتے تو اپنے ذوق شوق اور
ذہانت کی بنابر پر بہت جلد زرقی کی اور آگے چل کر اپنا تعلیمی کیریہ بنایا۔

سلسلہ تعلیم جوں جوں آگے بڑھا، آپ کے جو ہر تکھڑتے پکنے۔ آپ نے
خانپور کے علاوہ ہری پور، ایسٹ آباد اور پشاور میں بھی تعلیم حاصل کی۔ پشاور میں
مشہور اور ممتاز اہل حدیث عالم دین حافظ محمد رمضان مرحوم سے دینی کتابیں ٹھیں
اور پشاور سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ ملازمت کے سدر میں بھی فلک رہے۔
بعد میں آپ کے والد قاضی محمد صاحب بھی پشاور منتقل ہو گئے۔ اور قاضی محمد
عبداللہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلے کے لیے ہندوستان روانہ ہو گئے۔
وہاں آپ نے ایم اے کا امتحان پاس کیا اور ساتھ ہی ایل ایل کے امتحان میں بھی
کامیابی حاصل کی۔ علی گڑھ کے زمانہ قیام میں آپ نے زیارت القبور کے عنوان پر
ایک عربی رسالہ کا ترجمہ شائع کیا۔ جو آپ کے بزرگوں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖۤ وَسَلَّمَ
بَغَیْتُ عَلَیْہِ وَالْمُؤْمِنُوْفُونَ کے ساتھ طبع ہوا تھا۔ مؤلفہ محمد العین بر کوئی جو تحریک کے حلقے
بجید علم تھے۔ (۱۴۹۸ھ) العقد المنظومہ فی ذکر افاضل الروحہ۔

نے بہت پن کیا۔

مذل کے درجہ پر سینچ کر اپنے تعلیم ھوڑ دی۔ پھر اپنے نانا محمد غوث مرحوم کے کشف پر کہ اگر مذل پاس کر لیتے تو کہیں عراقیں تو نہیں رکھوادیا۔ آپ نے پہلے تو انگریزی پڑھنے کی بجائے عربی پڑھنے کو ترجیح دی۔ اور یہ شعر نایا سه
دَالِ اللَّهِ مَا ماتَ جُوْعًا عَالَمًا أَيْدَا سَلَ التَّارِيخَ عَنْهُ وَالْمَدَاوِيْنَ

پھر دوبارہ اسکول میں داخلہ لے لیا اور محنت و ذہانت کی بد و لست آگے بڑھتے گئے۔ میرٹ میں فرست ڈویژن کے علاوہ فلیٹھر بھی لیا۔ پشاور ایڈورڈ کالج سے ایف اے کیا۔ جسے وی کے امتحان میں اول آئے، تنخ بھی ملا۔ دوسرال بعد ایس اے۔ وی فرست ڈویژن میں پاکس کیا اور پھر بھکر تعلیم میں پندرہ سال کی طازمت کے بعد علی گڑھ چلے گئے۔

وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد ہری پور، ایبٹ آباد اور صوبہ سرحد کے بعض دوسرے مقامات پر پکیش کرتے رہے اور آخر کار ماں سہر ضلع ہزارہ میں مستقل قیم ہو گئے۔ قیام ماں سہر کے دوڑان میں اکثر خانپور آتے جاتے ہے خصوصاً والد مرحوم اور چچا جان کی دفات کے بعد تقریباً عیدین کے موقع پر بطور خاص آتے اور نمازِ عید پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات اپنے خاندان اور متعلقین کی تقریبات شادی غمی میں شال ہوتے تھے۔ نیز راجگان خان پور کی طلب و خواہش پڑھی وطن آتے رہتے تھے۔ مرحوم عالم با عمل مت کے روشنی اور توجیہ کے عاشق تھے۔

قاضی محمد عبد اللہ مرحوم نو عمری ہی میں مناظراتہ انداز مزاج کی بنابر اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کو اخلاقی مسائل میں زیچ کر دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کثی عجتی مولویوں سے آپ کی جھپڑیں ہوئیں اور آپ نے انہیں لا جواب کر لئے۔ یہ تصریح صاحبِ مسلم کا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴۰۷۔

دیا۔ اپنے بعض مزائی ساتھیوں کا عربی گرامر میں مہارت کی بنابر پرفیشنل نگ کیا۔

ایک خط میں لکھتے ہیں کہ یہ حسن الفاق ہے کہ ابوالکلام آزاد اور جواہر لعل نہرو، دنوں کا سن پیدائش بھی وہی ہے۔ جو میرا ہے۔ یعنی ۱۹۸۸ء میں ۱۳۰۵ھ میں اور میری طویل المعری والدہ مرحومہ کی دعا کا فاتحہ ہے۔

آخر کار تقریباً اکیانوے برس کی عمر پا کر ۲۰ اپریل ۱۹۶۹ء مطابق ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ) پر زیست المبارک رحلت فرمائے دار المذاہب ہوئے۔ اتنا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم غفرنہ وارحمنہ وادخلنہ الجنة امينا لہ آخری تالیف ان کی بخش قدمبر مهر منیر اور ووسیعی یعنی فتح الغفوہ ہے۔ (رعیج)

تکملہ رسالہ فتح الغفور فی تذکرہ علمائے خانپور

جس کا ابتداء میں گزارش کیا جا چکا ہے کہ علمائے خانپور کا تذکرہ مولانا قاضی محمد عبد اللہ صاحب مرعوم نے ملک امام خان سودہ روی مغفور اور خاک دار کے زور دیئے پر جمع فرمایا جس کی وجہ حضرت میاں سید نڈیہ بنین محمدث کا قاضی صاحب مرعومین سے رشتہ تلمذ اور حضرت عبد اللہ غزنوی صاحب سے تعلق ارادت تھا۔ لہذا چونکہ یہ بخیال مرعوم قاضی کے ذمہ پر مستولی رہا۔ اس لیے خانپور کی بعض اہم اور بزرگوں کی شخصیتیں مرعوم کی تحریر سے رہ گئیں لہذا المترم حکیم محمد حبیبی خاں صاحب شفاف مظلہ العالی نے اپنے بزرگوں کے ذمکر جیل پر مشتمل تکملہ تذکرہ علمائے خانپور لکھ کر اس سلسلہ ناب کی تکمیل فرمادی ہے۔ اس کا داش کے لیے خاکی ران کا مزید منون ہے جزاہ اللہ خیرا (خاکی محمد عطاء اللہ غنیف)

مجاہد فی اللہ پا پا میل محمد رحمۃ اللہ علیہ

بارہ ہوی صدی ہجری راتھا رہوی صدی عیسوی، آٹو ہی سے زیادہ گز بچپنی تھی چند سال ہی پہلے کی بیتا ہے کہ شاہ جہان آبا و نادری یلغار کا صید زبوب بننا تھا۔ ولی لٹ گئی، ولی والے کٹ گئے، شہر کا شہر تلواروں کی باڑھ پر تھا۔ محمد شاہ زینگيلا اور نادر تغلی افشار آپس میں پگڑی بدل بھائی توبن گئے پر دلی کو ہمہ گیر لوٹ کھوٹ سے نہ بچا سکے۔ بھئی دن تک قتل عام کا سلسہ جاری رہا۔ دارالسلطنت کی صدیوں سے جمی جمالی پرسکون اور مطہر فضا پر بے چینی اور اضطراب کے ڈراونے سائے منڈلانے لگے اور پورے ملک کا امن چین غارت ہو کر رہ گیا۔

انہیں دلوں کی بات ہے کہ راجپوت چہانوں کا ایک قدم پر وار، راجھانی

کے دگر گوں حالات سے دل برداشت ہو کر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے
کوئی غافیت کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اگرچہ کوئی متعین منزل سامنے
نہ تھی تاہم ان کے قدم شمالی اور سغربی ہند کی سنگلارخ یاکن پر سکون وادیوں کی
طفر پڑھتے گئے۔

یوں تو ان راتاں کی سرثست جنگجویاں تھیں۔ افتادِ مزاج کے اعتبار سے یہ
لوگ بڑے صعب اور صعوبت آزمایا واقع ہوئے تھے۔ پھر بھی حالات کی سگینی
اور آئے دن کی لوٹ مار سے بہت پریشان تھے ان کے پرکھوں نے کمزشتہ
و صدیوں میں بخل دربار کی بے خدمت کی تھی۔ منازعکری اور انتظامی سہول
پر فائز رہ کر حضرت و آسودگی کے ساتھ وقت بسر کیا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ امن
آسائش کے عادی ہو کر یہ لوگ رفتہ رفتہ اپنی پرانی روایات سے عازی ہوتے
گئے تھے۔

اب سلطنت کے اضحکال اور نظم ولق کے روز افزوں اختلال کی پرست
امن دسکون کا شیرازہ بھر گیا تو یہ گھرانہ بھی اجرتی ہوئی دلی کے کھنی اور گھرانہوں
کی طرح بیشی جنم بھومی چھوڑنے اور امن و عافیت کی دلی کو ڈھونڈنے کی غاظ
رخت سفر باندھنے پر مجبور ہو گیا۔

پہلے تو کچھ عرصہ یہ لوگ تنگ کی وادی میں ٹھہرے۔ پھر آگے کو شمال کی طرف
بڑھے اور پڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ جہلم اور چناب کی وادیوں کے آخر
میں جا پہنچے۔ یہاں فضا کچھ پر سکون معلوم ہوا، سیاکوٹ اور اس کے مضافاً
میں خود اپنی کی ذات گوت کے کچھ لوگ پہنچے ہی سے آباد تھے۔ یہی دیہیں
رج بس گئے۔

اس کنبے کے سربراہ، مخنوٹ سے بن عرصہ میں ارد گرد کے علاقہ میں، ایسا

شرافت، وجاہت اور حوصلہ مندی کے باعث مشور ہو گئے۔ ان کی سو شاخیت اور عمدہ بھاؤ نے ایک کے دلوں طرف بننے والے ہندو مسلمان سرداروں میں ان کو ہر دل غزیب بنا دیا۔ چند سال گزرے ہوں گے کہ راؤ جندر سنگھ (غائب) بڑے راؤ صاحب کا نام یہ تھا۔ دیسے ایک روایت ہیں جو جندر یا جندر سنگھ بھی بننے میں آیا ہے۔ کا اٹھنا بھینا مسلمان سرداروں میں زیادہ ہو گیا اور وہ ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ بخوبی علم بگوش اسلام ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ان کے پرلویار کے دوسرا چھوٹے بڑے مرد سورتیں بھی آنکھش اسلام میں داخل ہو کر مطعن و خور سند ہو گئے۔

اسی خانوادہ کا ایک گل سربد، طفیل محمد، جو انبویں صدی کے آغاز میں عالم وجود میں آیا تھا۔ اپنے وقت میں اسلامی علوم و فنون کا شناور خلق و معارف کا پیغمبر، عالم و فاضل اور زاہد و عابد انسان تھا۔ بزرگوں سے ناہے کہ بابا طفیل رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد شہید اور ان کی تحریک جماد سے بے حد متاثر تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بھوکی بچوں اور دوسرے متعلقین سہیت یا لکوٹ سے ہجرت کر کے شمال خطے میں چلے آئے۔ راولپنڈی کے قریب ایک تھام کوئی دلال میں کچھ عرصہ مقیم ہے۔ بال بچوں کو یہاں بس کر بابا صاحب سیدین شہیدین کی عملی رفاقت کی غرض سے سرزیں ہزارہ میں وارد ہوئے۔ چند معروکوں میں حصہ لیا۔ پھر اپنے اہل دیوال کو جا کر اپنے ساتھ خانپورے آئے اور اپنے صوفی نمش فرزند میاں عبد اللہ کو ان کی نگرانی کے لیے یہیں چھوڑ کر خود پھر مجاہدین کی صفوں میں جا شامل ہوئے اور اب کی وفرم کم و بیش دو تین سال تک مجاہدین میں شامل رہے۔

^{۱۸۳۶ء / ۱۴۲۶ھ} میں فاجحہ بالا کو کچھ بعد بابا طفیل رحمۃ اللہ علیہ شکستہ خاطر ہو کر ایک بیت کے لیے گوشگریں اور خانہ نشین ہو گئے۔ کتنے ہیں آپ معرکہ

کارزار میں زخمی ہو گئے تھے۔ دوسرا سے زخموں کے علاوہ پیشانی اور کنپٹی کے پاس ایک بڑا خم اور شگاف تھا۔ جو رفتہ رفتہ مندل تو ہو گیا۔ لیکن ہدی میں سوراخ رہ گیا چنانچہ اس میں سے ہوا کے گزرنے سے پریسٹی کی آواز آتی تھی۔

کم و بیش دو سال بعد آپ خانپور پہنچے اور چند سال تک گھر میں بال بچوں کے ساتھ رہے۔ ریاضت اور مجاہدہ کا شغل جاری تھا اور تعلیم و تدریس میں بھی مصروف تھے۔ البتہ معاملات معاش سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان امور کی دیکھ بجال بیان عبد اللہ اور بابا ذہیر اسکے ذمہ تھی اور انہوں نے اچھی خاصی زینداری کر کھی تھی۔

اچانک ۱۸۳۶ء میں رخت سفر باندھ کر عازم جماز ہو گئے۔ گھر میں کسی کو کچھ بتایا نہیں تھا۔ لوگ یہی سمجھے کہ غالباً سیاں کوت وغیرہ کی طرف گئے ہوں گے۔ لیکن مدت تک کہیں سے ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ لگھرواۓ تن بر تقدیر میشدید ایزو پر صابر و شاکر ہو کر ملبوچ گئے اور ہجری حضرت دیارِ شوق جا پہنچے ۱۸۳۶ء / ۱۲۵۲ھ / ۱۷ مئی ۱۸۳۶ء میں فلسفیہ حج ادا کر کے کچھ میئنے حرم شرفین میں بستر کئے۔ پھر جزیرہ نما عرب کی حیث کے شوقي بے مبابے مرشد ابکہ بے قرار ہو کر وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ جزیرہ العرب ان دونوں سنجلوں، علوں اور نرگول اور مصریوں کی بائیمی آوریزشوں کا اکھاڑہ بن رہا تھا اور بطن جزیرہ کا سفر توبے حد صبر آزماء، صعب اور جانی جو حکوموں کا کام تھا، اس سفر کے شدائد و مصائب کا ہم لوگ آج اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

بابا طفیل و حجۃ واسعۃ بقیعہ جنانہ کی زبانی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قیس عامری کی طرح کریمہت باندھنے اور دیارِ لیلی کی جانب کشاں کشاں جلتے جانے کے مخونا نہ عزم کے باوصف ایسے ایسے شدائی سے دوچار ہوتا پڑا کہ باؤفات تاب گام فرسانی باقی نہ تھی اور بے حال اور بے محال ہو کر گھنٹوں فرش راہ بنا بڑا رہتا

پھر جب کچھ سکت مجتمع ہوتی اٹھتا اور باریہ پیمانی شروع کر دیتا۔ اس پر مستلزم اور آزاد سفر کمی اور مشکلات و موانع ایسی تھیں کہ جان ناتوان کے ساتھ لگی تھیں۔

ہر طبقے کے زأسماں آمد خانہ انوری کند آباد

بُر نوع، دل میں لگن ہو۔ جذبہ صافق محک ناطق ہو تو مصائب و عوائق کی یلغار بھی حوصلے پست نہیں کر سکتی۔ انسان ضعیف الہیان، طغیان حالات کے مقابے میں تائید، صرفت الہی سے صبر و استقامت کی چنان بن جاتا ہے۔

در راه منزل یہاں کو خطرہ است بے

شرط اول قدم آنست کہ مجموع باشی

بالآخر ہزار وقت و مصیبت منزل ہفت خوان مصائب طے کر کے دیا جیا میں آپ سپنچے یہ تو پتہ نہیں کہ راستہ کون تھا اور پر قہ کیا تھا؟ لیکن جب پنج ہی یہ تواب ان باتوں کی پرواکے ہے۔
سفینہ جنک کے کنارے پر آگا غائب

خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کیئے!

در عییر نجاشی کا مرکز دعوت اور آل شیخ کا مستقر تھا۔ میں پناہ اور ناقابل بیان مصائب جھیل کر سپنچے وللاۓ بالا طفیل مجاہد ہندی کے یہ اپنی آنکوش محبت و کئے منتظر وصال تھا۔ آپ وہاں کئی سال تک مقیم رہے۔ ایک بڑی بی کہتی تھیں کہ وہاں سمجھ دیں قاضی عبد الرحمن کے پاس ٹھہرے تھے۔ اندازہ ہے کہ یہ زرگ وہی آل ایشیع عبد الرحمن بن حسن بن ایشیع محمد حسن اللہ کی ذات گرامی تھی۔ جو اپنی نوسالہ جلا وطنی کے بعد کچھ ہی مدت پہلے مصر سے واپس در عییر سپنچے تھے۔

یہ امیر فصل بن ترکی کا عمد تھا اور شیخ عبد الرحمن انہی کے قاضی القضاۃ تھے۔ سیحان اللہ یہ بھی تاریخ کا ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ شیخ محمد بن عبد القیا

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کے آغاز کے پورے ایک سوال بعد ان کا ایک
ہندی رپاکستانی عقیدت مندان کے حلیل القدر پوتے کی خدمت میں مجسم سلام شوق
بن کر حاضری وے رہا ہے۔

سلام علی بخط و من ختم بالنبی

و ان کان تسلیمی علی المعد لاجیدی

قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے دوران قیام میں باطفیل علیہ الرحمہ نے حضرت
قاضی القضاۃ الشیخ عبد الرحمن اور ان کے نامور فرزند الشیخ عبد اللطیف رحمہما اللہ سے
خطار خواہ علیٰ استفادہ کیا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش چھ سال کے بعد مجاہد فی دین اللہ
باطفیل رحمہ اللہ در عیہ سے روانہ ہوئے۔ اور عراق، ایران اور بلوچستان کے
رستے چلتے چلاتے ۱۲۹ھ / ۷۸۲ء و اپس اپنے وطن پہنچ گئے۔ ایک بڑے میان
نے با بر حسنة اللہ کی زبانی سنی ہوئی سفر ایران و عراق کی کچھ باتیں بھی سنائی تھیں۔ لیکن
یہ بھی اپنی اپنی برس کا قصہ ہے دوچار برس کی بات نہیں، اب بس اتنا باد ہتھے کہ واپسی
کے دوران با حضرت نے بغداد اہواز، شیراز، کرمان، زاهدان وغیرہ مقامات پر
چندے قیام کیا تھا اور اپس۔

وطن واپس پہنچ کر با حضرت علیل ہو گئے۔ کمزور اور ضعیف تو پہنچے ہی ستخے
سفروں نے مدد کر کھا تھا اس علاالت میں اور بھی رہ گئے۔ بہر حال روح بڑی
توانائی کچھ عرصہ بعد سنبھل گئے۔ لیکن جیات مستعار کے دن پورے ہو چکے تھے۔
۱۳۴۲ھ / ۱۸۲۶ء میں واپسی کے تقریباً دو سال بعد رفیق اعلیٰ سے جائے۔

اَنَّا لِلَّهِ وَإِنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ - رَحْمَةُ اللَّهِ وَغَفْرَانَةُ
وَجْهُهُمْ مُتَّوْلِهُ

محمد خان پوری مولانا عبدالخان سخنچ شاہ محفوظ

ان ہی کے نبیرہ والدی محترم حضرت مولانا ابو اسماعیل خدا بخش خان محدث خان پوری
 رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو ریحان ثواب ہی میں علوم دینی کی تحصیل کے لیے گھر سے نکل
 کھڑے ہوئے۔ راٹ کپن میں کچھ تھا میں قاضی خان پور ابی عبد الصمد مرحوم اور ان کے ابا
 سوکر کے قاضی محمد حسن عرف غلام حسن مرحوم سے پڑھی تھیں۔ پھر نیجے کے مختلف
 مدرس میں پھر تے پھر اتے دہلی، سہارن پور، آگرہ، بھوپال اور جنائز کے مشور و مکار
 میں علم کی پیاس سمجھاتے رہے۔ کچھ عرصہ گجرات کا ٹھیا والڑ کے شہر احمد آباد میں بھی قیام کیا
 آپ ۱۲۴۹ھ میں گلکھڑوں کے تلاکی پر گنہ ریاست خان پور میں پیدا ہوئے۔
 آپ کا خاندان علمی دینی اور مجاهدی رہنمائی کا علیم بر انتہا۔ چنانچہ حسب روایات علمی
 ماحول میں پروفسر پانی۔ قرآن مجید گھر میں ناظرہ پڑھا۔ کریما، نام حق، پند نامر سے
 مروجہ تعلیم کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد ہری پور کے قریب قصبه تلوکر میں اپنی بھوپلی کے
 ہاں چلے گئے تو سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ بھوپلی کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ اور وہ
 ان کو اپنے بچے کی طرح چاہتی اور بہت لذت پیار سے کھتی تھیں۔ وہاں جتنا عرصہ
 رہے پڑھنے پڑھانے سے چھٹی اور کھیل کو دینے شکولیت رہی
 کم و بیش پھر سات برس بعد تعلیم و تدریس کا رشتہ گستاخ پھر جڑا۔ اور وہ قلعوں
 و قلعوں سے خان پور، تلوکر اور اپنی ملکے مختلف جگہوں پر ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے
 یہاں تک کہ سترہ اٹھاڑہ سال کے ہو گئے تو طلب علم کے لیے ایک دوسرا تھیوں

کے ساتھ پنجاب کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ایسا علم ہوتا ہے کہ پنجاب کی دریاگاہوں میں زیادہ نہیں رکے البتہ ہندوستان کے مختلف مرکزوں علم میں ایک مدت تک متعدد اساتذہ علم سے کتب فیض کرتے رہے۔ تفصیلات تو معلوم نہیں، ہاں براہ دریز رگ مولوی محمد ابراہیم مرحوم کی روایت کے مطابق جھوپال اور جوناگڑھ وغیرہ ریاستوں میں کئی سال بسر کئے۔ دہلی اور آگرہ میں زیادہ نہیں رکھہ رہے۔ حدیث اور فقہ کی اکثر تکمیل سمارن پور میں پڑھیں۔ پھر قاضی محمد محضی شہری مرحوم کے ساتھ جھوپال پہنچے اور وہاں کچھ عرصہ کی وجہ میں کارپر وادر رہے۔

تہجیل تعلیم کے بعد تینجا اٹھا تھا میں تمیں برس کی عمر میں وطن واپس پہنچے اور علمی و تبلیغی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ موصوف بڑے طلاق اللسان واعظ اور شیوا بیان شیخیت سے بختے۔ ابتداء پیش کچھ عرصہ ضلع ہزارہ کے بعض تحفامات باخصوصیں گلیات کے علاقے میں وعظ و تذکرہ کا کام کیا۔ پھر راولپنڈی آگئے پہلی بیوی ایک بچہ اور پھری چھوڑ کر فوت ہو گئی تھیں۔ یہاں ان کی دوسری شادی ہوئی۔ ایک عرصہ تک ہیں مقیم رہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی شادیاں وغیرہ ہیں کہیں۔ جنی محلہ میں کوچہ مسٹریاں کے اندر شیخنا مرحوم قاضی عبد اللہ خان پوری مرحوم کے مکان کے ساتھ ہی ان کا مکان تھا۔ جو کئی سال بعد آپے بیچ دیا۔

انیسویں صدی عیسوی اتیرصویں صدی ہجری کے بعد آخر کا زمانہ تھا۔ گواڑہ کی مضائقی بستی بھیکم سیداں میں شیعیت کا چڑھا ہوا اور رفض و ابتداع کے پہنگائے شروع ہوئے۔ کتنے ہیں کہ پیر مشری شاہ مرحوم نے، جوانہی دنوں تھیل علوم سے فارغ ہو کر گواڑہ میں آئے تھے۔ شیعہ مبلغین سے سجھ و مناقرہ کیا اور تنی از عم مسائل میں انہیں لاجواب کر دیا۔ اس طرح یہ فتنہ کچھ عرصہ کے لیے فرد ہو گیا۔ لیکن اس کی آگ اندر سے اندھگتی سہی۔ یہاں تک کہ اس کی تپیش پھیلنے لگی اور اودگروں کی کچھ تسبیوں

کے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔
 موضع شاہ اللہ دوڑتے کے پھر گھرانے بھی اس سے مناثر ہوتے اور سید ولی کے
 چند خاندان شیعہ ہو گئے۔ اور یوں اس بستی کے بکنوں میں مذہبی نزاع کا آغاز ہوا۔
 والدی حضور، جو محدث خانپوری کے لقب سے طبق تھے اور اس نوچیں
 اپنی جولانی طبع اور خوش بیانی کے لیے معروف و ممتاز تھے۔ اس سے قبل باشندگان
 وہیں متعارف تھے شاہ اللہ دوڑتے کے اہل سنت و اجماعت نے انہیں رفض و
 شیعیت کی تردید کی غرض سے اپنے گاؤں میں مدعا کیا۔ اور جب دونوں طبقوں
 میں کشیدگی پھر زیادہ بڑھ گئی تو شیعہ حضرات نے لکھنٹ سے اپنے ملک کے بعض ناموں
 علماء کو مولوی خانپوری صاحب سے مناظرہ کے لیے بلوایا۔

غائب ۱۸۹۵ء / ۱۴۱۲ھ کا موسم بہار تھا کہ شیعہ مجتہد سرکار نجم العلماء کے بھجوائے
 ہوئے اور مرستہ الوضئین کے صدر الالفاظ و وجید عالم، شاہ اللہ دوڑتے کی پرضا البنتی
 میں وارد ہوئے۔ ادھر چارے تیس سالہ نوجوان محدث خانپوری ان کی
 پذیرائی کے لیے پہلے ہی سے موجود تھے۔ رات کو عشا پیر اور صلوٰۃ العشاء کے بعد
 والدی ہر ہوم اپنے دو تین اجباب کی معیت میں لکھنؤی مہمانوں سے ملاقات اور
 رسی دیوار کی غرض سے مسجد سیداں میں پہنچے۔ گھنٹہ پون گھنٹہ باہم تعارف اور مذاکرے
 میں گزارا۔ محدث خانپوری مر ہوم نے اپنے اسفار علمی کے سلسلہ میں متعدد بلا وہنہ زیارتیں
 اپنے قیام، بعض اساتذہ اور اجباب کا تذکرہ کیا۔ کچھ علمی نکات پر گفتگو ہوئی اور اگلے روز
 پھر ملنے کا بتو فیقہ تعالیٰ و عده کر کے چلے آئے۔

اس دفعہ کے لوگوں نے بڑے استھاب کے ساتھ یہ بیان کیا تھا کہ اگلی
 صبح دونوں لکھنؤں پر گوارا اپنے میزبانوں کے شدید اصرار کے باوجود پشاور کے لیے
 روانہ ہو گئے۔ عذریہ کیا کہ ہم نے اہمیات پشاور کو وقت دریا ہوا ہے رات والے

مولوی صاحب سے مناظرہ ہم پشاور سے والپس آکر کریں گے۔

ان کے اس خلاف توقع اور اچانک پروگرام سے بستی کے شیعہ سنی دولہ فریقوں نے یہی تاثر لیا کہ راست کی بات چیت میں شیعہ مناظریں نے اپنے حلفی مقابل کی علمی وجہت اور زبان و بیان کی خدا داد صلاحیت سے مروع ہو کر یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان سے میدانِ مناظرہ میں گوئے سبقت لے جانا ان کے بس میں نہیں۔ اور خیر اسی سیجھ کر یہاں سے اس وقت مل جائیں رمناظرہ میں فرار سے پسلے ہی فرار ہوتا ہے۔ بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت محمدث خان پوری رحمۃ اللہ علیہ کم و بیش چار سال مزید اسی گاؤں میں مقیم و غلط و تذکیر اور تدریس و تبلیغ کا فرضیہ ادا کرتے رہے، یہیں آپ کے ایک صاحبزادے اسمبلی اور صاحبزادی آنسہ خدیجہؓ اور اسال کی عمر میں یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے۔ اور یہاں آپ نے بعض بیکوں کی ازواجی تقریبات بھی متعدد کیں۔

صدی کے آخری ایام میں بعض خانجی احوال وسائل کے باعث آپ ایک بار چھردار السرور خان پور چلے گئے۔ لیکن کم و بیش پانچ سال بعد ہی معززین شاہ اللہ دہڑہ کے اصرار و ابرام پر والپس آننا پڑا۔ اس علاقے کے اہل سنت و اجماعتہ تو آپ کے مواضع خلبات کے والہ و شید استھے ہی شیعہ اکابرین بھی آپ کے علم و براعث کے قائل اور قدر دان تھے۔ عقیدہ و سلک کی غافریت کے باوصفت مولانا خان پوریؓ سے ان لوگوں کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ یہی وجہ ہے اس علاقے کے سوام و خواص کی محبت، عقیدت اور مردمت نے آپ کے قدم اس مضبوطی سے تھام لیا کہ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی بستی کے ہو رہے اور مدتِ عمر انہی چاہئے والوں میں بسر کر دی۔

محمد خانپوری رحمة اللہ تعالیٰ کے وعظ و خطابات کا چرچا دو رو نزدیک کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ پرانچہ آپ اردوگرد کے قبیلے میں بھی وعظ و تقریر کے لیے جاتے رہتے تھے۔ راولپنڈی شہر کے بعض قیم بڑے بوڑھے ان کی مناظر ان تابیث کے بعض واقعات مجھے نہستے رہے ہیں۔ جس ان دونوں کم علم تھا، بہت سی باتیں ذہن سے اتر گئیں ہاں اتنا یاد ہے کہ تالاب پختہ رہتے آج کل بھی کتنے ہیں اور جہاں اب تالاب کی جگہ مارکیٹ تعمیر ہو چکی ہے) اس نامے میں اس کے اردو میدان تھا اور بعض حصوں میں گھنیرے چھتار درخت تھے جن کے سایلوں میں وعظ و تبیغ۔ چھوٹے موٹے جلدی اور کھیل تماشوں کے پڑ جھتے تھے۔ مر جوم حاجی فضل اللہ نے آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے مجھے بتایا تھا کہ میں نے خود ایک نامی پادری کے ساتھ مولوی خانپوری کا مناظرہ سنا اور پادری کو مہبوت والا جواب ہو کر میدان سے بھاگتے دیکھا۔ انھوں نے پادری کا نام فلینڈریا فلینڈر بتایا تھا۔

محمد خانپوری مر جوم کے دو لڑکے محمد اسماعیل اور محمد سلیمان نیز ایک لڑکی خدیرہ لوگری میں ہی وفات پائی گئے تھے۔ ایک لڑکے محمد ابراہیم کو گھر پر ضروری درینی تعلیم دینے کے علاوہ مروجہ مکتبی ایجوکشیں سے بھی آراستہ کیا گیا اور گز شستہ صدی کے آخری عشرہ میں لاہور نشہل ٹریننگ کامیج میں تربیت دلوائی گئی۔ اس سے پہلے کچھ عرصہ وہ پشاور میں بھی پڑھتے رہتے تھے۔ ٹریننگ کے بعد وہ پہلے راولپنڈی کے اسلامیہ ہائی سکول میں تعین ہوئے۔ پھر کوئی، مگر ٹھہر گلی، ٹیکسلا، گولڑا اور ضلع کے بعض دوسرے مقامات پر مدد اور ہائی اسکولوں کے ہیئت ماضر ہے۔

آخر پیارہ ہو کر ۱۹۴۲ء میں بعمر ۸۶ سال راولپنڈی میں وفات پاتی۔

میں ابھی عامہ شیرخوار گی میں تھا کہ آپ کی حیاتِ مستعار کا پہنچانہ لبریز ہو گیا۔

اویسی ۱۳۴۳ھ کے اوائل میں آپ اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر عالم جا و دانی کی محنت

رحلت فرمادی ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیس راجحون ۴
رحمتِ حق بخاک پاکش باد

اللهم ارحمنا واغفرنام وادخلنَا جناتَ الْفَرْدَوْسِ۔

حضرت شیخنا مرحوم قاضی عبد اللہ خاپوری رحمۃ اللہ علیہ ہبھپن میں میرے کسر پر ما تمہ پھیرتے اور ازراہ شفقت فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے بھائی مولوی خدا بخش کی نشانی ہے آپ نے اپنے ایک شاگرد مولوی بعد الرحمٰم الکاشمیری کو میری ابتدائی تعلیم پر مأمور فرمایا اور جب میں کچھ رو ان ہو گیا تو کچھ کتاب میں خود بھی پڑھائیں میں شروع میں ان سے حدیث کی ابتدائی کتاب بلوغ المرام اور طب کی اولین کتاب موجز القالوں ایک ساتھ پڑھا کرتا تھا۔

والدی مغفور کی وفات کے بعد ہم لوگ شاہ الشہداء ہی میں سکونت پذیر ہے بڑے بھائی مولوی محمد ابراء یم بسط ملازمت گھر سے باہر رکھتے۔ بن عالیٰ شرہ اپنے سسرال میں تھیں اور گود کا بچہ والدہ کے پاس تھا۔ جب بڑا ہوا اور گھر سے باہر آنے جانے لگا۔ تو جن دونوں پنڈتی میں ہوتا بڑے قاضی صاحب سے پڑھتا اور گاؤں میں ہوتا تو سکول میں حاضری دیتا۔ تعلیم و تربیت کا ابتدائی مرحلہ گھر میں ہی طے ہوا۔ اور لیوں میرا دری طفولیت بیت گیا۔

حضرت محدث خاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی زیادہ لمبی سر نہیں پائی اکیا بلکہ باون بر س کے پیٹے میں سفر زندگی تمام ہو گیا۔ اس میں سے تیس سال کی مدت تعلیم و تعلم کی لیلائے ول نواز کی طلب و تلاش میں مشتمل ہے و امصار کی باور پہلی میں گزری صرف میں باہمیں بر س کی تبلیغی سرگرمیوں کے نقیب ہیں سرز میں پوٹھوہار کے شمالی حصہ میں توحید و سنت کی اشاعت و اقامت اور شرک و بہعت کی امامت و امانت کا اہم کام ہمہ گیر اور دور رک انداز میں انجام دیا۔ رسوم جاہلیت کے متواں

کے اس خطہ میں آپ کی سی شکور کے تیجہ میں کئی مقامات پر قرآن و حدیث کی شعیں روشن ہو گئیں اور دینِ حنفی کے شیدائی توحید و سنت کا نیچم ہاتھوں میں لیے میدان تبلیغ میں نکل آئے۔ اس طرح متبیعین سنت کا ایک اچھا خاص اگروہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی تلقین کرنے کے لیے پوٹھوار کے شمال و جنوب میں پھیل گیا۔ آپ کے مسترشدین میں قاضی محمد رفیع آف بھڈانہ، محبکیدار فضل احمد آف جوڑی، منہاج الدین اور مولیٰ بریان الدین بھلمی وغیرہ مرجویں کے اسماء کے گرامی نمایاں اور ممتاز ہیں۔ آپ کا حلقة اثر و عمل مندرجہ اور جملہ دریاؤں کے درمیان کی تمام وادیوں پہنچ گئے۔ محبنی کھیبی - سوان، سون سکیر اور احوان کا ریوی غیر کے طول و عرض تک پھیلا ہوا تھا۔

حاذقِ اعصر حکیم مولانا محمد فیض خاں حسب شفاء

مدینہ ارمنان "راولپنڈی

مندرجہ بالا عنوان سے، میرے حالات و سوانح پر ایک مبسوط مقالہ پندرہ بیس برس پہلے میرے ایک تلمیذ عزیز مختار شفائی سلمہ نے مرتب کیا تھا۔ جو انہوں نے حکیم سعید صاحب کی طلب پر انھیں بھجوادیا تھا۔ اور وہ ہر چیز کے درکان تک فتنہ کش کا مصدق ہو گیا۔ اس کی نقل اپنے پاس ہوتی تو وہی بھجوادیتا۔ میری بڑی مشکل آسان ہو جاتی۔ اس میں حالات ترتیب اور سیقے سے مندرج تھے۔ بہ صورت اب میں یہاں اپنی حیاتِ مستعار کے چند کوائف کسی آہنگ و فریب کے بغیر تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ داللہ مستعان و هو الموقی المخیر۔

میری پیدائش تو دارالسرور خانپور میں ہوئی۔ جو اس زمانہ میں گلشن ہزارہ کا سربراہ شاداب خلیفہ قدس تھا۔ والدی مغفور، حضرت محدث خانپوری کے دارالتبیغ کامرز ان دنوں موضع شاہ اللہ دتہ رضیخاں راولپنڈی کا ایک قدم تاریخی مقام تھا۔ اس لیے کہیں کا کچھ حصہ اسی وادی میں اور بقیہ راولپنڈی میں گزرا۔

میں ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۳ء کے اوائل میں پیدا ہوا اور ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء کے اوائل میں میرے والد المرحوم وفات پا گئے۔

تو آسمی کہ مرا ذغوب ایں خود شید
چہ گنج ہائے سعادت زیاں جان آمد؟

ظاہر ہے کہ میرا درستی خاصی بے سرو سافی میں بسر ہوا۔ چنانچہ تعلیم و تربیت

کی ابتدائی جدول مبھی کچھ کٹتی بھٹی سی ہے۔

اپنی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں میں اپنی والدہ ماجدہ غفرلہا کے بعد سب سے زیادہ شیخ ام روم حکیم قاضی عبدالاحد خان پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ممنون اتفاق ہوں اس کے علاوہ گواڑہ کے قاضی او منقثی حکیم محمد غوث مرحوم کی اتنا دانہ شفقتول کامبھی نیز بار احسان ہوں جنہوں نے گواڑہ اسکول میں میری رسمی تعلیم کے دوران مجھے فارسی کی چند ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو میں درستکل فرانسل کے امتحان میں نایاں حیثیت سے کامیاب ہوا اور دوسری طرف عربی، فارسی کی جزوی تعلیم اور علاج معابر جی میں ضروری درستس سے بھرہ مند ہو گیا۔

اس اثناء میں ۱۹۲۸ء کا عرصہ میں اتنا ذی مغفور قاضی عبدالاحد خان پوری قدس اللہ سرہ کا انتقال ہو گیا اور چندے بعد حضرت قاضی گواڑہ مبھی رہ گئے عالم بقا ہو گئے۔ اور میرا باقاعدہ سلسلہ تعلیم ناتمام رہ گیا۔

اب میں نے پہلے تو کچھ عرصہ مکمل تعلیم پنجاب میں بحیثیت مدرس کام کیا۔ پھر تکمیل تعلیم کے لیے عازم فہلی ہوا۔ جلتے ہی طبیہ کائج دلبی میں داخلہ مل گیا۔ بخوبی سے عرصہ بعد جب اساتذہ و علماء میں کائج کو میری علمی و فتنی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا تو وہ مجھے از راہ حوصلہ افزائی اور قدر دانی خارج نصاب سرگرمیوں میں برابر کی حیثیت دینے لگے۔ تحقیق و ریسرچ کے کچھ کام میرے سپرد کئے اور علمی مجالس اور مذاکراتی محفوظوں میں میری شمولیت ضروری قرار دی گئی۔

تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ کائج کے بوڑھاؤں طریقہ اور اساتذہ کے مابین چھپلش شروع ہوتی۔ سیکھڑی کائج حکیم جمیں میاں کے رویہ نے حالات کو اور بگاڑوایا۔ رفتہ رفتہ صورت احوال ناگوار حد تک پہنچ گئی۔ اور نوبت بایں جاریہ کی بلتی پر ۱۴ مسٹر بکھر ہو گئی۔ طبا قدر تما اپنے اساتذہ کی پارٹی اور منتظمہ کی خالعت لا بی۔

میں تھے۔ اسٹرائیکنے طول کھینچا۔ بعض اساتذہ بدول ہو کر کامیاب سے الگ ہو گئے کچھ دکن اور بھوپال کی طرف چلے گئے۔ کچھ نے دہیں قرول باغ میں علیحدہ درسگاہ کی بنارکھ دی۔ بیر وخت کے طلباء کے لیے کافی طرح کے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ میرے ساتھ پنجابی طلباء کا ایک وقیع گروپ تھا۔ ہم میں سے بہت سے رکے والپس چلے آئے۔ میں شفائد الملک دلبر حسن خاں بھٹی مر جوم سے ملاقات کی خاطر پیار رہ پہنچا۔ یہ مجھے دلی سے جانتے تھے۔ اور مختلف مجالس میں مجھے دیکھ چکے تھے۔ ان کے اصرار پر کچھ عرصہ میں بھوپندراء طبیہ کا لجج میں پڑھاتا رہا۔ بھوپندراء طبیہ کا لوف والپس آگی۔

یہاں راولپنڈی میں مطلب کا آغاز کیا اور ساتھ ہی قیدم مسجد اہل حدیث میں امامت و خطابت کی ذمہ داریاں بھی سنبھال لیں۔ اس کی تعمیر نو اور انتظامی امور کی نگہداشت بھی میکے ذمہ تھی۔ امامت و خطابت تو آگے چل کر دوسرا بھر کے حضرات کے حوالے کر دی لیکن نظم و سق کا معاملہ تقسیم مکب کے ایک عرصہ بعد تک مجمعہ ہی سے متعلق رہا۔ اس دوران پسے انہیں اور بھر جمعیت اہل حدیث کی سیکرٹری شپ کی ذمہ داریاں ایک عرصہ تک حسن و خوبی سے انجام دیتا رہا۔ ادھر ضلع راولپنڈی کی جمیعتہ الحلاج کا معمتم بھی تھا اور مجلس احرار اسلام راولپنڈی کا ناظم اعلیٰ بھی۔ الغرض اپنی بے بضاعتی اور کم سنی کے باوجود، وینی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی ہر شعبہ زندگیں بساط بھر سی و کاوش سے کام لیتا رہا۔

مطلوب کے علاوہ طبی محاذ پر دوسری متعدد مسروکیوں میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ شروع میں کچھ عرصہ انہیں اطبائے راولپنڈی کی نظمائیت بھی میرے پرور ہی جس کا سلسلہ آل ائمیا و ائمہ طبیہ کی تشکیل تک جاری رہا۔ اسی اشاعت میں مر جوم شیخ الاطباء حکیم علام محمد اور ڈاکٹر کرم بخش بی اے کے ساتھ مل کر پنجاب طبی سکول رجسٹرڈ کے نام سے ایک

لبی در سکاہ قائم کی جس میں ایک عرصتہ کلیات و معابدات کے مضامین پڑھاتا رہا۔

آل انڈیا دائرہ طبیہ کی تشکیل میں نے خالص علمی تحقیقی، تحریاتی اور عملی رسیرچ کو منظم طریق پر آگے بڑھانے کی غرض سے کمیتی فنی اور گروہی سیاست سے پوری طرح اجتناب مذکور تھا۔ پھر انچہ مجلس تحریات اور شعبہ تحقیق و تفہیض وغیرہ ذیلی ادارے قائم کئے گئے۔ خیرانی اور رفاقتی انصوبے مرتب کر کے گام شروع کر دیا گیا۔ لیکن یہ خود غلط بود اسکے پس پاندراشتیم

جوں جوں قدم آگے پڑھتے گئے۔ ہم خواہ مخواہ سیاست کی دلیل میں پختہ اور ابھتہ بلکہ دھنستے چلے گئے۔ ہم نے ملکی اور فنی ہر قسم سیاست سے الگ تھاگ روک کر گام کرنے کی داغ بیل ڈالی تھی۔ لیکن حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ ہم اپنے سامنیوں سہیت سیاست کے چکر میں آگئے۔

واڑہ طبیہ کے حلقة اثر و عمل میں کچھ اپسے پُر جوش اور مخلاص اطباء اہل فرشتم ہوتے اور موڑ قوت بنتے گئے جنہوں نے اس خالص فنی اور تحقیقی تنظیم کو جی آحمد کار سیاست فنی کی نامہوار وادیوں میں گام فرسانی پر مجبور کر دیا۔ ان دنوں پنجاب میں طبیبوں اور ویدوں کی رجسٹریشن کی تحریک چل رہی تھی۔ پنجاب کے اسکے طریقہ جعل شفاق خانہ جات کرناں جی۔ جالی نے ایک سوانح امر مرتب کر کے صوبہ بھر کے معابدیں کو بھیجا۔ اس کے جوابات ویدوں نے قواجماعی انداز میں تحریر کر کے بھجوادیئے۔ لیکن طبیبوں کی نامہوار اکنہوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس پر مجھے اور میرے سامنیوں کو صورتِ احوال کی نزاکت کا احسکس ہوا۔ ہمیں خصوصیت سے آل انڈیا ایور ویک اینڈیلو ناٹی طبی کانفرنس کی پنجشہا شاخ سے یہ شکایت تھی کہ لمحض میں اس اہم اور نازک موقع پر اطباء نے پنجاب کو بروقت رہنمائی فراہم نہیں کی۔

چنانچہ میں نے بھی شیخ سعد مرکزیہ دائرہ طبیہ مذکورہ بلالا سوانٹا نے کے جواہر پر مشتمل ایک تفصیلی بیان جاری کیا اور اردو اور انگریزی دونوں زبانوں کے اخبارات اور بعض جراندیں شائع کرایا۔ اس طرح بادل ناخواستہ ہمیں فتنی سیاست کی اور اپنے خارج میں قدم رکھنا پڑا۔ ہمارے اس اقدام کا فردی رو عمل یہ ہوا کہ دائرہ طبیہ نہ صرف پنجاب میں بلکہ پورے ملک میں ایک باشور سیاسی فتنی تنظیم کی حیثیت سے اُبھرگیا۔ یاد رفیقہ حکیم یہ علی احمد نیر و اسطی بھی ہماری فتنی سرگرمیوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ اپنی پیش رفت سماں کے سلسلہ میں ہم نے آں انڈیا دائرہ طبیہ کا فتنی ویسا سی آرگن لاہور سے شائع کرنا مسروع کیا۔ میں اس کا سرپرست اور مولانا حکیم عبد الجید خاوم سوہنروی مرحوم اس کے مدیر تھے۔ اس طبی بیگزین کے ادارتی صفحات پر سجل اطبا کے موضوع پر میں کے قلم سے ایک مبسوط مقالہ تین چار قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ حضرت نیر و اسطی نے اسے اس درجہ پسند فرمایا کہ بطور خاص حکیم عبد الجید عقیقی صاحب مرحوم کو پنڈی بھیج کر مجھ سے اس خالہ کو اپنی بھیعت مجاہس اطباء نے پنجاب کی طرف سے شائع کرنے کی اجازت طلب فرمائی پھاپخیر یہ رسالت نیحات کے نام سے شائع ہوا۔ اطباء نے پنجاب میں باہمی اضطراب و تفرقہ، فن اور اہل فن دونوں کے لئے خاصہ نقصان وہ اور پریشان کن تھا۔ مرکزی کانفرنس اس صورت حال سے متاثر بلکہ رنجیدہ تھی اور اس نے مصالحتی اقدامات کے لیے صدر الاطباء حکیم محمد ایاس خاں مرحوم کو مقرر کیا۔ موصوف نے مرحومین قرشی و نیر اور اس ناچیز سے را لبط کیا۔ دو تین مرتبہ پنجاب آئئے اور آخر کار ان کی ٹگ و ڈو کامیاب ہوئی۔ بھر سکالی اور فن و فتوی کے نام پر آپس کی پرانی رنجشیں اور شکر رنجیاں دور ہو گئیں اور یہ کب جماعتی نظام قائم کر کے فتنی سیاست کو پھر سے اس کی پڑھی پڑھا دیا گیا اور یوں ہمیں مزید سیاسی سرگرمیوں میں حصہ یینا پڑا۔

اس کے محتوا پر عرصہ بعد ہی مک میں لیگ اور کانگرس کی حلفاء نے بیان
کے ہنگامے روز افزوں شدت اختیار کرنے لگے تبام پاکستان کی تحریک روز بروز
زور پڑتی گئی اور طلبی بیان کے ساتھ ساتھ ہمیں ملکی بلکہ قومی بیانات میں بھی سرگرمی
سے حصہ لینے کا موقع حاصل ہوا۔ مسلمانوں نے انگریز کے سامراج اور ہندو کے
رام راج دونوں طاغتوں کے عفرتی چیزوں سے اپنے جدید ملی کو بچانے کے لیے جس
جنہوں اور تریپ سے پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ کا پر زور نعرہ لگایا
تھا۔ اللہ تعالیٰ رب السموات والارض نے اُسے پذیرائی بخشی اور خود ہندو اور
انگریز دنوں سے تقسیم مک کا فیصلہ صادر کر دیا۔ چنانچہ پہلے پاکستان قائم ہوا اس
کے بعد ہندوستان آزاد ہوا اور تاریخ عالم میں اسلام کی لشائۃ جدیدہ کی خاطر ملکت
پاکستان کو وجود بخشنا گیا۔

قیام پاکستان کے بعد مملکت خداداد میں جس طرح اسلامی تہذیب و معاشرہ
کے اجھا کی توقع تھی۔ اسی طرح اسلامی علوم و فنون بالخصوص طب کو اس کا صحیح
اور جائز مقام حاصل ہونے کی بڑی امید تھی لیکن یہ
اسے باکرزو کہ خاک شدہ

یہ ہماری بنسپی سے ہے کہ اس نو زائدہ مملکت کے اہل جل و عقد، اکثر وبیشتر
مغربی فکر و فلسفہ کے پرستار چلے آ رہے ہیں اور یہ واضح ہے کہ مغرب کا فکر و
فلسفہ، یا اسی ہو یا معاشری، اخلاقی ہو یا معاشرتی، آئینی ہو یا تعلیمی اپنی اصل (roots)
سے لے کر اب تک (up to DATE) یہودیت کا نقش شانی ہے۔ فرانڈ کے
معاشرتی نظریات ہوں یا مارکس کے معاشری افکار، ان سب کی اساس حب ذات
پر ہے اور یہ اسلام نے اس طرز فکر و نظر کو جامد اور غیر ترقی پذیر ٹھہرا لیا ہے اور
اس کے مقابل میں ایثار و موساۃ کی راہ دکھائی اور یہ مژروں علی انفسہم دلو

کان بھم خصا صیہ کی قدمی روشن کی ہے۔ اور حب عاجلہ کو میوب
قرار دے کر ورحمة اللہ خیر ما یجمعون او اللہ عنده لامن المأب کا
مزدہ سنایا ہے۔

ہمارے ارباب اقتدار نے خواہ وہ نظام سرمایہ داری (CAPITALISM)
کے دلادوہ ہوں خواہ اشتراکی و ستور زندگی (COMMUNISM) کے فریب خورہ
بالا کشی بھی انداز فکر و نظر اپنا یا ہے۔ الا من شاء اللہ بہت کم لوگ ایسے نکلے جنہوں
نے اسلامی نظریہ حیات کو پاکستان کے نظم مملکت کی اساس ٹھہرا یا اور اس کے
لیے عملی جدوجہد بھی کی ہے۔ وہاں اکثر انسان و دوسرست بیومنین۔
اسی صورت حال کا یہ تنبیہ ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی اس
مملکت میں اسلام ابھی تک اجنبی ہے اور بہاں اسلامی تدبیب و ثقافت اور اسلامی
علوم و فنون آج بھی رجعت پنڈی اور بورڈر و ایشیت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔
عصر حاضر کے فلسفہ زندگی کو عملیاً اپنا لیا گیا ہے۔ زبانی کلامی طور پر اسلام کا نام بہت
اور بکثرت بیجا جاتا ہے۔ میکن نفوذ اور نفاذ، رضاخدا اسلام (ANTI-ISLAMIC)
طرز زندگی، کا ہورہا ہے۔ مترفین کی بن آئی ہے۔ ایقوریت، یعنی بارہہ عیش کوش
کر عالم دوبارہ نیت تقریباً ہر شخص کا مطیع نظر ہے۔

اس ماحول میں ہم نے اسلام اور اسلامی فنون کے احیاء و نفوذ کی خاطر بڑا
بھروسہ کو شش کی اور اپنی محمد و دصلی علیہن اور صلی علیہ وسلم و دو سائیں کے باوسفت تگ و دو
بیرونی حروف رہے۔ نفاذ اسلام اور اقامت دین کی مسائل کا سلسلہ تودہ مکے ساتھ
ہے۔ اس کے ذکر و بیان کی ضرورت نہیں البتہ سلسلہ مخن کو آگے بڑھانے کیلئے
اسلامی علوم و فنون میں سے طبیعی متعلق اپنی سرگرمیوں کی تھوڑی سی مزید دھن
مناسب ہو گی۔

قیام پاکستان کے مغرب زدہ اور تجہ دگریدہ ارباب بست و کشادنے، موجود دور کی غیر فطری شیئی اور مضاد حیات طب (MODERN MEDICAL SCIENCE) سے مروعہ ہو کر اسلامی عمدہ نہضت کے ترقی یافتہ فطری اور شفائی طریقی علاج طبِ اسلامی کو نہ صرف یہ قطبی طور پر نظر انداز کیا۔ بلکہ اسے دورو حشت کی یادگار اور ہوانی بھمازوں کے زمانہ میں ڈمگھاتی کھلمکھراتی ہوتی بیل گاڑی کے مانند فرسودہ اور بے حقیقت قرار دے دیا ہم لوگ پاکستان میں کیا تو اس فنِ عزیز کی ترقی و توسعہ کی آس لگا بیٹھے تھے اور کیا تو یہ دیکھا کہ طبِ اسلامی، حریفانِ شاطر کے نرغے میں انتہائی زار و زبول حالات میں فریاد کننا ہے۔

ایسے بے رحموں کے مجھ کو دام میں لا یا ہے چرخ
جو یہ کہتے ہیں کہ اس کے نوچ کر پر چھوڑ دو

کار پر دازان حکومت اپنی ذہنی مروعہ بیت اور فکری بے ماہگی کے باعث یورپی طب کے مقابلے میں اس ملکی طب کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت دینے کو تیار نہ تھے۔

ان حالات میں پسلے تو میں نے طبی تحریک کی پیش رفت کے لیے ہفتہ "اریغان" جاری کیا۔ پھر طبِ اسلامی کے نام سے ایک مختصر لیکن جامع کتاب لکھ کر اس فن کی علمی اور سائنسی حیثیت اجاگر کی اور تحقیقی و تاریخی کی روشنی میں اس کی فطری اور شفائی خوبیوں کو واضح کیا۔ جس سے یہ فتنہ کچھ عرصہ کے لیے دب گیا اور ادھر فرنی سیاسی تحریک میں توانائی پیدا ہوئی اور طب کے مضمحل و ناتواں بدن میں زندگی ایسا بارچہ انگریزیاں لینے لگی۔

میں اس فنِ عزیز کو ۱۹۵۲ء میں طبِ اسلامی ثابت کر چکا تھا اور اسی عنوان پر میری کتاب شائع ہوئی تھی۔ جبکہ موجودہ صدر ملکت جنرل محمد شیخ احمد نے لے لائے

یہ ایک سرکاری صفحہ کی طبی کا نفرمیں میں اسے طب اسلامی ٹھہرایا اور طب اسلامی کئھنے اور اس کی ترقی و پیش رفت کے لیے حوصلہ مندانہ کو ششیں انجام دینے کا مشورہ دیا۔

بہرحال طب اسلامی کے نشووار تقا، اس کی پیش رفت اور فروغ کے سلسلہ میں میری مسامی آج بھی جاری ہیں۔ پچھلے سال میں نے پشاور یونیورسٹی سے طبقہ منظرل ایشان طلبی سنٹر کو فارسی زبان کی مشہور طبی انسانیکلوپیڈیا، ذخیرہ خوارزم شاہی کے کچھ حصے ترجمہ اور تدوین جدید سے مرتب کر کے دیتے ہیں۔ اسی طرح نیشنل سائنس کونسل اسلام آباد رابنیشل کو نسل فارسائنس اینڈ ٹکنالوجی، کو طب اسلامی کا عہد بعد ارتقا پودہ سوالہ تاریخ تحقیق کی روشنی میں بخواہی کر دی ہوتی ہے۔ انتشار اللہ یہ دونوں ادارے عنقریب انہیں شائع کر رہے ہیں۔

طبی اور مذہبی اسلامی موضوعات پر چھوٹی بڑی تابیفات اور تصانیف کا سلسلہ شروع دن سے جاری رہا۔ مثلاً طب اسلامی تفہیم الکلیات، دریں شفاف تخفہ نایاب، تتفیقات، تلویجات، مصدقہ فارما کوپیا اور دوسرا کتاب میں طب ہیں اور الید را بازار، شمس الہدی، ذکری لذکرین اور دینی و مذہبی موضوعات پر متعدد کتابے، تیز اخلاقی معاشرتی اور سماجی مسائل پر بیویں رضا میں شائع ہوئے ہیں۔ شعر و ادب اور صحفہ اور مقالہ سمجھاری کا ذوق و شفف غالباً گھٹی ہیں پڑا سمجھا کہ نہ تو ان گوناگون مصروفیات میں اس سے مفرختا اور نہ آج کے پیروں فرتوں ہو رہا ہوں۔ سمجھات کی کوئی راہ دکھانی دیتی ہے۔ راویں نیڈی میں اس دور کے اکثر نہ آموز ادیب اور شاعر میرے حلقوں میں شامل تھے۔ کتنی ہونہار شاعران دونوں میرے "تکیہ" پر ہی جاگریں رہتے تھے۔ مطلب کیا تھا۔ علمی ادبی، فنی، شعری سرگرمیوں کا احکاڑہ تھا۔ طبی علم و عمل سے شفف رکھنے والے صحیح آتے

جاتے رہتے تھے اور تو اور اکیسر کیمیا کے دوسروں دور دوسرے میں کرتے پر پہنچتے تھے۔ مزید براں۔ عربی۔ فارسی اور اردو میں آنزوں یا ہائی پروفیشنل وغیرہ امتیازات کے امیدواروں کی ایک پوری کھیپ مجھے گھیرے رہتی تھی۔

اور میں ان سب ہنگاموں پر مستلزم صحافت کی سنگلار خ وادی میں بھی جادہ پیمانی اور بادیہ نوری کا شوق رکھتا تھا۔ راوی پینڈی آتے ہی پہلے تو مولوی شاہ العین جملہ میں رہنمای متجدد ڈاکٹر فضل الرحمن کے والدہ کے روزنامہ "شہاب" میں اعزازی کام کیا۔ پھر ریاست امب کے معززوں وزیر خاں ضرغام اللہ خاں کے ساتھ مل کر ہفت روزہ "منظوم" "جاری" کی۔ اس میں ہی سے ساتھ خدا بخش انہر امر تسری بھی کام کرتے تھے۔ پھر فرمی لانسر کے طور پر ہنماۓ زندگی، دولت و صحت، محض حکمت نیز نگ خیال۔ عالمیگر اور بعض اخبارات میں لکھتا رہا۔

اس دور میں طبی جرائم میں بھی بہت کچھ لکھا۔ اس زمانہ کے اکثر طبی صحیفے مثلًا ہمدرد صحت، الحکیم، مشیر الاطباء۔ الطیب، تبصرة الاطباء، حکیم حاذق، ہعین اللہ العلاج اور طبی میگزین وغیرہ میرے مضامین و مجموعات سے مزین ہوتے تھے۔

غرض ان دنوں اقبال کے بقول میری یہ کیفیت تھی۔

ہر خط نیا سور، نئی بر قا جبلی

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

ظاہر ہے کہ اس درجہ متنوع اور بوقلموں دیسپویں اور مقدمہ و فتویوں کی بنابری میں کسی ایک چیز پر اپنے انہاں اور استقلال سے توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے کسی مشغلہ کو اپنی حد سے بڑھنے کی اجازت نہ دے سکا اور یوں انگریزی خوب مثلاً "A COKER" کے مطابق ہرنہ مولابن کر دیا گیا۔

تمنگی اسی نیجہ حلیقی رہی اور خوش عمر ڈکی چال سے آگے بڑھتا رہا مختلف اصناف

سخن میں اور عربی، فارسی، اردو و متدادل زبانوں میں نظم و نثر لکھتا رہا۔ میرا فارسی کی ایران کے بعض ممتاز پروپریوں میں بھی چھپا ہے۔ شعرو سنن کا پکا جاتا تو نہیں۔ لیکن گے چل کر جب فنا فی الشعر جانوروں کی غیر انسانی یکفیات سے واسطہ ڈرا تو دل اس طبقے سے بیزار اور شعرو شاعری سے جی اچاٹ ہو گی۔ وگرنہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کی زبان میں بھی کہہ سکتا تھا۔

ولولا الشعرا بالعلماء میتڑی لکنت المیم اشعر من لمید

خود میرا ایک شرح پر حال ہے۔

شعر کر لینا کوئی بات نہیں۔ شعر خواہی عجب مصیبت ہے۔

چنانچہ مجالس شعرو سخن میں شمولیت سے گزی، اور شعرائے عمر کے ساتھ خلا مل سے پہنیز اپنی طبیعت ثانیہ بن کر رہ گئی ہے۔

اپنے اس روزمرہ کے ساتھ ساتھیں نے علمی تکمیل اور تحقیقی ارتقاء کی خاطر اکیڈمیک اور ایجوکیشنل سرگرمیوں میں بھی خیر معمولی لمحپی لی ہے۔ چنانچہ امک طرف جامعہ طبیہ شرقیہ اور ادارہ علمیہ کے نام سے دو اہم درسگاہوں کے قیام کا ڈاول ڈالا اور دوسری طرف تکمیل ذات کی غرض سے خوبیا یونیورسٹی لاہور کے امتحاناً مولوی فاضل بخشی فاضل، ادیب فاضل امتیاز و اعزاز کے ساتھ پاس کئے۔

یادش بیجی برس سال مجھے مولوی فاضل کا امتحان پاس کرنے کا خیال آیا ہے مکرمی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ مرحوم سے اس کا تذکرہ کیا تو مرحوم نے، جو محتوا عرصہ پہلے اس امتحان سے فارغ ہوتے تھے۔ نہ صرف یہ کہ اس کی کچھ نصابی کتابیں فراہم کر دیں۔ بلکہ میرے کریم گزارش کرنے پر کہ میں نے فنونِ منطق و فلسفہ نہیں پڑھے ہیں، ان کی تیاری کے سلسلہ میں پوری معاونت کا لیتھیں دلایا چنانچہ کتنی مرتبہ خود میرے مطلب میں تشریف لَا کر مجھے اور میرے ساتھیوں مولانا عبد الغفار

فاسی اور مولانا غلام احمد حیری مذکوم کو ستم اور اشارات پر لپکھ دیتے۔
السنه شرقیہ کے ان امتحانات کے علاوہ میں نے پنجاب ایونیورسٹی سے
بی اے کا امتحان بھی دیا۔ اور چونکہ میرے تمام مشاغل میں علم و عمل طب خصوصی ہیست
رکھتا تھا اور اسی پر میری بھائی کا دار و مدار تھا۔ میں نے بھجو پندرہ اطبیہ کارج پیالہ
سے حافظ احکماء اور ماہر طب و جراحت کا سنی امتحان بھی پاس کیا اور اسی
دوران میں ال آباد ایونیورسٹی سے فاضل طب عربی کا امتحان بھی مے ڈالا۔

مطہب پر خاطر خواہ توجہ نہ دینے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کی ہمراہی اور اس
کے کرم خصوصی سے اہم پیچیدہ اور عسیر العلاج بیماریوں کے علاج معاجم ہیں ہمارت
اور دستِ شفا کی برکت حاصل ہے۔ چنانچہ ملکے طول و عرض سے مالیوں و
نامام مرپیں خود حکیمیوں اور ڈاکٹروں کی وساطت سے میری طرف آتے اور جیرت اگیز
طور پر شفا یاب ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی کہ بازار سے دور گھر پر مطہب کرنا
ہوں اللہ تعالیٰ کی مدود توفیق سے دستِ شفا کا فیض جاری ہے۔

میسک خادمانہ عزم و عمل کا ایک روشن باب سماجی اور سوچی بیبود کے
پروگراموں سے خصوصی لمحپی کا باب ہے؛ یوں تورفah عام اور خدمتِ خلق کے
کاموں میں بدوشواری سے حصہ لیتا رہا ہوں مجھے یاد ہے کہ ابھی سبزہ آغاز نہ جو ان
تھا کہ اپنے گاؤں میں اخجن اصلاح المسلمين بنائی تھتی اور معاشرتی اصلاح دفارج
کے لیے اپنی بساط کے مطابق عمل کو شکشوں کا آغاز کیا تھا۔ پھر جب راوی پنڈی
میں پہنچا۔ تو نشی سردار میرا کبر خاں عجاسی (جو بعد میں مجاہد اول سردار عبدالقیوم خاں
صدراً زاد کشمیر کے خسر بنے) کے ساتھ مل کر اخجن رفاه عام کی تشکیل کی تھتی۔ اس کے
لڑکیوں سے ایک رسالہ جو میں نے انہی دلوں خاصی نو عمری میں «وفی الحركۃ
برکتہ» کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اب بھی میسک پاس موجود ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ میرے سو شل اور رفاقتی کاموں کا دائرہ عمل پھیلتا اور بڑھتا چلا گیا۔ قیامِ پاکستان کے فوری بعد خان بالو بعد الخرز خال مرحوم کی رفاقت میں ”انجمن الصادقون مهاجرین“ کے نام سے ایک فلاحتی تنظیم قائم کی گئی جس میں راؤ پینڈی شہر و صدر کے چیدہ و برگزیدہ اصحاب شامل تھے اور پاکستان کے سابق وزیر سہزادہ امیر حنفی خال ہمارے معادوں خندو صی تھے۔

میرے سو شل ویلفیئر کے معاملات میں اسی چیزی اور انہاک کا تیجہ تھا۔ کہ جب مغربی پاکستان کی وزارت سماجی تہذیب نے راؤ پینڈی میں شہری ترقیاتی منصوبے بنائے تو ”URBAN COMMUNITY DEVELOPMENT PROJECT“ کے پروجیکٹ نمبر اکا مجھے صدر منتخب کیا گیا اور شمال مغربی حلقہ راؤ پینڈی کے کم و بیش دس محلوں پر مشتمل ایک وسیع علاقہ ہماری سو شل سرگرمیوں کے لیے مختص کر دیا گیا چنانچہ میں نے اپنے مختص اور پُر جوش رفقاء کی ان تھنک کاوشوں سے اس پروجیکٹ کو تھوڑے ہی عرصہ میں (MODEL PROJECT) بنایا۔ اس کے زیر انتظام متعدد اداروں ہوں، صنعت زار، تجربہ بچہ سنتر، دارالحکومتیں، تعلیمی ادارے، ویلفیئر سکول، دارالالطفال ہسپسراں، خیراتی شفاخانے لائبریریاں اور ریڈنگ روم وغیرہ حلقہ کے طوں عرض میں قائم کر دیتے گئے۔ اور اس طرح، راؤ پینڈی کے دوسرے تمام شہری ترقیاتی پروجیکٹوں میں ہمارا پروجیکٹ ایک مثالی اور کامیاب سماجی مرکز کی حیثیت سے اجھر کر سامنے آگیا۔

ہم نے مرحوم سعیدن فضل حق کی تجویز پر اس کا نام CSP. PROJECT رکھا۔ اور ۱۹۷۳ء میں حکومت نے مجھے اسی پروجیکٹ کے پریزیڈنٹ کی حیثیت سے مغربی پاکستان سو شل لیڈرز کے منتخب ڈیلیگیشن کا ایک رکن نامزد کیا اور ہم شرقی پاکستان (حال بھکر دیش) بھیجا۔ وہاں ہم نے خیرگانی اور یکانگت کے مشن کی تکمیل کے

ساختہ سختہ بھگالی بھائیوں کے سوچل اداروں کا معائنہ کیا۔ ایشیا فاؤنڈیشن گورنمنٹی پاکن جبکہ المنشی خال اور ڈھاکہ کھلن، ہلہٹ، کومبلہ، چٹا گانگ وغیرہ کے بلدیاتی اداروں کے استقبالیوں، ڈزروں، پنجوں وغیرہ تقریبات میں شرکت کی اور پورے دو ہفتے اس حصہ ملک میں گھوم پھر کر سماجی بہبود کے کام کا مطالعاتی جائزہ لیا۔

اس جائزے کے بعد میں نے اپنے پروجیکٹ کے لیے بڑے اہم ترقیاتی پروگرام رتب کئے تھے اور ایشیا فاؤنڈیشن کے تعاون سے ان پر عالمگرد آمد کا منصوبہ بنایا تھا۔ لیکن ابھی یہ سب کچھ تجھیت و پز کے مرحلہ میں تھا کہ ملک کے سیاسی حالات میں الہار پچھاڑا شروع ہو گئی۔ جی کی جی میں ہی رہی بات نہ ہونے پائی۔ ادھر کچھ عرصہ پر مچھے بیادی جھوٹیوں کے انتخابات میں حصہ لئے پرمحبوب کر دیا گیا تھا۔

اپنے طبی کارناموں اور بعض معنکر آرام معراجات کی وجہ سے میرا حلقوں تعارف خاصہ دیکھتا۔ مزید براں دینی عناصر سے قریبی رابطے اور تحریک اقامت دیں گہرے شغف کی بنابر ملک کی معروف و ممتاز شخصیوں سے نسبتاً زیادہ بیگانگت تھی۔ ۱۹۳۹ء میں صدیق مکرم مولانا مسعود عالم ندوی راج الشدروحد کی تحریک، اخ المحترم عبد الغفار حسن عمر پوری حفظ اللہ کی تجویز اور رفیق گرامی، غازی عبد الجبار ایم اے بنی ٹی رحمہ اللہ کی پُر زور تائید سے میرے ازدواج کا پروگرام بننا اور مرحوم مولانا عبد اللہ عبد الصبور ایم اے فاضل دینیات دہلوی کی دفتر روشن اختر سے عقد نکاح ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل درجت سے یہ سادہ سی تقریب ازدواج آگے چل کر

قرآن السعدین ثابت ہوتی فللہ الحمد اولاً وآخرًا والافتہ على احسانہ۔

باری تعالیٰ نے اولاد ذکر و اناش سے نوازا۔ پائیج ریکیاں اور دو لڑکے عطا کئے۔

جو بخواستے الناس معادن کمعادن الذهب والفضة طرقین کے مشترک خصائص

سے پہرہ مند ہیں۔ چاروں بڑی ریکیاں مروجہ تعلیم اور اسلامی تربیت سے مرصع اپنے

نہ بیانات میں خطبات و مواعظ کی بہت سی کتابیں اپ کی
نظر سے گذری ہوں گی۔ مختصر سے مختصر بھی اور خوبیں بھی،
لیکن

کامل تین جلد

اسلامی خطب

مُصَنَّفٌ : مولانا عبدالسلام رحمنی

بعض خصوصیتوں میں ان سے منفرد ہے کیونکہ اس میں :-

- زندگی بھر میں پہلے مذکور کی رسمیت سے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل پر خطبات موقویں
- درج شدہ شخص اور وقت پر اعلان کیا جا ہے۔
- مضامین متنوع اور تنادی میں سبتابوں کے منفرد نیز موقع محل کی نسبت سے اخلاقی اور مذہبی اثما
- رمضان المبارک علی الفطرة عدل الاضحیٰ محشرہ الحرام اور ربیع الاول خاص خطبے

سفید کاغذ *	ونا لیک	اللہ عزیز	اللہ عزیز	اللہ عزیز
جلد اول ۶۶	محضہ ۲۸	مصنفات	اللہ عزیز	اللہ عزیز
جلد دوم ۵۰	خطبہ	۳۰	مصنفات	۴۰
جلد سوم ۲۰	خطبہ	۲۰	مصنفات	۵۰

المکتبۃ السلفیۃ

شیش محل روڈ ۰ لاہور ۰ پاکستان

